محمد بن قاسم



ایک دلکش تاریخی داستان

محمد بن قاسم

صادق حسین صدیقی



مکتبہ القریش ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور



ناشر : عبدالحفیظ قریشی

مطبع : نیراسد پرنٹرز لاہور

کمپوزنگ : کلاسکس کمپیوٹرز

تعداد : 600

سن اشاعت : 2007ء

قیمت : -/350 روپے

فون: 7352835-7231595

مکتبہ القریش اُردو بازار لاہور۔

ISBN 969-38-0197-0

پہلا باب

دو محبت بھرے دل

جزائر سراندیپ کے مسلمان اپنے آباؤ اجداد کے وطن عرب جانے کے لئے ہمہ وقت مضطرب و بے قرار رہتے تھے ۔ یوں تو مشرق بعید میں واقع اس خطے میں انہیں ہر طرح سے آرام و سکون حاصل تھا ۔ جزائر سراندیپ کے اصل باشندے ان سے بہت زیادہ پیار کرتے تھے ۔ کاروبار بھی ان کے اچھے خاصے تھے ۔ اس کے باوجود ان کے دل میں یہ ارمان مچلتا رہتا تھا کہ ہم اس دھرتی کا دیدار کریں جس سے ہجرت کر کے ہمارے باپ دادا سراندیپ آئے تھے۔

آخر ان مسلمان باشندوں نے اجتماعی طور پر سراندیپ کے راجہ سے وطن جانے کے لئے اجازت مانگی اور راجہ کے اجازت دے دینے پر عرب جانے کی تیاریاں کرنے لگے ۔ دس گیارہ روز کی تیاری کے بعد وہ اپنے اپنے گھروں سے نکلے اور قافلے کی صورت میں بندرگاہ کی جانب روانہ ہو گئے ۔

راستے میں جہاں انہیں رات پڑتی وہ اپنا سامان گھوڑوں سے اتارتے اور خیمے کھول کر آرام کرتے اور صبح پو پھٹنے پر پھر سے سفر شروع کر دیتے ۔ اس طرح کرتے انہوں نے بہت سی مسافت طے کر لی ۔ سراندیپ کا راجہ بہت اچھا تھا ۔ اس نے ان کے لئے خاص حکم جاری کیا ہوا تھا کہ ان عربی مسلمانوں کو راہ میں کوئی تکلیف نہ ہونے پائے ۔ علاوہ ازیں اگر انہیں کسی قسم کی مدد درکار ہو یا کسی شے کی ضرورت پڑے تو فی الفور ان سے تعاون کیا جائے ۔

مسلمانوں کے اس قافلے میں ایک نوجوان اسلم بھی تھا ۔ اسلم انتہائی خوش شکل اور باکردار جوان تھا ۔ قافلے والے اس کے حسن سیرت اور حسن جمالی کی وجہ سے اس کی بڑی عزت کرتے تھے ۔ وہ بہادر بھی بے حد تھا ۔ دوسری طرف قافلے میں ایک خوبرو دوشیزہ طاہرہ کی پاکیزگی اور خوبصورتی

کے بڑے چرچے تھے۔ طاہرہ کا سن پندرہ سولہ برس تھا۔ وہ شوخ ہونے کے ساتھ ساتھ سنجیدہ بھی تھی۔

یہ دونوں آپس میں ایک دوسرے کو دل و جان سے چاہتے تھے۔ قافلے والوں کو بھی ان کی پاک محبت کا علم تھا۔ لیکن وہ اسے بُرا نہیں تصور کرتے تھے۔ بلکہ اکثر کی خواہش تھی کہ اسلم اور طاہرہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو جائیں۔ اسلم اور طاہرہ نے بھی یہی طے کر رکھا تھا کہ منزل پر پہنچنے کے بعد شادی کریں گے۔

یوں تو سفر کے دوران بھی اکثر وہ ایک دوسرے کو دیکھ کر دل کی پیاس بجھاتے رہتے تھے۔ تاہم جب قافلہ کہیں پڑاؤ ڈالتا تھا تو پھر ان کی ملاقات طویل سے طویل ہو جاتی تھی۔ ان کا دل چاہتا تھا یہ رات کبھی ختم نہ ہو یہ ملاقات کبھی ختم نہ ہو وہ ایک دوسرے کے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے کو محبت بھری نظروں سے دیکھتے رہتے تھے۔ ان کے ہونٹ بند اور آنکھیں کھلی ہوتی تھیں۔ جن کے ذریعے وہ اپنی پاکیزہ چاہت کا اظہار کرتے تھے۔
تنہا بیٹھے ہونے کے باوجود ان کے خیالات اور جذبات کی شائستگی میں فرق نہیں آتا تھا۔ ان کے معصوم چہرے دیکھ کر لگتا تھا جیسے دو فرشتے زمین پر اتر آئے ہوں۔ اسلم بھی باتوں میں احتیاط برتتا تھا اور طاہرہ بھی سنبھل کر بولتی تھی۔

اس وقت بھی وہ دونوں قافلے والوں سے ہٹ کر ایک محفوظ جگہ براجمان تھے اور آپس میں پیار بھری باتیں کر رہے تھے۔ قافلے کا یہ پانچواں پڑاؤ تھا اور وہ لوگ آبادی سے کافی دور تھے۔ جزائر سراندیپ گرم مرطوب خطہ تھا اس لئے اس پر درختوں کی بھرمار تھی۔ قافلے نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا وہ جگہ بھی گھنے درختوں سے اٹی ہوئی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ رات بہت سیاہ اور تاریک لگ رہی تھی۔

اسلم اور طاہرہ ایک دوسرے سے باتیں کر کر کے اور ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کے تھک گئے تھے۔ پھر بھی ان کا جی نہیں بھرا تھا۔ خاص کر طاہرہ کی پیاس نہیں بجھی تھی۔ وہ چاہتی تھی یہ رات طویل سے طویل ہو جائے اور وہ یونہی اسلم سے باتیں کرتی رہے۔ جب کہ اب پو پھٹنے والی تھی اور اسلم چاہتا تھا کہ واپس خیمے میں جا کے نماز ادا کرے۔ یہی وجہ تھی کہ اس نے طاہرہ کی باتوں کے جواب میں ہوں ہاں کرنا شروع کر دی۔

دوسرا باب

خوفناک ہاتھی

حورؔوش طاہرہ سہمی ہوئی اسلم کے شانے سے لگی کھڑی تھی۔ اسلم اس بت طناز کو دیکھ رہا تھا۔ حسن کی دنیا میں مسرت کا جھولا جھول رہا تھا۔ اُسے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا کہ طاہرہ کسی وقت بے ساختہ پن کے انداز سے اس سے لپٹ جائے گی۔ وہ بھول گیا کہ طاہرہ ڈر رہی ہے۔ اوراس وقت اس کی دلدہی کرنے کی ضرورت ہے۔ طاہرہ نے خوفزدہ نگاہیں اٹھاکر دیکھتے ہوئے کہا۔ چلو اسلم اب خیمہ پر چلو:۔

اب اسلم کچھ ہوش میں آیا اوراس نے دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ مت ڈرو طاہرہ خوف کی کوئی بات نہیں ہے۔ طاہرہ نے کہا۔ ہاتھی چنگھاڑ رہا ہے۔ یہ جانور بڑا موذی ہے۔ میرا کلیجہ مارے دہشت کے دھک دھک کر رہا ہے۔ آؤ بس اب چلو:۔

چونکہ اب اسلم اچھی طرح اپنے حواس میں آگیا تھا۔ اس لئے وہ سمجھ گیا کہ طاہرہ ڈر رہی ہے۔ اس نے کہا اچھا چلو طاہرہ!":۔

دونوں چلے لیکن طاہرہ اب بھی اس کے شانہ سے لگی ہوئی چل رہی تھی دونوں چلتے رہے اور سامنے کی چٹان عبور کر کے دوسری طرف پہنچے۔ اس طرف بہت سے خیمے نظر آئے۔ جو چاندنی میں سفید سفید سے چمک رہے تھے۔ بعض کے سامنے انگارے پڑے دہک رہے تھے۔ ان خیموں کے قریب پہنچکر طاہرہ اسلم سے الگ ہوگئی اور جب دونوں خیموں کے حصار میں داخل ہوئے تو وہ "شب بخیر" کہہ کر آگے بڑھی اور ایک خیمہ کی طرف چلی گئی!

اسلم بڑھا چلا گیا اور چند خیموں کے سامنے سے گزر کر ایک بلند اور عالی شان خیمہ پر پہنچا۔ اس خیمے کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی اور ایک ادھیڑ عمر کی عورت آگ کے سامنے بیٹھی تھی اس نے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کہاں چلے گئے تھے بیٹا! میں تمہارے انتظار میں بیٹھی ہول رہی تھی:۔

یہ عورت اسلم کی والدہ تھی۔ اس نے کہا۔ امی جان! میں اس سامنے والی چٹان کے دوسری

طرف چلا گیا تھا۔ اس کی والدہ کا نام حلیمہ تھا۔ اس نے کہا۔ یہ پہاڑ ہے اس پر کئی قسم کے جانور رہتے ہیں تم کو تنہا نا جانا چاہیئے تھا کم از کم تلوار ہی لے جاتے۔

اسلم "غلطی ہوئی امی جان آئندہ تنہا نہ جایا کروں گا!"

حلیمہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ آئندہ جانے کی نوبت ہی نہ آئے گی ہم نے زیارت تو کر ہی لی ہے۔ اب خیر سے علی الصباح روانہ ہو جائیں گے دیکھو عشا کی اذان ہو رہی ہے جاؤ نماز پڑھ آؤ۔

اس وقت اذان کی آواز آ رہی تھی۔ اسلم نماز پڑھنے کے لئے چلا گیا۔ یہ قافلہ جو جزیرہ سراندیپ کے کوہ آدم پر ٹھہرا ہوا تھا ان مسلمانوں کا تھا۔ جو حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ میں ملک ہند و سندھ میں بغرض تجارت آئے تھے اور وہاں سے واپسی پر چند خاندان سراندیپ میں رہ گئے تھے۔ یہ لوگ ان تاجروں کی اولاد تھے اور اب وطن واپس جا رہے تھے۔ وطن جانے سے پہلے وہ اس پہاڑ کی زیارت کرنے آئے تھے۔ جس پر حضرت آدمؑ سو سال تک رہے تھے۔ کئی روز سے یہ قافلہ مقیم تھا اور اب صبح کوچ کا انتظام کر چکا تھا۔

اسلم ایک کھلی ہوئی جگہ پہنچا۔ جہاں ایک چشمہ رواں تھا۔ جو چٹان کے اوپر سے بہتا آ رہا تھا۔ چشمے کے کنارے پر بہت سے بڈھے جوان اور بچے جمع تھے اور سب وضو کر رہے تھے۔ اسلم بھی وضو کرنے لگا۔ وضو کر کے ان لوگوں نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر واپس خیموں کے پاس آ گئے۔ اس وقت عورتیں نماز پڑھ رہی تھیں۔ بعض پڑھ چکی تھیں۔ جب رات زیادہ آ گئی تو یہ سب سو گئے اور صبح بہت سویرے بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھنے لگے۔

نماز سے فارغ ہو کر خیمے اکھاڑ اکھاڑ کر خچروں اور گھوڑوں پر لادے اور سب گھوڑوں پر سوار ہو کر چلے۔ اس قافلے میں بیس مرد اور بارہ عورتیں دس نو عمر لڑکیاں سولہ بچے تھے۔ گویا کل پچاسی افراد تھے۔ سب نہایت خوش تھے۔ وطن جانے کی خوشی ہر شخص کو تھی۔ جوش مسرت میں بہے جا رہے تھے۔

پہاڑ سے اتر کر یہ لوگ ساحل سمندر کی طرف بڑھنے لگے۔ دوپہر تک چلتے رہے۔ جب آفتاب سر پر آ گیا تو انھوں نے قیام کر دیا۔ بقیہ دن اور ساری رات ٹھہرے رہے۔ اگلی صبح کو پھر چل پڑے اور دوپہر کے قریب سنکونا کے درختوں کے جنگل میں پہنچ گئے۔ اس زمانہ میں سنکونا کے درختوں کو کاٹ کر ایندھن یا عمارت کے کام میں لایا جاتا تھا اور اب آج کل اس درخت سے "کونین" بنائی جاتی ہے۔ جو ملیریا کے بخار والوں کو دی جاتی ہے۔

دوسرے روز یہ لوگ پھر چلے اور ناریلوں کے اونچے اونچے گنجان درختوں کے جنگل میں جا اترے۔ ان درختوں پر ناریل لگے ہوئے تھے۔ چونکہ یہ تمام جنگل سراندیپ کے مہاراجہ کی ملکیت تھا اور یہ مسلمان مہاراجہ کے مہمان[لہ] تھے اس لئے انہوں نے بہت سے ناریل توڑ توڑ کر ذخیرہ کر لئے۔

اگلی صبح کو پھر روانہ ہوئے اور ناریل کے درختوں کے جنگل میں گھسے چلے گئے۔ ناریل کے درخت نہایت بلند تھے ان پر وہی شخص چڑھ سکتا تھا جو کہ درختوں پر چڑھنے میں مشتاق ہو۔

تقریباً تین گھنٹے تک تو یہ لوگ نہایت اطمینان سے چلتے رہے لیکن جب آفتاب نصف النہار کے قریب پہنچ گیا۔ تو انھوں نے ہاتھیوں کا ایک غول دیکھا جس میں پندرہ بیس ہاتھی تھے اور وہ اپنی لمبی لمبی اور مضبوط سونڈوں سے درختوں کو جھکا جھکا کر توڑ رہے تھے۔

سراندیپ میں ہاتھی کثرت سے ہوتے ہیں اتنی کثرت سے کہ شکاری ایک دو ہاتھیوں کو ہر روز مار سکتا ہے۔ مسلمانوں کے گھوڑے ان ہاتھیوں کو دیکھکر بھڑکنے لگے اور انھیں دیکھ کر مسلمانوں پر بھی خوف طاری ہو گیا۔

ہاتھی ایسا شریر جانور ہے کہ جب کسی انسان۔ جانور یا چیز پر حملہ کرتا ہے تو اسے پامال کئے بغیر نہیں چھوڑتا۔ بڑے بڑے تناور درختوں تک کو جڑ سے اکھاڑ کر گرا دیتا ہے۔ ہاتھیوں کو دیکھتے ہی مسلمانوں نے راستہ بدل دیا۔ عورتیں اور بچے آگے چلے اور مردان کے پیچھے ہو لئے۔ یہ لوگ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ شاخوں کے ٹوٹنے اور درختوں کے گرنے کی آوازیں آنے لگیں۔ انھوں نے جب گھوم کر دیکھا تو ہاتھیوں کا لشکر شاخوں کو توڑتا درختوں کو گراتا ان کی طرف دوڑا چلا آ رہا تھا۔ چونکہ مسلمانوں کے ساتھ سامان تھا بچے تھے۔ عورتیں تھیں اس لئے ان کا وہاں سے گھوڑے بھگا کر نکل جانا غیر ممکن تھا۔ ان میں جتنے بھی مرد تھے وہ سب ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ صرف دو جوان۔ عورتوں بچوں اور سامان کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔

ہاتھی درختوں کو تباہ و برباد کرتے سونڈیں اٹھائے مسلمانوں کو پامال کرنے کے لئے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ مسلمان نیزے لے کر کھڑے ہو گئے تھے ان میں اسلم بھی تھا۔ مگر جب ہاتھی اور قریب آ گئے اور گھوڑوں نے ان بیبہ پہاڑیوں کو دیکھا تو خوف سے کانپنے اور بدک بدک کر الف

لہ جب مسلمان سراندیپ میں آئے تھے تو مہاراجہ نے ان کی بڑی خاطر و مدارات کی تھی چنانچہ مسلمانوں کے چند قبیلے رہ گئے اور یہ انہی قبیلوں کی اولاد تھے جو راجہ سے اجازت لیکر وطن جا رہے تھے (از تاریخ ہند صادق صدیقی)

ہونے لگے۔ مسلمان سمجھ گئے کہ اگر وہ گھوڑوں پر سوار رہے تو ہاتھیوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ اس لئے وہ اُتر اُتر کر کھڑے ہوگئے اور دو آدمی گھوڑوں کو وہاں سے دور ہٹالے گئے۔ ہاتھی کچھ اس طرح سے بھاگے چلے آرہے تھے جیسے وہ ہر اس چیز کو پامال کر دیں گے جو ان کے سامنے آجائے گی۔

ایک ضعیف العمر نے کہا مسلمانو! شاید نیزوں سے ہاتھیوں کا مقابلہ نہ ہوسکے!

ایک نوجوان نے دریافت کیا۔ پھر کیا کرنا چاہیئے؟

ضعیف العمر۔ ابھی ہاتھی دور ہیں ان کے سونڈوں اور مستکوں پر تیر مارو!

ایک اور بڈھے نے کہا۔ نہایت مناسب تدبیر ذہن میں آئی ہے۔ اگر دو چار ہاتھی مجروح ہوگئے تو شاید سب لوٹ جائیں!۔

تدبیر موزوں اور مناسب تھی اس لئے سب نے پسند کی اور اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہوگئے۔ انھوں نے جلدی جلدی نیزے زمین پر ڈال دیئے اور کمانیں لے کر ان میں تیر جوڑے چلے کھینچے اور پوری قوت سے تیروں کی بارش شروع کر دی۔ ان میں سے اکثر تیر ہاتھیوں کے جسموں میں ترازو ہوگئے اور ہاتھی زخمی ہوکر پورے غصے کے ساتھ تیزی سے دوڑ کر حملہ آور ہوئے۔ لیکن ابھی وہ دور ہی تھے کہ مسلمانوں نے پھر تیر برسائے اور پھر ہاتھی زخمی ہوئے!۔

اب ہاتھی جوش و غضب میں بھر گئے اور پھنکاریں مارتے ہوئے اپنی سونڈوں کو ہلاتے ہوئے اور بھی تیزی سے جھپٹے۔ جس زور و شور سے وہ آرہے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ آتے ہی مسلمانوں کو مسل ڈالیں گے۔

مسلمانوں نے بھی اس بات کو سمجھ لیا تھا چونکہ ہاتھی اس قدر قریب آگئے تھے کہ ان پر اب تیروں کا اثر نہ ہوسکتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے جلدی جلدی کمانیں شانوں پر ڈالیں اور نیزے اٹھا اٹھا کر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہوگئے۔ بگڑا ہوا ایک ہاتھی بھی نہایت خطرناک ہوتا ہے اور وہاں تو بہت سے ہاتھی تھے پھر وہ غضب ناک ہوتے چھوٹے چھوٹے درختوں کو گراتے مسلتے دوڑتے چلے آرہے تھے مگر مسلمانوں پر ہراس طاری نہ ہوا۔ وہ نہایت استقلال اور بڑے اطمینان سے نیزے تانے کھڑے تھے۔ اتفاق سے ایک ہاتھی نے سب سے پہلے اسلم پر حملہ کیا وہ بھی تیار تھا اس نے نہایت پھرتی سے اور بڑی قوت سے اس کی آنکھ پر نیزہ مارا!۔

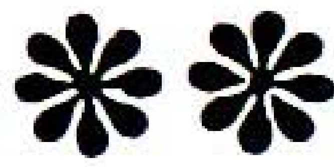
نیزہ کی انی آنکھ پھوڑ کر دماغ میں گھستی چلی گئی۔ ہاتھی نے ایک نہایت خوفناک ہیخ ماری اور پشت پھیر کر بے تحاشا بھاگا۔ نیزہ کچھ ایسا پیوست ہوگیا تھا کہ اسلم کے بہت کچھ کوشش

کرنے پر بھی نہ نکل سکا۔ بالآخر نیزہ اسے چھوڑنا پڑا۔ اب اسلم نے تلوار کھینچ لی اور جھپٹ کر دوسرے ہاتھی پر حملہ کیا۔ تلوار کاری پڑی۔

ہاتھی کی سونڈ کٹ کر دور جا گری۔ وہ بھی چنگھاڑ مار کر بھاگا۔ ان متواتر دو ہاتھیوں کے بھاگنے سے ہاتھیوں کا جوش و غضب سرد پڑ گیا اور ان پر خوف طاری ہو گیا۔ اُدھر مسلمانوں نے نیزوں اور تلواروں سے انھیں زخمی کرنا شروع کر دیا دو تین ہاتھیوں کی سونڈیں اور کٹ گئیں اور وہ بھی پیچھے پھر کر بھاگے :۔

ان کے بھاگتے ہی تمام ہاتھی لوٹ کر بھاگ پڑے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انھیں نیزوں اور تلواروں سے زخمی کرنا شروع کر دیا۔ ہاتھیوں پر کچھ ایسا خوف طاری ہوا کہ جس کا جس طرف منہ اٹھا بھاگ کھڑا ہوا۔

چونکہ وہ نہایت بدحواسی سے بھاگ رہے تھے۔ اس لئے درختوں سے ٹکرا ٹکرا جاتے تھے۔ اکثر ہاتھی تو بھاگتے بھاگتے گر پڑے اور مسلمانوں نے انہیں اس قدر مجروح کیا کہ ان میں اٹھنے کی بھی سکت باقی نہ رہی۔ جب میدان صاف ہو گیا تب مسلمان لوٹے۔ گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چل کر قافلہ سے مل گئے :۔



تیسرا باب

"نیلگوں سمندر"

جزیرہ سراندیپ میں ہاتھیوں کی اس قدر افراط ہے کہ پندرہ پندرہ بیس بیس کے گروہ ہر جنگل میں اور ہر طرف پھرتے رہتے ہیں چونکہ مسلمانوں کو بھی وہاں رہتے ہوئے کچھ عرصہ گزر گیا تھا۔ اس لئے وہ اس بات کو خوب جانتے تھے لیکن مسلمان سوائے خدا کے کسی چیز سے بھی نہیں ڈرتا اس لئے انھیں ان سے مطلق بھی کوئی خدشہ نہ تھا۔ وہ حملہ آور ہاتھیوں کو بھگا کر قافلے سے جا ملے تھے۔ غرض قافلہ دن کو دوپہر تک چلتا رہا اور باقی دن اور تمام رات قیام کرتا بڑھتا رہا۔ ۔ ۔ ۔

۔ ۔ ۔ ۔ اور اسی طرح سے سفر کرتے کرتے ساحل سمندر پر جا پہنچا۔ یہاں پہلے ہی سے آٹھ جہاز لے جانے کے لئے تیار کھڑے تھے یہ جہاز جزیرہ سراندیپ کے مہاراجہ نے فراہم کئے تھے۔

ہمارے ناول کا آغاز ۹۳ھ سے ہوا ہے اس وقت ولید بن عبد الملک خلیفہ تھا نہایت پرجوش نہادر اور مسلمانوں کا خیر طلب سلطان تھا۔ چونکہ اسلامی سلطنت بہت کچھ وسیع ہو گئی تھی۔ حجاز۔ عراق۔ عجم۔ شام۔ مصر۔ نجد۔ یمن۔ افغانستان ایران اور افریقہ تک پھیل گئی تھی۔ اس لئے خلیفہ نے ہر ملک میں ایک گورنر یا صوبہ دار مقرر کر کے چند صوبے داروں پر ایک ایک وائسرائے مقرر کر دیا تھا۔ اس طرح سے نظام مملکت نہایت معقول ہو گیا تھا اور ہر صوبیدار اپنے صوبہ میں صرف امن وامان ہی نہ رکھتا تھا۔ بلکہ ملحقہ ممالک کے فرمانرواں کو بھی امن سے رہنے کی تاکید کرتا تھا۔ اگر کوئی بدبخت ہمسایہ بادشاہ اسلامی سلطنت کی حدود پر حملہ آور ہوتا تھا تو اس کی اچھی طرح سے گوشمالی کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ یہی وجہ تھی کہ اسلامی حکومت کا دبدبہ چار دانگ عالم پر چھایا ہوا تھا۔ اور ہر ہمسایہ فرمانروا مسلمانوں کو خوش رکھنے کی سعی کرتا تھا۔ نہ صرف سلطان اور خلیفہ ہی کو بلکہ وائسرائے اور گورنر تک کو بھی ؎۔

اس زمانہ میں بلاد مشرق کا وائسرائے حجاج بن یوسف ثقفی تھا۔ نہایت دلیر مدبر مخلص اور پرجوش مسلمان تھا اس کے ہیبت و دبدبہ سے دور دور تک کے بادشاہ لرزتے اور کانپتے تھے۔ سراندیپ کے مہاراجہ نے وائسرائے اور خلیفہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے ان جہازوں

؎ تاریخ اسلام (صادق صدیقی)

میں تحائف۔ غلام اور سراندیپ کی حسین و نوخیز لڑکیوں کو بطور کنیز دیئے مسلمانوں کی خدمت کرنے کے لئے سوار کرادیا تھا۔ انتظار صرف ان مسلمانوں کی آمد کا تھا چونکہ مسلمان کوہ آدم کی زیارت کرنے کیلئے گئے ہوئے تھے اس لئے جہاز اور جہازوں پر سوار ہونے والے ان کے منتظر تھے جب یہ لوگ آ گئے تو انہیں جہازوں پر سوار کرا کر ایک روز صبح ہوتے ہی جہازوں نے لنگر اٹھائے اور آہستہ آہستہ سمندر کو چیرتے ہوئے جہاز کیا تھے بڑی بڑی کشتیاں تھیں بادبانوں کے سہارے سے سمندر کو طے کرتی تھیں ان جہازوں پر اسلامی علم لہرا دیئے گئے تھے۔

جس سے دور ہی سے دیکھنے والوں کو معلوم ہو جائے کہ اسلامی جہاز ہیں اور مجاہدین اسلام ان میں سوار ہیں۔ چونکہ ہلکے جہاز تھے اس لئے نہایت سبک روی سے سطح سمندر پر چلے جا رہے تھے۔

جب نماز کا وقت ہوتا مسلمان اذان کہتے اور ہر جہاز میں جماعت سے نماز پڑھتے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتی کہ اس نے خدا کی توحید کی منادی جنگل میں پہاڑ پر آبادی میں ویرانے میں سمندر میں اور خشکی پر کی ہو۔ اول تو توحید دوسرے مذاہب میں ہے ہی کہاں۔ عیسائیوں نے ایک خدا کے تین خدا بنا لئے ایک خدا۔ دوسرے خدا کا بیٹا (حضرت عیسیٰؑ) تیسرے حضرت روح القدس (جبرائیلؑ)۔

ہندوؤں میں توحید کا نام بھی نہیں۔ وہ کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار دیوی دیوتاؤں کو مانتے ہیں اور ہر دیوی یا دیوتاؤں کے متعلق خیال کرتے ہیں کہ ایشور (خدا) ہی دیوتا بن کر آیا ہے۔

بدھ مذہب والے سب کچھ بدھ جی ہی کو مانتے ہیں۔ زرتشتی آگ کو ہی خدا کا نور سمجھ کر پوجتے ہیں۔ غرض کہ ہر مذہب فریب توحید میں پھنسا ہوا ہے۔ توحید کا دعویٰ کرتا ہے مگر موحد ایک بھی نہیں سوائے اسلام کے!

دنیا میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو حقیقی توحید کا حامل اور خدا پرستی کا مبلغ اعظم ہے اور مسلمان ہی خدا کی وہ مخلوق ہے جو دنیا کے چپہ چپہ پر خدا کا نام پکارتی ہے اور پکارتی رہی ہے عیسائی نماز کے وقت کا اعلان گھنٹہ بجا کر کرتے ہیں۔ ہندو عبادت سے پہلے گھنٹہ یا سنکھ بجاتے ہیں لیکن مسلمان ہر نماز کا اعلان خدا کی الوہیت سے کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے جہاز سراندیپ سے روانہ ہو کر چلے جا رہے تھے۔ رات اور دن چلتے رہتے تھے۔ وہ بندر سعید پر پہنچنا چاہتے تھے۔ ایک رات کو جب کہ چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا اور چاندنی نے سمندر کے نیلے پانی پر سفید چادر بچھا دی تھی۔ اسلم ایک تختہ پر بیٹھا ہوا سمندر میں جھانک رہا تھا۔

جس طرح آسمان پر چاند چمک رہا تھا۔ اسی طرح سے زیر آب ایک آسمان اور اس میں ایک چاند تیرتا نظر آ رہا تھا۔ آج ہوا ساکن تھی اور سمندر خاموش تھا ابھی اسلم کو بیٹھے ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ طاہرہ آگئی۔ وہ کھڑی ہو کر اسلم کو دیکھتی رہی اس کے نازک لبوں پر تبسم لوٹ رہا تھا۔ آنکھوں میں شوخیاں جھوم رہی تھیں۔

اسلم کچھ ایسا محو و بخود سا ہو رہا تھا کہ اسے طاہرہ کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ وہ جس شان سے بیٹھا تھا۔ اسی سے بیٹھا رہا۔ کچھ وقفہ کے بعد طاہرہ نے دلفریب لہجہ میں کہا! تم سمندر میں جھانک کر کیا دیکھ رہے ہو!۔

اسلم چونک پڑا اس نے خیالات کی گہرائیوں سے نکل کر حور وش طاہرہ کو دیکھا! دیکھتا رہا اس کے رُخ انور پر نظریں جمائے تکتا رہا۔ گویا وہ خیالات کی گہرائیوں سے نکل کر حسن کی گہرائیوں میں کھو گیا تھا۔

کچھ وقفہ کے بعد سنبھلا اور کہا کون طاہرہ! خوب ہُوا تم آگئیں۔ طاہرہ اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔ اس نے کہا دیکھو اس وقت چاندنی کیسا نور برسا رہی ہے۔

اسلم۔ مگر زیر آب ایک اور ہی تماشا ہو رہا ہے!؟

طاہرہ نے سمندر کی طرف جھکتے ہوئے کہا "کیا!

اسلم۔ چاند پانی کی تہہ کے نیچے ایسا چمک رہا ہے جیسے کسی حسین کا تابناک چہرہ آب رواں کے نقاب کے نیچے جگمگایا کرتا ہے!۔

طاہرہ پیچھے ہٹ گئی۔ اس نے نگاہ ناز سے دیکھ کر کہا۔ یہ تم میں شاعرانہ خیالات کب سے پیدا ہوئے ہیں؟

اسلم نے بے ساختگی کے انداز سے کہا۔ جب سے تمہیں دیکھا ہے طاہرہ"!

طاہرہ شرما گئی۔ شرم نے اس کے چہرے کو اور بھی دلفریب بنا دیا۔ اسلم کی نگاہیں اس کی چاند سی صورت پر جمی ہوئیں تھیں اس نے طاہرہ کو خاموش دیکھ کر کہا"!

طاہرہ! حقیقت یہ ہے کہ میری دنیائے آرزو صرف تمہاری ذات تک ہی محدود ہو کر رہ گئی ہے!۔

طاہرہ کا چہرہ کچھ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے کسی قدر سہمگیں نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ اسلم! کیا تم مجھے بدنام کرنا چاہتے ہو!؟

اسلم نے عاجزی سے کہا نہیں ..... طاہرہ! میں ایسا نہیں کر سکتا!"

طاہرہ۔ اگر کسی نے سن لیا تو ....

اسلم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں اور تم دونوں بدنام ہو جائیں گے! ......

...... طاہرہ! میں ان باتوں کو خوب سمجھتا ہوں یہ بھی جانتا ہوں کہ اگر ذرا بھی کسی کو کچھ شبہ ہو گیا تو پھر میں تم سے اور تم مجھ سے ہمیشہ کے لئے جدا ہو جائیں گے!۔

طاہرہ سمندر کی جانب جھکی ہوئی دیکھ رہی تھی۔ اس نے بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔ دیکھنا اسلم! یہ جہاز کے نیچے کیا چیز تیر رہی ہے!۔

اسلم اس طرح سے جھکا کہ اس کا جسم طاہرہ کے جسم گداز سے مس ہو گیا اور دونوں کے جسموں میں ایک بجلی کی سی لہر دوڑ گئی!۔

طاہرہ جلدی سے الگ کھسک گئی۔ اسلم نے دیکھا کہ جہاز کے نیچے ہی ایک مچھلی تیر رہی ہے۔ اتنی بڑی مچھلی جو کہ جہاز سے بھی کافی گز زیادہ لمبی تھی۔ طاہرہ بھی اسے دیکھ رہی تھی۔ مچھلی نے سر نکال کر ایک مچھلی کو جو کہ اس کے منہ میں تھی اچھالا اور اسے نگلنے کے لئے منہ پھاڑا۔ اس کا منہ غار کی طرح سے کھل گیا۔ طاہرہ ڈر گئی اور ڈر کر اسلم کی گود میں جا پڑی۔ اس نے گھگھیانے کے انداز میں کہا۔ یہ کیا ہے ...... ؟

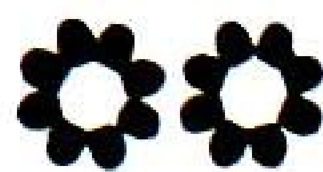
اسلم نے دلدہی کے لہجہ میں کہا۔ مت ڈرو طاہرہ! یہ مچھلی ہے!

طاہرہ نے سہمگیں نگاہوں سے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ اتنی بڑی!

اسلم۔ یہ تو بہت چھوٹی مچھلی ہے۔ سمندر میں تو اتنی بڑی بڑی مچھلیاں ہوتی ہیں۔ جو کشتیوں تک کو نگل جائیں!۔

طاہرہ۔ خدا کی پناہ!

اس وقت ہوا تیز ہو گئی تھی۔ صاف مطلع پر بادلوں کی ہلکی سی چادر پھیلنے لگی تھی۔ جہاز کے اس کنارہ پر سے جہاں ناخدا تھا کچھ شور بلند ہوا۔ طاہرہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اور وہ اور اسلم دونوں حیران ہو کر دیکھنے لگے!۔



چوتھا باب

"طوفان"

اسلم اور طاہرہ دونوں حیران ہو کر دیکھ رہے تھے۔ تیز ہوا کے چلنے سے رات کا قدرتی سکوت ٹوٹ گیا تھا۔ طاہرہ نے اسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیسا شور ہونے لگا ہے یہ؟ اسلم نے جواب دیا۔ شاید ناخدا نے کوئی خوف ناک چیز دیکھی ہے:۔

طاہرہ۔ کیا چیز ہو گی وہ؟

اسلم۔ کوئی خوف ناک مچھلی یا بحری قزاقوں کا کوئی جہاز!

طاہرہ۔ ممکن ہے ناخدا نے بحری ڈاکوؤں کا کوئی جہاز ہی دیکھا ہو!

اسلم۔ لیکن اگر جہاز دیکھا ہوتا تو تمام مسلمان مسلح ہونے لگتے۔

طاہرہ۔ یہ ٹھیک کہتے ہو۔ شاید کوئی اور ہی بات ہے آؤ چل کر دیکھیں تو!

اسلم۔ چلو دیکھیں!

دونوں اٹھے اور ناخدا کی طرف چلے۔ اب ہوا اور بھی تیز ہو گئی تھی اور بادلوں کے ٹکڑے آسمان پر چھانے لگے تھے۔ چاند بھی سیہ بادلوں کے نیچے چھپ گیا تھا۔ چاندنی سمٹ سمٹا کر غائب ہو گئی تھی اور اندھیرا پھیل گیا تھا۔ ان دونوں نے دیکھا کہ تمام مسلمان جہاز کے صحن میں کھڑے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ رہے ہیں۔ اسلم نے کہا:۔

طاہرہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ طوفان آنے والا ہے!

طاہرہ۔ طوفان؟ ... ... سنا ہے کہ سمندر کا طوفان نہایت خوف ناک ہوتا ہے:۔

اس وقت ایک سراندیپ کی رہنے والی لڑکی جو کنیزوں کے زمرہ میں تھی۔ ان کے پاس آ گئی۔ وہ سخت خوفزدہ ہو رہی تھی۔ اس نے طاہرہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا:۔

"سمندر کا طوفان بڑا ہلاکت خیز ہوتا ہے!"

طاہرہ۔ خدا فضل کرے گا!

لڑکی ۔ ایشور (خدا) کچھ بھی نہ کر سکے گا!

طاہرہ نے حیرت سے لڑکی کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیوں؟

لڑکی نے آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اس لئے کہ اندر جی مہاراج کسی وجہ سے ناخوش ہو گئے ہیں۔ باد وباران ان کے ہی قبضے میں ہے اور انھوں نے ہی یہ طوفان بھیجا ہے:۔

طاہرہ مسلمان لڑکی تھی۔ ہر مسلمان ہر بات خدا کی طرف سے سمجھتا اور جانتا ہے۔ خدا کی قوت تمام قوتوں سے بالاتر مانتا ہے اسے یہ سن کر حیرت بھی ہوئی اور افسوس بھی ہوا۔ اس نے کہا ایسی باتیں نہ کرو اس سے خدا کی توہین ہوتی ہے اور ایک مسلمان اسے کبھی برداشت نہیں کر سکتا۔ خدا نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے:۔

لڑکی ۔ مگر طوفان اندر جی مہاراج نے اٹھایا ہے اور وہی اُسے دُور کر سکتے ہیں:۔

طاہرہ ۔ نہیں سوچو جب ہر چیز خدا (ایشور) کی پیدا کی ہوئی ہے تو وہی سب پر قادر ہے۔ کوئی چیز بغیر اس کے حکم کے حرکت نہیں کر سکتی ۔

لڑکی ۔ تم مسلمانوں کا تو یہی عقیدہ ہے ۔ مگر ہم ہندو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے اوتاروں کو بھی بڑی قوت حاصل ہے اور وہ اس قوت سے جب چاہیں دنیا والوں کو پریشان ودق کر سکتے ہیں ۔

طاہرہ ۔ لیکن اگر تمہارا ایشور نہ چاہے! تب بھی؟

لڑکی ۔ ہاں تب بھی! ہمارے دیوی اور دیوتا بڑے غصہ ور ہوتے ہیں۔ جب کسی سے ناخوش ہو جاتے ہیں تو اسے تباہ کئے بغیر نہیں چھوڑتے اسی وجہ سے ہم ان سے ڈر کر انہیں خوش رکھنے کے لئے ان کی پوجا کرتے ہیں ۔

طاہرہ ۔ افسوس کس قدر غلط خیال ہے ۔ تمہارے دیوی ۔ دیوتا اور رسول پیغمبر سب خدا کے قبضہ اختیار میں ہیں۔ بغیر اس کی مرضی کے خود کوئی کام نہیں کر سکتے ۔ اگر تم دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے بجائے خدا کو پوجو تو کیا اچھا ہے؟

لڑکی کو اطمینان نہ ہوا اور وہ وہاں سے چلی گئی۔ طاہرہ اور اسلم دونوں بڑھ کر ناخدا کے پاس پہنچے ۔ اس وقت اس کے پاس بہت سے مسلمان کھڑے تھے ۔ وہ کہہ رہا تھا ۔ جی ہاں سخت طوفان کے آنے کا خدشہ ہے کیونکہ ہوا کے تھپیڑوں سے سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں ہیں ۔ ہلکے جہاز زبردست موجوں کا مقابلہ نہ کر سکیں گے ۔

ایک بڈھے مسلمان نے کہا خیال تو میرا بھی یہی ہے مگر ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔
۔۔ ۔۔ پھر کیا کرنا چاہئیے !

ناخدا۔ میرے خیال میں تمام جہازوں کو زنجیروں سے جکڑ کر بیڑا بنا لینا چاہئیے !

اسلم۔ یہ تدبیر نہایت مناسب ہے ۔

تمام جہاز آگے پیچھے ایک قطار میں جا رہے تھے ۔ یہ جہاز جس پر اسلم اور طاہرہ تھے سب سے آگے تھا۔ ناخدا نے جہاز کی رفتار کم کر دی ۔ اس کی رفتار کم ہوتے دیکھتے ہی تمام جہازوں کی رفتار کم ہو گئی اور آخر کچھ دور چل کر تمام جہاز رک گئے ۔ جہاز والے تیز ہوا اور بادلوں کی آمد کو طوفان کا پیش خیمہ سمجھ رہے تھے اور اس لئے قریب قریب سب پریشان ہو رہے تھے ۔

پریشان ہونے کی وجہ بھی تھی ۔ جہاز سمندر میں تیر رہے تھے ۔ جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی ، پانی ہی پانی دکھائی دیتا تھا ۔ گویا اوپر آسمان تھا اور نیچے پانی ۔ ہوا تیز چل رہی تھی ۔ کوہ پیکر موجیں اُٹھنے لگی تھیں ۔ جہاز ہلکے ہونے کی وجہ سے موجوں کے رحم وکرم پر تھے ۔ ذرا سی دیر میں اُلٹ سکتے تھے ۔

پہلے جہاز کے ناخدا نے دوسرے سے اور دوسرے نے تیسرے سے کہہ دیا کہ چار چار جہازوں کی دو قطاریں بنا کر ایک جہاز کو دوسرے سے زنجیروں میں جکڑ کر بیڑا بنا لو ۔ تاکہ تمام جہاز مل کر طوفان کا مقابلہ کر سکیں ۔

چنانچہ فوراً چار جہاز آگے بڑھ آئے اور چار ان کے پیچھے ہو گئے اور اس طرح سے آٹھ جہازوں کی دو قطاریں کر کے سب کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا ۔ جس وقت ان جہازوں کو ملایا ۔ اور زنجیروں سے کسا جا رہا تھا اس وقت ہوا اور بھی تیز ہو گئی تھی اور کالے بادلوں نے گھٹا ٹوپ اندھیرا کر دیا تھا ۔ اب سمندر حد درجہ خوف ناک ہو گیا ۔ سمندر کے نیلے پانی کا رنگ بالکل سیاہ ہو گیا تھا اور آسمان سیاہ بادلوں سے ڈھک گیا تھا ۔ ہر طرف سیاہی چھا گئی تھی ۔ ہر جہاز میں معمولی قسم کے کمرے تھے جو اس قدر تنگ تھے کہ ان میں سے ہر ایک میں دو دو اور تین تین آدمی ہی رہ سکتے تھے ۔ چونکہ طوفان کے زور و شور سے آنے کی توقع تھی اس لئے بچوں اور عورتوں کو کمروں میں بھیج دیا گیا تھا ۔ طاہرہ بھی چلی گئی تھی اور مرد سب جہاز کے صحن میں کھڑے رہ گئے تھے ۔ اب آہستہ آہستہ جہازوں کو چلانا شروع کر دیا گیا تھا ۔ جو پانی کو چیرتے تاریکی کے پردے چاک کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے ۔

ہوا دم بدم تیز ہوتی جاتی تھی بادل گرجنے اور بجلی چمکنے لگی تھی۔ بجلی کی روشنی میں اونچی اونچی اٹھنے والی پانی کی لہریں نظر آرہی تھیں ان لہروں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا کہ خاموش سمندر میں طوفان آہی گیا ہے۔ اس وقت ہر ایک شخص پریشان تھا اور ہر ہندو اپنے دیوتاؤں سے طوفان دور کرنے کی التجا کر رہا تھا اور ہر مسلمان خدا سے دعا مانگ رہا تھا۔ بادل اس زور سے کڑک رہا تھا کہ دل دہل جاتا تھا۔ بجلی بھی چمک رہی تھی اور ہوا کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔ موجیں جلد جلد اور اونچی اونچی اٹھ اٹھ کر جہازوں سے ٹکرا رہی تھیں اور جہاز خزاں رسیدہ پتوں کی طرح کانپ رہے تھے۔

اب بوندیں بھی پڑنے لگی تھیں اور تمام لوگ جو جہازوں کے صحنوں میں کھڑے تھے۔ کمروں کے اندر جانے پر مجبور ہو گئے تھے۔ تھوڑی ہی دیر میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ بادل کی گرج اور بجلی کی کڑک ہوا کی سنسناہٹ پہلے سے زیادہ تیز ہو کر نہایت خوف ناک ہو گئی تھی۔ ہر کڑک کے ساتھ بجلی چمکتی تھی اور بجلی کے چمکنے سے سارا آسمان روشن ہو جاتا تھا۔ آسمان کے روشن ہوتے ہی دیکھنے والوں کی آنکھیں خیرہ ہو کر بند ہو جاتی تھیں۔ آج خلاف معمول مطلع صاف ہونے پر رات کے وقت اچانک طوفان اپنی پوری ہلاکت خیزیوں کے ساتھ حملہ آور ہو گیا تھا۔

بچے خوف و دہشت سے کانپ کانپ کر اپنی ماؤں کی گودوں میں چھپے بیٹھے تھے اور جن بدنصیبوں کی مائیں نہ تھیں وہ سہمے ہوئے کھڑے تھے۔ اس قافلے کے ساتھ بہت سے ایسے بچے[1] تھے جن کے والدین انتقال کر چکے تھے اور وہ ان مسلمانوں ہی کو اپنے ماں باپ سمجھتے تھے۔ مسلمان بھی انہیں بالکل اپنے بیٹوں ہی کی طرح سے سمجھتے تھے۔ وہ کبھی ان کے دلوں کو میلا نہ ہونے دیتے تھے۔ انہوں نے قرآن شریف اور احادیث مقدسہ میں پڑھا تھا کہ یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے والوں سے خدا خوش ہوتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی یتیم کے سر پر پیار و محبت سے ہاتھ پھیرتا ہے تو خدا اس کے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس لئے وہ یتیموں کی مدارات اپنے بچوں سے زیادہ کرتے تھے۔

چنانچہ اب بھی عورتوں اور مردوں نے سہمے ہوئے یتیم بچوں کو اپنے سینوں سے لگا لیا تھا۔ آج ہم مسلمان یتیم بچوں کو دیکھتے ہیں اور ان سے اس طرح بچ کر نکلنے کی کوشش کرتے

---

[1] از ابن اثیر

ہیں جیسے کہ وہ قابل نفرت مخلوق ہیں۔ نہیں جانتے کہ ہماری ان حرکتوں سے خدا ناخوش ہوتا ہے اور مفت میں ہمارے اعمال نامے سیاہ ہوتے جاتے ہیں۔

مسلمانو! خدا سے ڈرنا چاہیئے۔ ممکن ہے کہ کل ہمارے بچے بھی یتیم ہو جائیں۔ آج جیسا سلوک ہم دوسرے یتیم بچوں کے ساتھ کرتے ہیں اگر کل ایسا ہی سلوک مسلمان ہمارے بچوں سے کریں تو کیا ہماری روح کو صدمہ نہ ہوگا۔ ضرورت ہے کہ ہر مسلمان ہر یتیم بچے کو اپنا ہی بچہ سمجھے اور ان کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کرے۔ جیسا اپنے بچوں کے ساتھ کرتا ہے۔

ایسا کرنے سے خدا اور خدا کا رسول دونوں خوش ہوں گے اور ان دونوں کی خوشی جنت میں لے جائے گی۔ ہر مسلمان کا یہی ماحصل زندگی ہے۔

طوفان کے زور و شور میں بھی جہاز برابر چل رہے تھے۔ چونکہ وہ کوہ شکن موجوں کا مقابلہ کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے۔ اس لئے ان کی رفتار بہت کم تھی۔ رفتہ رفتہ رات زیادہ ڈوبتی چلی گئی۔ مگر جوں جوں رات زیادہ آتی جاتی تھی۔ طوفان کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔ بادل کی گرج اور بجلی کی چمک ہوا کا زور اور بارش کا شور دل ہلا رہا تھا۔

ناخدا کی یہ تدبیر کارگر ہوئی کہ اس نے تمام جہازوں کو ایک دوسرے سے جکڑ دیا تھا۔ اس طرح سے تمام جہاز اس وقت تک بچے ہوئے تھے۔ اگر الگ الگ ہوتے تو شاید ان میں سے ایک بھی باقی نہ بچتا اور سب کے سب ہچکولے کھا کر ڈوب جاتے۔

خدا خدا کر کے آدھی رات کے بعد طوفان کا زور کم ہوا۔ ہوا رک گئی۔ بادل پھٹ گیا۔ بجلی کی کڑک اور چمک بند ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں مطلع صاف ہو گیا۔ چاند نظر آیا۔ پھر چاندنی نے سمندر اور جہازوں پر سفید چادر بچھا دی۔

اب لوگوں کو اطمینان نصیب ہوا اور وہ نہایت اطمینان سے پڑ پڑ کر سو گئے۔ صبح جب بیدار ہوئے۔ تو جہاز خشکی کے برابر چل رہے تھے۔ کچھ دور چل کر ناخداؤں نے جہازوں کے لنگر ڈلوا دیئے اور یہ بحری بیڑا رک کر کھڑا ہو گیا۔

مسلمان نہیں جانتے تھے کہ اس وقت جہاز کس ساحل پر آ گئے ہیں اس لئے ان میں سے کئی لوگوں نے ناخداؤں سے دریافت کیا کہ اس وقت ہم لوگ کہاں ہیں۔ ناخداؤں نے جواب دیا۔ سندھ کی مشہور بندرگاہ دیبل پر آ گئے ہیں اور ساتھ ہی انھوں نے یہ بھی کہا کہ رات کے طوفان کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے جہاز شکستہ ہو گئے ہیں اور ان کی مرمت نہایت ضروری ہے اس لئے

98254

سب لوگ ساحل پر اتر جائیں۔

چنانچہ فوراً ہی لوگ خشکی پر اُتر گئے اور مسلمان ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھنے لگے۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو انھوں نے ہزاروں نیم برہنہ انسانوں کو تیر و کمان لئے اپنی طرف بھاگ کر آتے ہوئے دیکھا یہ سب لوگ ان آنے والوں کو حیرت بھری نظروں سے دیکھنے لگے۔



پانچواں باب

"گرفتاری"

جس وقت مسلمان جہازوں سے اترے تھے اس وقت انھیں یہ خیال تک بھی نہ آیا تھا کہ ساحل پر کسی قوم سے مقابلہ ہو گا۔ اس لئے ان میں سے کوئی بھی ہتھیار لے کر نہ اترا تھا۔ سب کے سب نہتے تھے۔ جس وقت نیم برہنہ وحشی صورت انسان تیر و کمان لئے ان کی طرف جھپٹتے نظر آئے تو وہ حیرت بھری نظروں سے ان کو دیکھتے رہ گئے۔

وہ خاموش بیٹھے دیکھتے رہے۔ چونکہ نیم برہنہ وحشی زیادہ قریب آگئے تھے۔ اس لئے اب اتنا موقعہ بھی نہ رہا تھا کہ مسلمان جہازوں میں جا کر ہتھیار لے آتے۔ لیکن ان کی شیطانی صورتیں دیکھتے ہی دو تین مسلمان سمجھ گئے تھے کہ ان کی نیت بخیر نہیں ہے اور گمان غالب ہے کہ وہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا دیں گے۔ چنانچہ یہ لوگ کھسک کر جھاڑیوں کے پیچھے جا چھپے۔

نیم برہنہ وحشی دوڑ کر آئے اور مسلمانوں کے گرد چھا گئے۔ ان میں سے ایک شخص نے جو کسی قدر سن رسیدہ تھا کہا۔

"تم عرب کے رہنے والے مسلمان معلوم ہوتے ہو!"

ایک ضعیف العمر مسلمان نے جواب دیا۔ تم نے ٹھیک پہچانا! ہم مسلمان ہیں۔ لیکن آپ کون ہیں۔

وہی شخص۔ ہم ہندوستان کے شمال مغربی حصہ سندھ کے رہنے والے ہیں۔

مسلمان۔ کیا تم کسی راجہ کے سپاہی ہو؟

سندھی۔ ہاں! ہم راجہ داہر کے سپاہی ہیں۔ آج تمام سندھ اور راجپوتانہ پر داہر کی حکومت ہے۔ ہندوستان کے تمام راجہ مہاراجہ اس سے ڈرتے اور خوف کھاتے ہیں۔

مسلمان۔ ہم کو معلوم ہے کہ راجہ داہر بڑا راجہ ہے اس کی سلطنت بہت بڑی ہے لیکن نہ وہ مسلمانوں کے خلاف ہے اور نہ مسلمان ہی اس کے خلاف ہیں۔

سندھی۔ ہم اس لئے یہاں تعینات ہیں کہ جو لوگ اس طرف سے گزریں ان کو گرفتار کر لیں۔

مسلمان۔ مگر ان لوگوں کو جو داہر کی حکومت کے دشمن ہیں۔

سندھی نے ہنستے ہوئے کہا۔ بے وقوف! مسلمان ہم مسلمانوں کے دشمن ہیں۔

مسلمانوں کو اس کی یہ بات سن کر حیرت ہوئی۔ اسلم نے اس سے دریافت کیا تم کس وجہ سے مسلمانوں کے دشمن ہو؟

سندھی۔ تمہاری سلطنت مغرب سے مشرق کی طرف بڑھتی جاتی ہے۔ لہٰذا خدشہ ہے کہ کہیں تم سندھ اور پھر ہند پر بھی قبضہ نہ کر لو۔

اسلم۔ مگر تم نہیں جانتے کہ مسلمان کسی ملک پر بلاوجہ اس وقت تک حملہ نہیں کرتے تاوقتیکہ ان کو حملہ کرنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

سندھی پھر ہنسا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ اطمینان رکھو اب ہم تمہارے خلیفہ پر حملہ کر کے اس کا اور اس کی حکومت کا خاتمہ کرنے والے ہیں۔

اسلم۔ ہاں! اگر تم اس قدر قوت رکھتے ہو تو ضرور ایسا کرو۔

سندھی نے حقارت آمیز نظروں سے اُسے دیکھتے ہوئے کہا قوت۔ ۔ ۔ ؟ تجھے اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو بہت جلد ہی ہماری قوت کا اندازہ ہو جائے گا۔

اسلم۔ لیکن قوت کا مظاہرہ کرنے سے سوائے انسانی خونریزی کے اور کیا حاصل ہو گا۔

سندھی۔ ہم ہندوستان کے رہنے والوں کو مسلمانوں سے بڑا خطرہ ہے آج جس سرعت سے اسلام دنیا میں پھیل رہا ہے۔ اس سے خوف ہوتا ہے کہ کہیں اسلامی دباؤ ہندوستان میں بھی نہ آ جائے۔

اسلم۔ اگر تم مسلمانوں کے ساتھ دشمنی کا برتاؤ نہ کرو گے تو کبھی مسلمان اس طرف نہ آئیں گے اور جب مسلمان ہی نہ آئیں گے تو اسلام کیسے آئے گا۔

سندھی۔ مگر ہمارے راجہ داہر کا حکم ہے کہ ہم ہر اس مسلمان کو جو ہمارے ہاتھ آ جائے گرفتار کر لیں۔

اسلم۔ تمہاری یہی حرکت مشتعل کر کے مسلمانوں کو تمہارے ملک پر حملہ کرنے کی دعوت دے گی۔

سندھی قہقہہ لگاکر ہنسا۔ اس نے کہا کیا مسلمانوں کا خلیفہ ایسا بیوقوف ہے کہ چند مسلمانوں کے اسیر یا قتل ہو جانے سے غضبناک ہو کر ہمارے ملک پر حملہ کرنے کی جرأت کرے گا۔

اسلم۔ مسلمان بھائی بھائی ہیں چند مسلمان ہی نہیں بلکہ اگر ایک مسلمان بھی اسیر یا قتل ہو جائے گا تو اس کا انتقام لینا ساری دنیا پر فرض ہو جائے گا۔ اس وجہ سے خلیفہ مجبور ہوگا کہ وہ کسی دشواری کا بھی خیال نہ کرتے ہوئے فوراً حملہ کر دے۔

سندھی۔ دیکھا جائے گا! میں مہاراجہ داہر کے اس لشکر کا جو تم کو محصور کئے کھڑا ہے سردار ہوں تم کو گرفتار کر کے لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ اگر تم نے ذرا بھی حرکت کی تو ہمارے تیغے تمہارے سر اڑا دیں گے۔ اس لئے تم خاموشی سے گرفتار ہو جاؤ۔ میں دیکھتا ہوں کہ تمہاری گرفتاری کا اثر خلیفہ اور مسلمانوں پر کیا ہوتا ہے اور وہ تمہاری رہائی کے لئے کیا کاروائی کرتے ہیں۔ رہائی کے لئے کیا کاروائی کرتے ہیں۔

اسلم۔ مگر میں پھر کہتا ہوں کہ ہمیں گرفتار کر کے اپنے ملک پر مسلمانوں کو حملہ کرنے کی دعوت نہ دیجئے۔

سندھی۔ بیوقوف مسلمان ہم تم کو اسیر کر کے لے جائیں گے اور تمہاری قربانی[1] مندروں پر چڑھائیں گے۔

اسلم۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہماری قربانی کی بجائے تمہاری ہی قربانی ہونے لگے۔

سندھی نے غضبناک ہوتے ہوئے کہا۔ یہ صرف خیال ہے تمہارا اچھا دیکھو۔ تمہاری قربانی ہوتی ہے یا ہماری۔

اب وہ اپنے ساتھیوں سے خطاب کرتے ہوئے بولا۔ مہابیرو (بڑے بہادرو) ان ملیچھ مسلمانوں کو اسیر کر لو۔

سندھی لیٹرے مسلمانوں کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھے۔ اگرچہ مسلمان نہتے تھے اور بہت ہی کم تھے۔ ان کا خون ان کی رگوں میں جوش حرارت سے کھولنے لگا۔ وہ سب اٹھ کر اس شان سے کھڑے ہو گئے جیسے وہ سندھیوں پر جھپٹ کر حملہ کرنے والے ہیں۔ مگر سندھی خوب جانتے تھے کہ مسلمان نہتے ہونے کی وجہ سے کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اس لئے وہ مرعوب

---

[1] اس زمانہ میں مندروں پر انسانوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی؟

نہ ہوئے بلکہ کمانیں اپنے شانوں پر ڈال کر اور تیغے بے کر انہیں گرفتار کرنے کے لئے بڑھے۔

ابھی وہ ان کے پاس بھی نہ پہنچے تھے کہ آواز آئی۔ٹھہرو! سب آواز کی طرف دیکھنے لگے۔ اس طرف ایک ادھیڑ عمر کی عورت کھڑی تھی۔جس کے سر کے بال بے ترتیبی سے پشت و سینے پر پڑے ہوئے تھے۔گال پچکے ہوئے تھے اور رخساروں کی ہڈیاں نمایاں تھیں۔دانت بدنما اور ہونٹوں سے باہر نکلے ہوئے تھے۔آنکھیں حلقوں میں دھنسی ہوئی تھیں اور پتلیاں چنگاریوں کی طرح دہک رہی تھیں۔

ایک سفید چادر سر سے پیروں تک اوڑھے کھڑی تھی نہایت خوفناک معلوم ہو رہی تھی۔اُسے دیکھتے ہی تمام سندھی کسی قدر جُھک گئے اور سندھی سردار نے کہا۔آہاہا! ماتا (والدہ) جوگنی [1]

اس عورت کا نام جوگنی تھا۔یہ ایک مشہور ساحرہ تھی۔سندھ کا بچہ بچہ اسے جانتا تھا۔ وہ ایک ایسی گفا میں رہتی تھی۔جس کے چاروں طرف ہر وقت سانپ دوڑتے رہتے تھے۔تمام سندھی اس عورت سے ڈرتے تھے اور اس کا ادب کرتے تھے۔

جوگنی نے کہا۔ہاں! میں جوگنی ہوں اور اس لئے آئی کہ تم کو آگاہ کر دوں کہ تم نجومیوں کی اس پیشینگوئی کو یاد کر لو۔جو آج سے برسوں پہلے [2] کی گئی ہے۔

سندھی سردار نے دریافت کیا اور وہ پیشینگوئی کیا ہے ماتا؟

جوگنی۔ یہی کہ مسلمانوں کا سندھ پر قبضہ ہو جائے گا۔

سندھی سردار۔لیکن اس کا کوئی وقت نہیں بتایا گیا ہے؟

جوگنی۔ وہ وقت قریب آگیا ہے۔

---

[1] جوگنی ایک ساحرہ تھی۔جو الور کے قلعہ کے پاس رہتی تھی۔مگر وہ ہر جگہ گھومتی پھرتی تھی سندھی اس سے ڈرتے اور اس لئے اس کا ادب کرتے تھے۔(از تاریخ سندھ صفحہ ۱۵۸)

[2] سندھ کے بڑے بڑے نجومیوں نے عرصہ ہوا کہ جب پیشینگوئی کی تھی کہ سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔سندھیوں نے ناراض ہو کر اکثر نجومیوں کو مار ڈالا اور وہ مسلمانوں کے دشمن ہو گئے تھے۔ از ابن اثیر

سندھی سردار۔ لیکن مانا! جب تک کہ ہم زندہ ہیں ایک مسلمان کو بھی اپنی پوتر بھومی (پاک زمین) پر قدم نہ رکھنے دیں گے۔

جوگنی۔ مگر مسلمانوں کے سیلاب کو کوئی قوت نہ روک سکے گی تم ان مسلمانوں کو چھوڑ دو۔

سردار۔ کیسے چھوڑ دیں مہاراجہ داہر ہمیں فوراً مروا ڈالیں گے!

جوگنی۔ میں نے تمہیں آگاہ کر دیا۔ اب تم جانو!"

سردار۔ ہم مجبور ہیں!

جوگنی پراسرار طریقہ پر غائب ہو گئی۔ تمام سندھی اور سارے مسلمان دیکھتے ہی رہ گئے۔ جب وہ چلی گئی تب سردار نے سپاہیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ہم اس جادوگرنی کا کہنا نہیں مان سکتے۔ لہذا بڑھو اور ان تمام مسلمانوں کو اسیر کر لو۔

سندھی سپاہی بڑھے اور مسلمانوں کو گرفتار کرنے لگے۔ مسلمان مکہ بازی کر کے انہیں ہٹانے لگے۔ لیکن وہ اس قدر زیادہ تھے کہ ایک ایک مسلمان کو دس دس اور بیس بیس لپٹ گئے اور اس طرح سے انھوں نے ان سب کو پکڑ کر رسیوں میں جکڑ لیا۔

انہیں گرفتار کر کے انہوں نے سراندیپ کے مردوں اور عورتوں نیز جہازوں کے ناخداؤں کو بھی گرفتار کر لیا اور جہازوں کے اوپر سے تمام سامان وغیرہ۔ اتروا کر اپنے قبضے میں لے لیا ان وحشی انسانوں نے مردوں۔ عورتوں اور بچوں سب کو ہی رسیوں سے جکڑ دیا تھا۔ اور اس سختی سے جکڑا تھا کہ اس تکلیف سے معصوم بچے بلبلا اٹھے۔ چنانچہ عورتوں نے ان سے استدعا کی کہ وہ ان کے بچوں کی رسیاں کھول دیں تا کہ ان کی تکلیف دور ہو جائے۔ مگر ان درندوں نے نہ مانا بلکہ جن عورتوں نے استدعا کی تھی انہوں نے ان کے گالوں پر طمانچے مارے۔

ان کی یہ وحشیانہ حرکت دیکھ کر تمام مسلمان جوش غضب سے سرخ ہو گئے۔ مگر وہ جکڑے ہوئے تھے کچھ نہ کر سکے اور پیچ و تاب کھا کھا کر رہ گئے۔

جب ایک عورت کو پیٹا گیا۔ تو اس نے چلا کر کہا۔ اغثنی یا حجاج اغثنی[1] (بچاؤ اے حجاج بچاؤ)۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ حجاج بلاد مشرق کا وائسرائے تھا اور یہ لوگ حجاج ہی کے پاس جا رہے تھے۔ اس لئے اس عورت کی زبان سے حجاج ہی کا نام نکلا۔ سندھیوں نے عورتوں۔ مردوں اور بچوں کو کوڑے مار مار کر ان کو مویشیوں کی طرح سے ہانکنا شروع کیا مظلوم مسلمان آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ان وحشی درندوں کے ساتھ روانہ ہو گئے۔

---

[1] از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۱

چھٹا باب

"حجّاج"

جس وقت وحشی ہندوؤں نے بے گناہ مسلمانوں پر بے خطا حملہ کیا تھا۔ اس وقت چند مسلمان جھاڑیوں کے پیچھے چھپ گئے تھے۔ جب مسلمان قید کر کے لے جائے جا چکے تب وہ کمین گاہ سے نکلے ان کا خیال تھا کہ سارے ہندو چلے گئے ہوں گے۔ مگر جونہی انھوں نے باہر نکل کر دیکھا تو ان کو بہت سے ہندو سمندر کے ساحل پر بیٹھے نظر آئے۔

یہ لوگ جہازوں کی حفاظت و نگرانی کے لئے چھوڑ دیئے گئے تھے۔ وہ انھیں دیکھتے ہی دیکھتے پیچھے ہٹے اور درختوں و جھاڑیوں کی آڑ سے کر مکران کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے یہ ارادہ کر لیا تھا کہ خشکی کے راستے سے حجاج کے پاس پہنچ کر ہندوؤں کے اس ظلم وستم کی داستان اسے سنا دیں گے۔ جو معصوم اور مظلوم مسلمانوں پر کئے گئے ہیں۔

چنانچہ وہ صحرانوردی کرتے۔ دشمنوں کی نظروں سے بچتے ہوئے چلتے رہے۔ اس سفر میں انھیں بڑی بڑی تکالیف اٹھانی پڑیں۔ سنگلاخ میدانوں خطرناک جنگلوں۔ عریض و عمیق دریاؤں اور دشوار گزار پہاڑوں کو بڑی مشکل سے عبور کر کے شیراز پہنچے۔

شیراز ملک ایران میں خلیج فارس کے قریب واقع ہے۔ چونکہ یہ لوگ تھک گئے تھے اور اب تک دشمنوں کے خلاف سے شب و روز سفر کرتے رہے تھے اسلئے انھوں نے وہاں قیام کر دیا۔

چند روز قیام کرنے کے بعد وہ بصرہ کی جانب روانہ ہوئے۔ اس وقت حجاج بصرہ ہی میں مقیم تھا۔ شیراز سے بصرہ کچھ زیادہ دور نہ تھا۔ لہذا وہ بہت جلد بصرہ میں داخل ہو گئے۔

ایک روز انھوں نے قیام کر کے آرام کیا اور دوسرے روز صبح ہی حجاج کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حجاج کے باپ کا نام یوسف تھا۔ یوں تو یہ شخص بڑا بہادر۔ مدبر اور مستقل مزاج انسان تھا۔ مگر ساتھ ہی بے حد سخت مزاج بھی تھا۔ لیکن اس کی سخت مزاجی محض خلافت ہی کے لئے تھی۔ وہ اس شخص کا دشمن تھا۔ جو خلیفہ یا خلافت کے خلاف ایک لفظ بھی کہتا۔

اگر سچ پوچھا جائے تو اس کی یہ سختی کچھ غیر مناسب نہ تھی۔ کیونکہ اغیار اس فکر میں تھے کہ کسی طرح سے مسلمانوں میں خانہ جنگی کرا کر ان کی سلطنت اور خلافت کو تباہ و برباد کرا دیں۔

حجاج اس چال کو سمجھ گیا تھا اور اسی لئے وہ باغیوں کی سرکوبی کے لئے ہر وقت آمادہ و تیار رہتا تھا۔ مگر اس کے ساتھ ہی مسلمانوں کے پسینہ کی جگہ خون گرانے کو موجود رہتا تھا۔ اسلامی درد اس کے دل میں تھا۔ وہ گوارا نہیں کرتا تھا کہ کسی مسلمان کو بھی کوئی ترچھی نظر سے دیکھے۔

اس کا قاعدہ تھا کہ وہ صبح کی نماز پڑھتے ہی جمعہ مسجد میں بیٹھ جاتا تھا اور اکثر معاملات وہیں بیٹھا بیٹھا طے کر دیتا تھا۔ چنانچہ جس روز سندھ کے پسماندگان لوگ اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ اس روز بھی مسجد ہی میں بیٹھا تھا اور لوگوں کی درخواستیں سن سنکر احکام جاری کر رہا تھا۔

جب وہ ان لوگوں سے فارغ ہو گیا جو اس کے سامنے بیٹھے تھے۔ تو ان لوگوں کی طرف مخاطب ہوا۔

حجاج کا چہرہ نہایت بارعب تھا۔ ابھی وہ جوان تھا۔ لیکن جوانی کے ایام ختم ہوتے جاتے تھے۔ اس نے سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں سے مخاطب ہو کر دریافت کیا کیا آپ کہیں باہر سے آئے ہیں؟

ایک مسلمان نے جس کا نام "زیاد" تھا جواب دیا جی ہاں!

حجاج۔ کہاں سے آئے ہو؟

زیاد۔ سراندیپ سے!

حجاج نے متعجب ہو کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سراندیپ سے؟

زیاد۔ جی ہاں! سراندیپ سے!

حجاج۔ معلوم ہوا تھا کہ سراندیپ کے مہاراجہ اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین سے رابطہ اتحاد قائم کرنا چاہتے ہیں۔

زیاد۔ یہ بالکل صحیح ہے۔

حجاج۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سراندیپ کے راجہ نیک دل ہیں۔

زیاد۔ نہایت نیک اور مسلمانوں کے بہی خواہ ہیں۔

حجاج۔ جو مسلمان ان کی حدود سلطنت میں رہتے ہیں ان کے ساتھ ان کا کیسا برتاؤ ہے؟

زیاد۔ نہایت اچھا ہے!

حجاج۔ وہاں مسلمان کس قدر ہیں؟

زیاد۔ اٹھاون ۵۸ تھے۔

حجاج۔ خوش وخرم ہیں؟

زیاد۔ ہاں جب تک سراندیپ میں رہے نہایت خوش تھے۔

حجاج نے چونک کر زیاد کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا اور اب کہاں ہیں۔

زیاد نے افسوسناک لہجہ میں کہا۔ دام بلا میں اسیر ہو گئے!

حجاج نے غم زدہ ہوتے ہوئے کہا۔ کیسے مفصل سناؤ!

زیاد نے تمام داستان سراندیپ سے روانہ ہونے اور طوفان کے آنے جہازوں کے ساحل سندھ پر پہنچنے اور داہر کے سپاہیوں کے اچانک آکر مسلمانوں کو گرفتار کر کے لے جانے کی سنادی۔

حجاج خاموش بیٹھا سن رہا تھا۔ اس کے چہرے کا تغیر و تبدل بتا رہا تھا کہ اسے رنج بھی ہوا ہے اور غصہ بھی۔ جب زیاد خاموش ہوا تو اس نے پُرغضب انداز سے کہا۔

داہر کی اس قدر جرأت ہوگئی ہے کہ وہ بے گناہ مسلمانوں کو قید کر کے لے جائے! میں خدائے عزوجل کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک مسلمانوں کو اس مغرور اور ظالم کے پنجے سے آزاد نہ کرالوں گا۔ چین سے نہ بیٹھوں گا۔

اس کا چہرا فرط غیظ وغضب سے سرخ ہوگیا تھا۔ آنکھیں اُبل آئی تھیں اور پیشانی پر بل پڑ گئے تھے۔ زیاد نے کہا۔

یا امیر المللت جس وقت عورتوں کو وحشی ہندو گرفتار کر رہے تھے تو ایک مظلومہ نے حالت یاس میں درد بھرے لہجہ میں کہا تھا۔ اغثنی یا حجاج اغثنی!!

حجاج نے جوش وطیش سے بل کھاتے ہوئے کہا۔ میں مظلوموں کی فریاد رسی کروں گا۔ آج عہد کرتا ہوں کہ جب تک انھیں رہا نہ کرا لوں گا پیٹ بھر کر کھانا نہ کھاؤں گا۔ حجاج کے پاس اس کے چند مشیر بیٹھے تھے۔

ایک عبدالرحمٰن بن سلم الکلبی۔ دوسرے سفیان الابروک۔ تیسرے مجاشع بن نوبیرہ چوتھے خریم بن مغیرہ تھے۔ ان تمام لوگوں کو سراندیپ کے مسلمانوں کی داستان سنکر افسوس ہوا اور راجہ داہر

کی وحشیانہ حرکت پر غصہ آیا۔

حجاج کو جوش و غضب میں دیکھ کر انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں وہ اپنے ہی حکم سے سندھ پر لشکر کشی نہ کرا دے اور اس کی جلد بازی سے اسلامی لشکر کو کوئی گزند نہ پہنچ جائے۔ اگر ایسا ہوا تو خلیفہ سختی سے باز پرس کریں گے!

خلیفہ ولید کا حکم تھا کہ کوئی گورنر یا وائسرائے اپنے حکم سے کوئی جنگ شروع نہ کرے اس لئے عبدالرحمٰن نے کہا۔

راجہ داہر نے مسلمانوں کو قید کر کے اسلامی حکومت کو جنگ کی دعوت دی ہے۔ اس لئے ہمیں اس کی دعوت ضرور منظور کرنی چاہیئے مگر.. .. حجاج نے عبدالرحمٰن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مگر کیا؟

عبدالرحمٰن۔ اس تمام واقعہ کی اطلاع اعلیٰ حضرت کو کر کے پہلے جنگ کی اجازت منگا لینی چاہیئے۔

حجاج۔ لیکن اگر بدکار مغرور راجہ نے اس عرصہ میں مسلمانوں کو شہید کر ڈالا تو؟...

سفیان الابروک نے کہا۔ اطمینان رکھئے اسے ایسا کرنے کی ہرگز ہرگز جرأت نہ ہو سکے گی۔

مجاشع نے کہا۔ وہ مسلمانوں کے ساتھ جو کچھ کرنا چاہے گا۔ اسلامی لشکر کے پہنچنے سے پہلے ہی کر چکے گا۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ امیر المومنین کو مفصل اطلاع دے کر جنگ کی اجازت لے لی جائے اور اجازت آتے ہی اس بے وقوف اور سر پھرے راجہ کی سرکوبی کے لئے لشکر بھیج دیا جائے۔

حجاج کچھ سوچنے لگا۔ دراصل وہ ایک پرجوش مسلمان تھا اور اس نے طے کر لیا تھا کہ وہ دوسرے ہی روز لشکر روانہ کر دے گا۔ مگر اس کے مشیروں نے جو مشورہ دیا تھا۔ وہ بھی مناسب تھا۔

کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔ مگر میں ایسا کیوں نہ کروں کہ ادھر لشکر روانہ کر دوں اور ادھر اعلیٰ حضرت سے اجازت طلب کر لوں؟

خریم نے کہا۔ یہ مہم ہندوستان کے بڑے حصہ سندھ پر بھیجی جائے گی۔ ہند میں جس قدر بھی راجے مہاراجے ہیں۔ سب داہر کے شریک ہو کر ہمارا مقابلہ کریں گے۔ چونکہ ہندوستان

یہاں سے فاصلے پر ہے اور فوراً ہی امدادی لشکر بھی نہ بھیجا جاسکے گا۔ اس لئے نہیں کہا جا سکتا کہ انجام کیا ہو۔

بدیں وجہ مناسب یہی ہے کہ آپ اپنی ذمہ داری کم کرنے کے لئے پہلے دارالخلافہ سے اجازت منگالیں۔

حجاج ۔ مناسب ہے اچھا خلیفہ کو عرضداشت لکھو۔

فوراً مجاشع نے عرض داشت لکھی اور تمام واقعہ لکھ کر اعلان جنگ کی درخواست کی۔ حجاج نے عرض داشت کو پڑھا اور پڑھ کر اپنی مہر لگائی اور اسی وقت قاصد دمشق روانہ کر دیا۔

ان ایام میں دارالخلافہ دمشق ہی تھا۔ جب یہ قاصد روانہ ہوگیا۔ تب عبدالرحمٰن نے کہا ایک اور بات میرے ذہن میں آئی ہے۔

حجاج ۔ کیا؟

عبدالرحمٰن ۔ آپ راجہ داہر کے پاس قاصد بھیج دیں اور اسے محبتانہ تحریر کر کے مسلمانوں کی رہائی کا مطالبہ کریں۔

خریم نے کہا تم نے میرے منہ سے بات چھین لی۔ کیونکہ میں بھی یہی کہنے والا تھا۔

مجاشع ۔ میرے خیال میں بھی یہ بات مناسب ہے اتنے میں کہ دربار خلافت سے فرمان صادر ہو۔ داہر کا بھی جواب آجائے۔

حجاج ۔ میرے خیال میں بھی یہ بات نامناسب نہیں ہے۔ شاید قاصد کے جانے سے داہر پر کچھ اثر پڑ جائے اور وہ مسلمانوں کو رہا کر دے۔

عبدالرحمٰن ۔ میرا خیال یہ ہے کہ شاید داہر اور ہندوستان کے ہندو اس بات کو نہیں جانتے کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ وہ مشرق کے ہوں یا مغرب کے۔ ایشیا کے ہوں یا یورپ کے۔ کالے ہوں یا گورے اور اس لئے ان مسلمانوں کو جنھیں اس نے گرفتار کر لیا ہے چھڑانے کے لئے ساری دنیا کے مسلمان دوڑ پڑیں گے۔ اس نے یہ خیال کر کے کہ ان مسلمانوں کا کون خبر لے گا۔ انھیں قید کرنے کی جرأت کی ہے۔ لیکن جب قاصد اس کے پاس پہنچے گا تو وہ اس بات کو بخوبی سمجھ جائے گا اور عجب نہیں کہ وہ مسلمانوں کو رہا کر دے۔

حجاج ۔ نہایت بہتر اور مناسب مشورہ ہے اچھا اُسے بھی ایک محبت نامہ لکھو

اور اس طرف بھی ایک ایلچی روانہ کرو۔

فوراً مجاشع نے ایک تحریر لکھکر حجاج کے سامنے پیش کی۔ حجاج نے پڑھکر اسے سر بمہر کیا اور ایک نوجوان ہارون کو بلاکر ہدایت کی کہ وہ اس وقت دس آدمیوں کو ہمراہ لے کر سندھ کی طرف روانہ ہو جائے۔

چنانچہ ہارون معہ دس شیران اسلام کے اسی وقت روانہ ہو گیا۔ اب حجاج اٹھکر محل میں چلا گیا اور سراندیپ سے آنے والے مسلمان بھی اپنی قیام گاہ کی جانب روانہ ہو گئے۔



ساتواں باب

راجۂ داہر

بیدرد و بے رحم ہندو مسلمانوں کو قید کر کے لے چلے۔ چونکہ ان میں نام کو بھی انسانیت نہ تھی۔ اس لئے وہ انہیں اس تیزی سے چلنے پر مجبور کر رہے تھے جس تیزی سے وہ خود چل رہے تھے۔ مگر قیدی مسلمان اس تیزی سے نہ چلنے پر اس وجہ سے مجبور تھے کہ ان کے ساتھ ایسے بڈھے تھے۔ جو تیز نہ چل سکتے تھے

نازک اندام عورتیں تھیں اور معصوم بچے تھے۔ مگر وہ ان کی کسی کی بھی معذوری اور مجبوری کا خیال نہ کر کے انہیں کھینچے لئے جا رہے تھے۔

کچھ دور تک تو وہ جوں توں کر کے کھنچے چلے گئے۔ مگر آخر تھک گئے اور اب ان سے آہستہ آہستہ بھی چلنا دشوار ہو گیا۔ جفا شعار ہندوؤں نے اول اول تو انہیں تیزی سے چلنے کی زبانی دھمکیاں دیں۔ مگر جب وہ نہ چلے تو انھوں نے کوڑوں سے مارنا شروع کر دیا۔

ان بدبختوں نے بڈھوں، عورتوں اور بچوں میں سے کسی کا بھی خیال نہ کیا۔ ہر ایک کے کوڑے لگانے شروع کر دیئے۔ مرد تو آخر مرد تھے صبر و شکر کر کے خاموش رہے۔ مگر عورتیں تڑپ اٹھیں اور بچے تو بالکل ہی بلبلانے لگے۔ عورتوں کو جسمانی اذیتوں سے تو تکلیف ہو ہی رہی تھی۔ مگر ان کے سینوں پر اس وقت اور بھی برچھیاں لگتی تھیں۔ جب ان کے سامنے ان کے بچوں کے کوڑے مارے جاتے تھے۔ وہ خدا کا واسطہ دے دے کر ان سے رحم کی درخواست کرتی تھیں۔ لیکن جو خدا کو جانتا ہی نہ ہو وہ خدا کے واسطہ کا کب خیال کر سکتا ہے۔

چنانچہ ان کے دلوں میں بھی رحم و مروت کا جذبہ پیدا نہ ہوتا تھا اور وہ برابر کوڑے مارتے چلے جا رہے تھے۔ مگر شیران اسلام کی اولاد تھے پٹ رہے تھے دوڑ رہے تھے ان کی جانوں پر بنی ہوئی تھی۔ مگر وہ چپ تھے۔ رو نہ رہے تھے۔ آنسوؤں کا ایک قطرہ بھی ان کی آنکھوں سے نہ نکل رہا تھا۔ مظلوم بچے معصومانہ چہرے اٹھائے۔ سہم گئیں نگاہوں

سے مارنے والوں کو دیکھتے چلے جا رہے تھے۔ لیکن جب وہ اس قدر نڈھال ہو گئے کہ دس قدم چلنا بھی دشوار ہو گیا۔ تب انہوں نے اپنی ماؤں کی طرف دیکھا۔ حسرت بھری نگاہوں سے ان کی نظروں کو دیکھ کر نہ صرف ان کی مائیں بلکہ ہر عورت تڑپ اٹھی اور ان کی بے بسی و بیکسی پر افسوس کرنے لگی۔ ایک بچے نے جو سب سے چھوٹا تھا اپنی والدہ سے کہا۔ امی جان! اب تو بالکل ہی نہیں چلا جاتا۔ غمزدہ عورت نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا میرے بچے صبر کرو۔ معصوم بچے نے بھولے پن سے دریافت کیا! امی جان! کیا ہمارا خدا ہمارے پٹنے کو دیکھ رہا ہے؟

عورت:۔ ہاں! دیکھ رہا ہے اور وہ ان سنگدلوں سے انتقام لے گا۔

بچہ۔ لیکن وہ ہماری امداد کیوں نہیں کرتا!

عورت۔ کرے گا ابھی وہ ہمارا امتحان لے رہا ہے!

بچے نے سینے تانتے ہوئے کہا۔ بس تو ہم بھی امتحان دے رہے ہیں۔ دیکھیں اسے کب رحم آتا ہے۔

ایک سنگدل نے اسے کوڑا مار کر کہا "لے تیرے خدا کا رحم آ گیا" معصوم بچہ اس کوڑے کی مار کھا کر تڑپ گیا۔ مگر اس نے اف تک بھی نہ کی اور کمر کو ملتا ہوا چلتا رہا۔ الغرض انتہائی سختیوں اور صعوبتیں اٹھانے کے بعد یہ لوگ ایک قلعہ کے قریب پہنچے۔ قلعہ نہایت مضبوط بلند اور وسیع تھا۔ اس کی سربفلک فصیل دیکھ کر ہیبت طاری ہوتی تھی۔ ایک مندر جو شاید بہت ہی بلندی پر بنا ہوا تھا۔ فصیل سے اونچا اٹھا ہوا چمک رہا تھا۔

مندر کے قریب ہی ایک گنبد تھا اور وہ بھی مندر ہی کے برابر اونچا تھا یہ قلعہ دیبل تھا۔ اور سمندر کے قریب ہی واقع تھا۔ قیدی اس مندر اور قلعہ کو دیکھ کر نہایت غم زدہ ہوئے وہ ہندوستان کو کفرستان کہتے تھے ان کا خیال تھا کہ اہل ہند خدا کو چھوڑ کر دیوتاؤں کی پرستش کرتے ہیں۔

جس وقت یہ لوگ قلعہ کے دروازے کے قریب پہنچے تو انھوں نے قلعے کے اندر سے ایک شاندار رتھ کو نکلتے ہوئے دیکھا اس میں آٹھ گھوڑے جتے ہوئے تھے اور ان آٹھوں گھوڑوں پر آٹھ آدمی سوار تھے۔ جو قریب قریب برہنہ تھے۔ صرف گھٹنوں تک نیچی دھوتیاں کٹے ہوئے تھے ان کے سر ننگے تھے اور ان کے سر کے بال اس قدر لمبے

تھے کہ کانوں سے نیچے تک جھکے ہوئے تھے۔ داڑھیاں صفاچٹ تھیں۔ البتہ مونچھیں لمبی لمبی اور اس قدر چوڑی تھیں کہ انھوں نے سارے منہ کو ڈھک لیا تھا۔ ہاتھوں میں برچھے لئے گھوڑوں پر سوار بیٹھے تھے۔ رتھ کے چاروں طرف متعدد سوار تھے اور وہ چاندی کے بلم اٹھائے ہوئے تھے۔ وہ بھی برہنہ تھے۔ جنیؤ پہنے تھے۔

ان کی صورتیں بھی ویسی ہی تھیں جیسے رتھ کے گھوڑوں کے سواروں کی تھیں۔ رتھ کے اندر جوان العمر شخص بیٹھا تھا اس کی عمر زیادہ سے زیادہ چالیس سال کی ہوگی۔ وہ بھی ریشم کی دھوتی باندھے تھا اور اپنے ننگے جسم کو چھپانے کے لئے سچے موتیوں اور جواہرات کے ہار اس قدر پہنے تھا کہ گلے سے ناف تک کا تمام حصہ ان سے ڈھکا ہوا تھا۔ سر پر تاج اوڑھے تھا۔ تاج پر کلغی لگی تھی اور کلغی پر ہما کے پر لگے تھے۔

یہی شخص راجہ داہر تھا۔ ایک طرح سے یہ راجپوت تھا اور ایک طرح سے برہمن زادہ تھا۔ اسکی پیدائش کے متعلق جس قدر تاریخیں ہماری نظروں سے گزری ہیں۔ ان کا ماحصل یہ ہے کہ ساہسی ایک راجہ تھا جس کا دارالسلطنت الور تھا۔ اس کے زیر حکومت سندھ ملتان اور اٹک کے پاس کا وہ علاقہ جو کالا باغ کے پہاڑ تک پھیلتا چلا گیا ہے تھا۔ وہ نہایت نیک اور رعایا کا خیر طلب راجہ تھا۔ اس کا وزیر بدھی من تھا۔

ایک روز دیوان عام میں بدھی من اور ساہسی دونوں بیٹھے تھے کہ ایک برہمن آیا۔ اس کا نام چچ تھا۔ نہایت ہوشیار تعلیم یافتہ اور چالاک تھا اس نے کچھ ایسی باتیں کیں جن سے خوش ہو کر ساہسی نے اسے بدھی من وزیر کا نائب بنا دیا۔

چونکہ چچ نہایت چالاک تھا اس لئے اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ اس سے درباری اور رعایا سب خوش رہنے لگے۔ ساہسی کی بیوی یعنے رانی کا نام سوبھی دیوی تھا۔ ایک روز اس نے چچ کو دیکھ لیا اور دیکھتے ہی اس پر مفتون ہو گئی ادھر چچ بھی اس کا گرویدہ ہو گیا۔ روز روز رانی سوبھی دیوی اُسے محل میں بلانے لگی اور وہ جانے لگا۔ گھنٹوں تخلیہ میں رہتا اور جب واپس جاتا سوبھی دیوی بے قرار ہو جاتی وہ چاہتی تھی کہ وہ ہو اور چچ اور گوشہ تنہائی۔

آخر یہ محبت رنگ لائی۔ لوگوں میں بدگمانیاں پھیلنے لگیں اور ارکین سلطنت کو راجہ سے شکایت کرنا پڑی۔ مگر ساہسی سوبھی دیوی پر ایسا فریفتہ تھا کہ وہ اس کے خلاف کوئی بات بھی سننے پر آمادہ نہ تھا اور اس لئے رانی اور چچ کی رنگ رلیوں میں مخل ہونے والا کوئی بھی نہ تھا۔

لیکن ججّ نے جب سنا کہ لوگ بدگمان ہو گئے ہیں تو اس نے رانی کو مطلع کر دیا اور بدبخت رانی نے ججّ سے سازباز کر کے ساہسی کو مروا ڈالا اور ساتھ ہی یہ بھی انتظام کیا کہ جس قدر سلطنت کے دعوے دار تھے انکو حکمت عملی سے بُلا بُلا کر قتل کروا دیا۔ جب کوئی بھی باقی نہ رہا تب سوبھی نے ججّ سے شادی کر لی اور اس طرح سے ایک برہمن زادہ راجہ بن گیا۔ ججّ کے دو بیٹے ہوئے ایک دھرسیہ جو بڑا تھا اور دوسرا داہر دہرسیہ برہمن آباد میں تخت نشین ہو گیا اور داہر الور میں ان دونوں کی حقیقی ہمشیرہ مائی تھی جو نہایت خوب صورت تھی۔ وہ دہرسیہ کے پاس رہتی تھی۔ بھاٹیہ کے راجہ سوین نے اس سے شادی کرنے کے لئے دہرسیہ کے پاس پیغام بھیجا۔ دہرسیہ نے منظور کر لیا اور جہیز کا شاہانہ سامان تیار کر کے سات سو گھوڑے اور پانچ سو پیادے مائی کے ساتھ کر کے اُسے الور میں داہر کے پاس بھیج دیا اور نالائق بھائی کو لکھا کہ وہ اس کی شادی بھاٹیہ کے راجہ سوین سے کر دے۔ مگر داہر جو نہایت بدقماش آوارہ اور بدچلن تھا۔ جب اپنی حسین اور مست شباب سگی بہن کو دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا اور بدھی من سے مشورہ کر کے اس ننگ انسان نے اس کے ساتھ اپنی شادی کر لی۔

داہر کے اس وقت دو اور رانیاں بھی تھیں۔ ان میں سے ایک کا نام امادیوی اور دوسری کا رانی لادی تھا۔ رانی لادی نہایت خوبرُو اور کم سن تھی اس کے علاوہ اس کے محل میں بے شمار حسینان کشمیر اس کی دل بستگی کے لئے موجود تھیں۔

اس طرح داہر ججّ برہمن کا لڑکا ہونے کی وجہ سے برہمن زادہ تھا اور رانی سوبھی دیوی کے بطن سے ہونے کی وجہ سے راجپوت تھا۔ لیکن اس نے ہی حقیقی ہمشیرہ سے شادی کر کے جو شرمناک مثال قائم کی اس سے آج تک ہندو جاتی کا سر مارے شرم و ندامت کے جھکا ہوا ہے۔

داہر کی سواری قلعہ سے نکلتے ہوئے دیکھتے ہی تمام وہ سپاہی جو مسلمانوں کو کھینچے لا رہے تھے زمین پر سجدہ میں گر گئے اور "ان داتا کی جے!" "مہاراج کی جے" "مہابلی راجہ کی جے!" کے نعرے لگانے لگے۔ راجہ زرنگار مسند پر تکیئے کا سہارا لئے پڑا تھا۔ ان آوازوں کو سن کر وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور رتھ سے باہر جھانک کر دیکھنے لگا۔ جب اس کی نظر مسلمانوں کے اوپر پڑی تو کچھ حیران سا رہ گیا۔

اب وہ لوگ جو اُسے سلام کرنے کے لئے سجدہ میں گر گئے تھے اُٹھے۔ داہر نے ان سے دریافت کیا۔ یہ کون لوگ ہیں؟

ان سپاہیوں کے سردار نے آگے بڑھ کر ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا! انداتا یہ مسلمان ہیں۔

داہر کچھ نشہ میں متوالا سا ہو رہا تھا۔ اس نے کہا۔ ان کو آسمان پر دے پٹکو افسر اور اس کے سپاہی اس نرالے حکم کو سن کر بڑے حیران ہوئے اور حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے ان کی سمجھ ہی میں نہ آیا کہ مسلمانوں کو آسمان پر کیسے دے پٹکیں۔

افسر نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ مہابلی مہاراج انہیں آکاش آسمان پر کیسے لے جائیں۔

داہر نے مخموروں کی طرح سے ہنستے ہوئے کہا۔ جیسے اندر جی مہاراج آکاش پر چلے گئے ایسے ہی تم انہیں لے جاؤ۔

افسر۔ ان داتا! وہ تو دیوتا تھے۔ ان میں اتنی شکتی (قوت) تھی! ہم میں کہاں ہے۔

داہر بس تو تم انہیں لے کر دریائے اٹک میں ڈوب مرو۔

وہ مجنونوں کی طرح سے ہنسنے لگا۔ تمام سپاہی اور افسر اس کے نرالے نرالے احکام سن کر بھونچکے سے ہو رہے تھے۔ آخر داہر نے کہا۔ اچھا! اب انہیں تہہ خانے میں بند کر دو۔

افسر نے کہا لیکن انداتا! ان میں ایک الپسرا (پری) ہے؟

داہر الپسرا کا نام سنتے ہی چونک پڑا اس نے کہا کہاں ہے الپسرا؟

افسر نے طاہرہ کو اس کے سامنے لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اگرچہ طاہرہ کے روشن چہرہ پر غبار کی ہلکی تہہ جمی ہوئی تھی مگر وہ اب بھی چمک رہا تھا۔

داہر نے اسے غور سے دیکھ کر کہا۔ ہاں یہ الپسرا ہے اور اسے رتھ میں سوار کرا دو۔ افسر نے سپاہیوں کو اشارہ کیا۔ وہ اس حور وش کو رتھ میں سوار کرانے لگے۔

۔ ادھر طاہرہ نے سوار ہونے کی جدوجہد کی اور ادھر مسلمانوں نے داہر سے کہا۔ آپ راجہ ہیں اور راجاؤں کے لئے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ غیروں کی بہو بیٹیوں پر ایسے مظالم کریں۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا اور راجہ ہوتے ہی کس لئے ہیں۔ میری ایک خوب صورت بہن "مائی" ہے میں نے اس کے ساتھ شادی کی ہے۔

مسلمانوں کو اس کے متعلق کچھ بھی علم نہ تھا۔ وہ اس بات کو سن کر سخت حیران رہ گئے۔ اس عرصہ میں سپاہیوں نے طاہرہ کو رتھ میں سوار کرا دیا!

اسلم یہ دیکھ کر تڑپ گیا اور اس نے کہا او مغرور و بد سرشت راجہ! تو جذبات کا غلام بن کر دوسروں کے ناموس کی دھجیاں نہ اڑا ورنہ پچھتائے گا۔

داہر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نوجوان کو اس پری زادے محبت ہے خیر! میں اسے معاف کرتا ہوں۔ ان قیدیوں کو لے جا کر تہ خانہ میں بند کر دو۔

اب اس نے رتھ کو بڑھانے کا اشارہ کیا۔ گھوڑے چلے رتھ بڑھ گیا اور اسلم تڑپ گیا۔ اس نے ایک آہ کی اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔



آٹھواں باب

"نوخیز لڑکیاں"

دیبل کا قلعہ راجہ داہر ہی کی حدود سلطنت میں تھا۔ اس قلعہ کا حاکم سمنی تھا۔ اسے داہر نے مقرر کیا تھا۔ سمنی کو تنخواہ نہ ملتی تھی بلکہ ایک معنوں میں وہ ٹھیکے دار تھا۔ جو کچھ مال گزاری اور محصولات (ٹیکس) وصول ہوتا تھا۔ اس میں سے تین حصے داہر کو دیتا اور دو حصے خود رکھتا تھا۔

داہر سمنی سے ملنے اور محصولات کا تصفیہ کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ آج وہ واپس جا رہا تھا کہ مسلمان قیدی اس کے سامنے پیش کئے گئے اور وہ ان میں سے طاہرہ کو لے گیا۔ اسلم کو اس قدر صدمہ ہوا کہ وہ بے ہوش ہو گیا۔ وحشی سپاہیوں نے اس کا خوب مذاق اڑایا اور اسے بہت کچھ برا بھلا کہا۔ مگر نہ تو اسے ہوش تھا اور نہ ہی اس نے ان کی لایعنی باتیں سنیں اور جب اسے بے ہوش ہوئے زیادہ دیر گزر گئی۔ تب افسر نے سپاہیوں سے کہا۔ اسے ہوش میں لاؤ۔

کئی سپاہی بڑھے اور اسلم کے لاتیں اور گھونسے مارنے لگے مسلمانوں کو ان کی یہ حرکت نہایت بری معلوم ہوئی۔

ایک ضعیف العمر نے کہا۔ اس قدر ظلم نہ کرو۔ آخر ہم بھی تو انسان ہیں اور انسانوں کو انسانوں پر وحشیانہ مظالم نہیں کرنے چاہئیں۔"

افسر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ آہاہا! یہ بڈھا ہمیں اپدیش (نصیحت) دے رہا ہے ذرا اس کی مرمت تو کر دو۔

دو سپاہی اسے بڈھے کی طرف بڑھے اور اسے گھونسوں سے مارنے لگے۔ تمام مسلمان جوش وغضب سے بھر گئے اور سب نے ایک زبان ہو کر کہا۔ بے رحمو! اس طرح اذیتیں دینے سے کیا حاصل۔ جب تم ہمیں زندہ دیکھنا نہیں چاہتے تو مار ہی کیوں نہیں ڈالتے۔

افسر نے کہا۔ ماریں گے لیکن ابھی نہیں۔ جب ہمارے دل تم سے تفریح کرتے کرتے اکتا جائیں گے۔

ایک نوجوان مسلمان نے کہا۔ خدا سے ڈرو! کہیں وہ ہم مظلوموں کی فریاد سن کر تمہیں ہلاک

بس میں کر دے دے اور پھر ہم بھی تمہارے ساتھ ایسی ہی تفریح کریں جیسی کہ آج تم کر رہے ہو۔

افسر۔ یہ ملک سندھ ہے یہاں تمہارے خدا کی حکومت نہیں ہے یہاں بدھ مہاراج اور دوسرے دیوی دیوتاؤں کی حکومت ہے۔

اس زمانہ میں ملک سندھ میں بدھ مذہب زیادہ پھیلا ہوا تھا اور اس مذہب کے ماننے والے "بودھ" کہلاتے تھے۔ سناتن دھرمی۔ جینی اور ناستک (خدا کے منکر) بھی تھے۔

نوجوان نے کہا۔ خدا ہر جگہ ہے وہی خالق کل اور رازق مطلق ہے۔

افسر۔ ہم مذہبی بحث میں پڑنا نہیں چاہتے سپاہیو! ان کو لے چلو۔

اس وقت اسلم کو بھی ہوش آگیا تھا اور وہ اٹھکر کھڑا ہو گیا تھا۔ سپاہی ان سب کو لے کر چلے دروازے میں داخل ہوئے اور قلعہ کے اندر پہنچے یہ قلعہ نہایت وسیع تھا۔ خوب آباد تھا اور اس کے چاروں طرف مکانات بنے ہوئے تھے مگر کچھ زیادہ اونچے اور شاندار نہ تھے۔

کئی بازار تھے مگر تنگ تھے۔ دکانیں نیچی اور بھدی تھیں۔ ہاں مندر بے شمار تھے اور وہ کافی بلند تھے۔ سپاہی مسلمانوں کو لئے ہوئے چلے جا رہے تھے۔ وہ اس مندر کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جو فصیل سے اونچا تھا اور جسے مسلمانوں نے قلعہ کے باہر سے ہی دیکھ لیا تھا۔

یہ مندر عین قلعہ کے وسط میں تھا۔ جب مسلمان راستوں اور بازاروں سے گزر رہے تھے تو وہ ہندوؤں کو اور ہندو انھیں دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ مسلمانوں نے جس ہندو کو بھی دیکھا۔ وہ گھٹنوں سے اونچی دھوتی باندھے برہنہ جسم نظر آیا۔ سروں پر پگڑیاں اور ٹوپیاں کچھ بھی نہ تھیں۔

ننگے سر تھے۔ سر پر چندیا کے کچھ بال لمبے لمبے تھے جنہیں وہ چوٹیاں کہتے تھے۔ قریب قریب سب میلے اور کثیف رہتے تھے۔ جو دھوتیاں وہ پہنے ہوئے تھے سب میلی تھیں۔

عورتیں بھی گھٹنوں سے ذرا نیچے دھوتیاں باندھے اور اونچی اونچی کرتیاں پہنے تھیں۔ اس لباس سے ان کی ستر پوشی اچھی طرح نہ ہوتی تھیں۔ گھٹنوں سے نیچے تک پیر۔ بازوؤں تک ہاتھ اور سارا پیٹ کھلا رہتا تھا۔

عورت اور مرد سب ننگے پیر رہتے تھے۔ چونکہ مسلمان اس ملک میں پہلے کبھی نہ آئے تھے۔ اس لئے وہ مردوں کو برہنہ اور عورتوں کو نیم برہنہ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔

وہ اس ملک کے رہنے والے تھے۔ جہاں مرد اور عورتیں ہی نہیں بچے تک۔ پورا لباس پہنتے تھے سوائے چہروں، گٹوں تک ہاتھوں اور ٹخنوں تک پیروں کے اور سارا جسم ڈھکا رہتا تھا۔

ہندو مسلمانوں کا لباس دیکھ کر ان کی وضع اور نورانی داڑھیاں دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے۔ سپاہی ان کو حراست میں لیئے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ اس مندر کے قریب پہنچ گئے۔ جو تمام مندروں سے اونچا تھا۔ اس مندر کے گرد احاطہ کھینچا ہوا تھا اور تین طرف کمرے بنے ہوئے تھے۔ ایک طرف پانڈے رہتے تھے اور دو طرف میں مندر کی داسیاں[1]!

یہ داسیاں بڑے گھرانوں کی سیم تن اور نو خیز لڑکیاں تھیں۔ جو مندر میں رہتی تھیں اور بدھ کے بت کی پرستارن کہلاتی تھیں۔

سندھ میں صرف راجاؤں کی عورتیں یا لڑکیاں اور مندر میں رہنے والی داسیاں ہی ایسا لباس پہن سکتی تھیں۔ جس سے کہاں کا تمام جسم ڈھک جائے۔ لیکن یہ ان کی مرضی پر منحصر تھا۔ اگر وہ چاہیں تو ایسے کپڑے پہنیں اور اگر وہ نہ چاہیں تو عام عورتوں جیسے پہن لیں۔

تمام جسم کو ڈھانپنے والا جو لباس تھا اس میں ایک شلوکہ ہوتا تھا اور ایک ساڑھی شلوکہ پہن کر جب ساڑھی کر لی جاتی تھی تو سارا جسم ڈھک جاتا تھا۔ لیکن داسیاں اگر شلوکہ اور ساڑھیاں بھی پہنتی تھیں تو اس طرح کہ بازوؤں تک ہاتھ اور پیٹ کا کچھ حصہ کھلے رہتے تھے۔

ان داسیوں کے لئے سونے اور چاندی کے زیورات مہیا کئے جاتے تھے اور وہ انھیں پہن کر اور بھی حسین نظر آنے لگتی تھیں۔ عوام کی نگاہوں میں وہ قابل احترام اور عصمت مآب تھیں۔ لیکن مندر کے پجاریوں کی دل بستگی کرنا ان کا اولین فرض تھا۔

وہ بالکل ایسی تھیں جیسی کہ عیسائیوں کے رومن کیتھولک فرقے کی ننیں۔ جو ساری عمر کنواری رہنے اور عبادت کرنے کا عہد کر کے گرجے میں داخل ہو جاتی ہیں اور وہاں کے پجاریوں کی خواہش نفسانیت کا شکار بن جاتی ہیں۔

جب مسلمان مندر کے احاطے میں داخل ہوئے تو انھوں نے سینکڑوں داسیوں کو بیش قیمت شلوکے پہنے اور ریشمین ساڑھیاں باندھے آپس میں چہل قدمی کرتے ہوئے دیکھا۔ وہ سب

---

[1] از تاریخ ہند (صادق۔ صدیقی)

نوعمر اور حسین تھیں۔

ان کے لباس۔ زیورات اور چہرے جگمگا رہے تھے۔ ہندوؤں کے خیال کے مطابق راجہ اندر کے دربار میں پریاں چل پھر رہی تھیں۔ مسلمان ان کو دیکھنے لگے تو فوراً ہی ایک بڈھے مسلمان نے کہا۔

مسلمانو! اپنی نظریں جھکالو۔ خدا نے قرآن شریف میں ارشاد فرمایا ہے۔ قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ۔ اے پیارے نبیؐ مسلمانوں سے کہہ دو کہ جب وہ نامحرم عورتوں کو دیکھیں تو اپنی نگاہیں جھکالیں!"

یہ سنتے ہی تمام مسلمانوں نے اپنی نظریں نیچے جھکالیں۔ ان پری زاد لڑکیوں نے بھی اپنی ہوشربا آنکھیں اٹھا اٹھا کر انہیں دیکھا اور وہ حیرت بھری نظروں سے انھیں دیکھتی رہ گئیں۔

ان لڑکیوں کے سامنے بہت سے پجاری کھڑے تھے ان میں ایک بڈھا پجاری بھی تھا اس کا نام "ابی" تھا۔ وہ مشہور پنڈت تھا۔ رحم دل۔ نیک طینت انسان تھا۔ اس کی داڑھی سفید اور لمبی تھی۔ اس کے قریب ہی ایک ادھیڑ عمر کا شخص دھوتی اور موتیوں نیز جواہرات کے ہار پہنے کھڑا تھا۔

اس کا نام سمنی تھا۔ دیبل کے قلعہ پر یہی حاکم تھا۔ سمنی روزانہ مندر میں آتا تھا۔ کچھ بدھ جی کی مورتی کے درشن (زیارت) کرنے کے لئے نہیں بلکہ حسین داسیوں کی زیارت کے لئے۔

ایک سمنی ہی نہیں بلکہ سینکڑوں سردصرف انھیں دیکھنے کے لئے ہی مندر میں آتے تھے۔ سمنی۔ ابی اور تمام پجاری بھی مسلمانوں کو دیکھ کر حیران ہوئے کھڑے رہ گئے۔

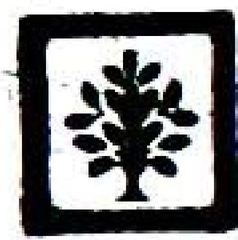
افسران مسلمانوں کو لے کر سمنی کے پاس پہنچا۔ وہ اور تمام سپاہی اس کو سلام کرنے کے لئے زمین پر سجدہ میں گر گئے اور مہاراج کی جے کے نعرے لگانے لگے۔ نعرے لگا لگا کر اٹھے اور ابی کے پاس پہنچ کر جھک جھک کر اس کے پیر چھونے لگے۔ ابی ہاتھ اٹھا اٹھا کر انہیں برکت دینے لگا۔ جب یہ لوگ سلام و تنظیم سے فارغ ہو گئے تو افسر نے کہا؟

مہاراج! یہ مسلمان ساحل پر اترے ہوئے تھے۔ ہم انھیں گرفتار کر کے لائے ہیں۔

سمنی نے کہا۔ بہت اچھا کیا تم نے۔

افسر۔ جب ہم قلعے کے دروازے پر آئے تو ان داتا رزق دینے والا مہاراج داہر سے سامنا ہو گیا۔ انھوں نے حکم دیا ہے کہ ان سب کو تہ خانے میں بند کر دیا جائے۔

سمنی۔ بہت مناسب ہے ان وحشیوں کے رہنے کی جگہ وہی ہو سکتی ہے۔
اب سمنی۔ ابی کی طرف گھوما۔ اور اس سے مخاطب ہوتے ہوئے بولا۔
پنڈت جی مہاراج ....
ابی نے قدرے جھک کر کہا آگیا (حکم) ہے؟"
سمنی۔ آپ ان کو اپنی حراست میں لے کر تہ خانہ میں بند کر دیں!
ابی۔ اس آگیا کا پالن کیا جائے گا (اس حکم کی تعمیل کی جائے گی) ابی نے پجاریوں کی طرف دیکھا۔ وہ مسلمانوں کو حراست میں لے کر چلے ابھی وہ قدم بھی نہ گئے تھے۔ کہ آواز آئی ٹھہرو!"
سب نے پلٹ کر دیکھا۔ جوگنی اس طرف سے آرہی تھی سب کے سب اسے دیکھتے ہی جھک گئے۔



نواں باب

"مغرور راجہ"

ہارون معہ دس مسلمانوں کے روانہ ہو گیا تھا۔ وہ بصرہ سے چل کر شیراز پہنچا اور مکران ہوتا ہوا نیرون کی حدود میں سے گزر کر سندھ میں داخل ہوا۔ چونکہ وہ قاصد تھا اور جس شہر یا قصبہ میں جاتا تھا پہلے بتا دیتا تھا کہ وہ سفیر ہے اور راجہ داہر کے پاس جا رہا ہے۔ اس لئے کسی نے اُس سے تعرض نہ کیا۔ بالآخر طے منازل اور قطع مراحل کے بعد وہ الور میں داخل ہوا۔

الور کا قلعہ نہایت بلند اور بہت کچھ لمبا چوڑا تھا۔ یہ قلعہ دیبل کے قلعہ سے دگنا وسیع اور بہت کافی بلند تھا۔ آبادی گنجان تھی۔ بازار پر رونق تھے۔ سڑکیں اچھی حالت میں تھیں۔ صفائی کا بھی اچھا انتظام تھا۔

دیبل سے زیادہ یہاں مندر تھے۔ اس کے ایک طرف شاہی محلات تھے جو دور تک پھیلتے چلے گئے تھے۔ محلات کے قریب ہی فوجی چھاونی تھی۔ محلوں کے اندر ہی کئی مندر تھے غالباً جتنی رانیاں تھیں اتنے ہی مندر تھے۔ کیونکہ ایک رانی دوسری رانی کے مندر میں جانا کسر شان سمجھتی تھی اور بھی شہر میں ہر طرف مندر پھیلے ہوئے تھے۔

یہاں بھی مرد برہنہ اور عورتیں نیم برہنہ رہتی تھیں۔ جب ہارون قلعہ کے اندر داخل ہوا اور لوگوں کو معلوم ہوا کہ وہ خلیفہ ولید کا قاصد ہے تو فوراً بدھی من وزیر کو اطلاع دی گئی۔ وہ ہارون سے ملا اور اس نے کہا۔ میں حیران ہوں کہ آپ اتنی دور و دراز کی مسافت اٹھا کر کس لئے آئے ہیں۔

ہارون نے کہا۔ میں خلیفہ کا پیغام لے کر آیا ہوں اور مہاراجہ داہر سے عرض کر سکتا ہوں۔

بدھی من۔ مہاراجہ دیبل گئے وہ شہروں میں گھومتے پھر رہے ہیں اور ایک ہی دو روز میں آنے والے ہیں۔

ہارون۔ ہم ان کی واپسی تک ٹھہرے رہیں گے!

بدھی من۔ بہتر ہے آپ کے ٹھہرنے کا معقول پربندھ (انتظام) کر دیا جائے گا۔

چنانچہ ہارون کو معہ اس کے ساتھیوں کے ایک اچھے مکان میں ٹھہرایا دو ہی تین روز

کے بعد انھوں نے سنا کہ راجہ داہر واپس آگیا ہے اور عنقریب دربار کرنے والا ہے۔ دربار ہی میں ان کو طلب کیا جائے گا۔ لیکن ہارون کو جلدی تھی۔ کیونکہ اسے ہدایت تھی کہ وہ بہت جلد واپس آئے مگر بغیر داہر سے ملے اور جواب لئے واپس جانا بے کار تھا۔ اس لئے وہ ٹھہرا ہوا تھا اور نہایت بے چینی سے دربار کا انتظار کر رہا تھا۔

ایک روز چند ہندو آئے اور انھوں نے کہا کہ دربار لگا ہوا ہے آپ کو مہاراجہ نے طلب کیا ہے۔ فوراً یہ سب لوگ ہتھیار لگا کر ان کے ساتھ ہو لئے۔

دربار کی عمارت محلوں کے قریب تھی۔ یہ لوگ اس عمارت میں داخل ہوئے۔ نہایت شاندار عمارات تھی۔ خوب سجائی گئی تھی۔ یہ کمرہ نہایت وسیع تھا۔ اس میں دو رویہ کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔ کرسیوں پر درباری بیٹھے تھے۔ مگر سب دھوتیاں باندھے ہوئے ننگے بدن تھے۔

کمرے کی سطح سے تین گز اونچا ایک چبوترہ تھا۔ اس پر سنگھاسن تھا اور راجہ داہر اس پر بیٹھا تھا۔ اس کے داہنی طرف اس کی بہن مائی جس سے اس نے شادی کی تھی اور جواب رانی بن گئی تھی بیٹھی تھی۔

اس کے قریب ہی حسین دپری جمال رانی لاوی ایک تکیہ کے اوپر جھکی ہوئی تھی اور بائیں طرف تیسری رانی تھی۔ یہ تینوں رانیاں اعلیٰ قسم کی ساڑھیاں شلوکے اور زیورات پہنے تھیں۔ ایک تو وہ تینوں تھی ہی حسین! دوسرے ان کے لباس اور زیورات نے انھیں اور بھی حسین بنادیا تھا۔ مگر ان تینوں میں سے سب سے زیادہ خوب صورت رانی لاوی تھی۔ کچھ نوجوان مہ پارہ داسیاں (کنیزیں) تخت کے پیچھے کھڑی مگس رانی کر رہی تھیں۔

چبوترے کے نیچے بدھی من وزیر اور جے سیہ راجہ داہر کا بیٹا کرسیوں پر بیٹھے تھے تمام درباری۔ راجہ۔ رانیاں اور کنیزیں غرض کہ سب خاموش تھے اور مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے ہارون اور سارے مسلمان بغیر کسی جھجک کے بڑھ کر چبوترے کے قریب جا کھڑے ہوئے۔

بدھی من وزیر نے ہارون سے کہا۔ اگر تم خلیفہ کا کوئی مراسلہ لائے ہو تو پیش کرو۔ ہارون نے کہا۔ جی ہاں! میں ایک مراسلہ لایا ہوں لیکن اعلیٰ حضرت خلیفتہ المسلمین کا نہیں بلکہ ۔۔۔۔۔۔

بدھی من نے قطع کلام کرتے ہوئے دریافت کیا اور؟

ہارون۔ اعلیٰ حضرت کے بلاد شرقیہ کے وائسرائے حجاج کا!

بدھی من۔ خیر کسی کا ہو دو تاکہ مہاراج کے حضور میں گزارنا جائے۔

ہارون نے مراسلہ نکالکر بدھی من کو دیا۔ بدھی من اسے لے کر سیڑھیوں پر چڑھا اور داہر کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ داہر نے دریافت کیا کیا ہے؟

بدھی من نے کہا۔ اَن داتا! خلیفہ کے وائسرائے حجاج کا مراسلہ ہے۔

داہر۔ اسے کھول کر پڑھو! مگر باآواز بلند!!

بدھی من۔ بہت اچھا!

اب بدھی من نے پڑھنا شروع کیا۔ لکھا تھا!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم (شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے) یہ خط حجاج بن یوسف کی طرف سے ہے "مہاراجہ داہر کے نام جو سندھ کا حکمران ہے"

مجھے افسوس کے ساتھ یہ بات عرض کرنی ہے کہ اٹھاون ۵۸ مسلمان جن میں مرد، عورتیں اور بچے سب شامل ہیں۔ جزیرہ سراندیپ سے بصرہ آ رہے تھے۔ بد قسمتی سے طوفان آگیا اور جہاز دیبل کے ساحل پر جا پہنچے۔ وہاں آپ کے سپاہیوں نے انھیں گرفتار کر لیا۔

مجھے خیال ہے کہ یہ ناخوشگوار واقعہ کسی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا ورنہ ہمارے اور آپ کے درمیان مناقشات نہیں ہیں۔ ہم مسلمان کسی مسلمان کو کسی مصیبت میں گھرا ہوا نہیں دیکھ سکتے ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ مصیبت زدہ مسلمان کی مدد کرے اس لئے میں عرض گزار ہوں کہ گرفتار شدہ مسلمانوں کو رہا کر کے تمام مسلمانوں کو مشکور فرما دیں۔

داہر خط سن کر ہنسا اس نے کہا۔ کس قدر بے وقوف ہے یہ حجاج اس نے اتنا نہ سوچا کہ جب ہم نے مسلمانوں کو گرفتار کر لیا ہے تو رہا کیوں کر دیں گے۔

بدھی من نے کہا۔ مگر حضور ان کا رہا کر دینا ہی مناسب ہے!

داہر نے خشونت کے انداز سے کہا کیوں؟

بدھی من۔ اس لئے کہ مسلمان انھیں چھڑانے کے لئے حملہ کر دیں گے!

داہر۔ تو کیا میں مسلمانوں کے حملہ سے ڈر جاؤں!

بدھی من۔ بے کار خونریزی سے فائدہ بھی کیا ہے!

داہر۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ اس سے میری بزدلی ظاہر ہو گی۔ قاصد سے کہدو کہ ہم مسلمانوں کو رہا نہیں کر سکتے۔

داہر اور بدھی من دونوں کی باتیں ہارون اور اس کے ساتھی سن رہے تھے وہ بھی سیڑھیوں پر چڑھکر بدھی من کے برابر جا کھڑے ہوئے۔

ہارون نے کہا۔ حضور اگر آپ ان چند مسلمانوں کو رہا کر دیں گے تو اس سے نہ آپ، بزدل سمجھے جائیں گے نہ کوئی بدنامی ہو گی بلکہ حضور کی تعریف کی جائے گی۔

داہر نے بگڑتے ہوئے کہا۔ کبھی نہیں! میں ہرگز انھیں رہا نہ کروں گا!

ہارون۔ اچھا ایسے رہا نہ کریں اگر آپ کہیں تو ہم کچھ زرتاوان ادا کر دیں۔

داہر۔ نادان! اگر تم ان میں سے ہر ایک شخص کے برابر چاندی بھی تول دو۔ تب بھی میں نہیں سکتا

اب ہارون کو غصہ آ گیا۔ اس نے کہا۔ دیکھئے! ہم مسلمان ہیں ہمارا یہ قاعدہ ہے کہ حتی الامکان صلح و آشتی سے کام نکالتے ہیں لیکن جب اس طرح کام نہیں چلتا تب ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔

داہر نے غضب ناک ہو کر کہا۔ تب کیا کرتے ہو!

ہارون۔ تب ہم تلوار سے کام لیتے ہیں اور پھر ہماری تلوار ہر کام کرا لیتی ہے۔ داہر نے غصہ سے پیچتے ہوئے کہا۔ مجھے تمہاری تلوار ہی دیکھنا ہے۔

ہارون۔ فضول ضد نہ کرو۔ اس کا انجام اچھا نہ ہو گا!

داہر۔ خبردار! میری توہین کی سزا موت ہے۔

ہارون۔ کیا آپ کے درباریوں میں سے کسی کو یہ جرأت ہے کہ وہ ہماری طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے اگر کوئی ہے تو ہم اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

داہر نے درباریوں پر نگاہیں ڈالیں۔ تمام درباری نظریں نیچے کئے خاموش بیٹھے تھے۔

داہر نے کہا۔ تم ان سورماؤں (بہادروں) کو دیکھو یہ سب مہابیر (بڑے دلیر) ہیں جب تم لڑنے آؤ گے تب ان کی دلیری کا تماشا دیکھنا۔ چونکہ تم قاصد ہو اس لئے معاف کیا جاتا ہے۔

ہارون کو جوش اور غصہ آ رہا تھا۔ اس نے کہا۔ بہادر ہیں ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ۔۔ ایسے ہی بہادر ہوتے ہیں اگر انھیں بہادری کا زعم ہے تو ان سے کہئے کہ ہمارا مقابلہ کریں۔

بدھی من نے نرم لہجہ میں کہا۔ مسلم نوجوان غصہ نہ کرو! دربار میں خونریزی نہیں کی جاتی۔

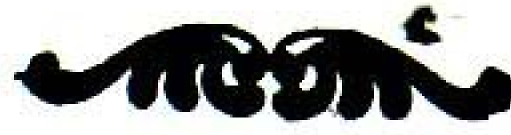
تم حجاجؒ سے کہدو کہ مہاراج مسلمانوں کو رہا نہیں کرتے ہیں۔

ہارون۔ بہتر ہے (راجہ سے) انتظار کیجئے اس وقت کا جب کہ شیران اسلام چاروں طرف سے تم پر ٹوٹیں گے اور تمہارا سر کاٹ کر تمہارے غرور کو خاک میں ملا دیں گے۔

داہر کو بہت غصہ آیا۔ اس نے جوش میں آکر تلوار کھینچی لیکن ابھی تلوار میان سے باہر بھی نہ نکلی تھی کہ مائی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ناتھ! دربار میں خونریزی نہ کیجئے۔ داہر نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ جاؤ تم رانی کی مہربانی سے بچ گئے بس چلے جاؤ اور حجاج سے کہدو کہ اگر اسے حوصلہ ہے تو مسلمانوں کو چھڑا کر لے جائے۔

ہارون۔ بچ ہم نہیں گئے بلکہ تم بچ گئے اچھا ہم جا رہے ہیں لیکن آپ ابھی سے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ کیونکہ ہمارے جاتے ہی اسلامی لشکر ایک سیلاب کی طرح آئے گا۔ اور سارے سندھ کو تمہارے ناپاک وجود سے پاک کر دے گا!

داہر خاموش رہا۔ ہارون اور اس کے ساتھی لوٹے۔ دربار سے نکلے قیام گاہ پر آئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر اسی وقت روانہ ہو گئے۔



باب ۳

"ہمدرد محافظ"

جوگنی کا لوگ احترام نہ کرتے تھے۔ بلکہ اس سے ڈرتے تھے۔ چونکہ وہ اسے جادوگرنی سمجھتے تھے اس لیئے اس کی تعظیم کرتے تھے نیز اس کے غصہ سے محفوظ رہنا چاہتے تھے۔ جوگنی آ رہی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ایک لمبا نیزہ تھا۔ وہ آکر جب کھڑی ہوئی تو سارے ہندو مرد اور عورتیں نظریں جھکا کر کھڑے ہو گئے۔ البتہ مسلمان اس کی طرف دیکھتے رہے انھوں نے اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ سمندر کے کنارہ پر اسے دیکھا تھا۔

وہ اس کے مشکور تھے۔ کیونکہ اس نے سپاہیوں سے اُن کے چھوڑنے کی سفارش کی تھی۔ ابی نے نظریں اٹھا کر جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ماتاجی! آج درشن دینے کا کیا کارن ہے (کیا وجہ ہے)؟

جوگنی نے کہا۔ کیا آپ کو وہ پیشین گوئی یاد ہے جو آج سے مدتوں پہلے بڑے بڑے نجومیوں نے کی تھی:۔

ابی۔ کونسی پیشین گوئی کے متعلق آپ کہہ رہی ہیں؟

جوگنی۔ مسلمان کی آمد کے متعلق!

ابی۔ یاد ہے ماتا!

جوگنی۔ بھلا کیا پیشینگوئی کی گئی تھی؟

ابی۔ یہی کہ مسلمان سندھ پر قبضہ کریں گے۔

جوگنی۔ اور اب مسلمان سندھ میں داخل ہو گئے ہیں۔

ابی نے حیرت سے جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا مسلمانوں کا لشکر سندھ میں داخل ہو گیا ہے؟:۔

جوگنی تم کو ابھی یہی حیرت ہے۔

ابی اور۔۔۔۔۔۔؟

جوگنی نے نیزہ سے مسلمانوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ یہ تمہارے قیدی مسلمان نہیں ہیں؟!۔

ابی ہاں! یہ مسلمان ہیں! مگر!۔۔۔۔۔۔

جوگنی مگر کیا؟

ابی یہ قیدی ہیں!

جوگنی اور ان قیدیوں ہی کی وجہ سے سندھ مصیبت میں مبتلا ہو جائے گا۔

سمنی نے جوگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کس طرح سے ماتا۔

جوگنی۔ مسلمانوں میں اس قدر اتفاق اور اتحاد ہے کہ اگر ان کا ایک آدمی بھی کسی ملک میں گرفتار کر لیا جاتا ہے تو ساری دنیا کے مسلمان بے قرار ہو کر اس کو چھڑانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔

سمنی۔ کیا آپ کے خیال میں مسلمانوں کا خلیفہ ان مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے اتنے دور و دراز فاصلے پر آئے گا۔

جوگنی۔ یقیناً! تم مسلمانوں کو نہیں جانتے ہو!

سمنی۔ میرے خیال میں یہ غیر ممکن ہے!

جوگنی۔ مگر مجھے ممکن نظر آرہا ہے۔

سمنی۔ اگر انھوں نے ایسی جرأت کی بھی تو ہم سندھی ہر حملہ آور مسلمان کو مار ڈالیں گے۔

جوگنی۔ غیر ممکن ہے! اگر تم ان کے ایک دو لشکروں کو شکست بھی دیدو گے تب بھی ان کا سلسلہ اس وقت تک ختم نہ ہوگا جب تک کہ وہ تم سے انتقام نہ لے لیں گے۔

سمنی۔ کیا ہم سندھی ان کا مقابلہ نہ کر سکیں گے؟

جوگنی۔ بالکل نہیں؛

سمنی۔ نہیں ماتاجی! ایسا نہ ہوگا۔

جوگن نے جوش میں آکر کہا۔ ایسا ہی ہوگا۔ افسوس! جو کچھ مجھے نظر آرہا ہے اُسے تم نہیں دیکھ سکتے۔

سمنی۔ ماتاجی! ہم کو بھی دکھا دیجئے!

جوگنی کچھ سوچنے لگی۔ ابی نے کہا۔ ہاں! دکھا دیجئے ماتاجی!

جوگنی نے آہستہ آہستہ سے سر اٹھا کر کہا۔ اچھا! میں تم کو دکھا دوں گی مگر ان داسیوں سے کہدو کہ وہ اپنے کمروں میں چلی جائیں:۔

سمنی نے کہا۔ ماتاجی انھیں بھی دیکھ لینے دیجیے!

جوگنی۔ نہیں یہ ڈر جائیں گی!

داسیوں نے جھک کر کہا۔ نہیں ماتاجی ہم ڈرینگی نہیں!

جوگنی۔ اچھا! تم جانو۔ مجھے گرو نے جو علم دیا ہے آج سب کے سامنے اس علم کا کرشمہ دکھاتی ہوں۔ مگر اسے دیکھنے سے پہلے یہ بتا دوں کہ جو واقعات نظر آئیں گے وہ پیش آنے والے ہیں گزرے ہوئے نہیں ہیں۔

سمنی۔ اچھی ماتا!

جوگنی پیچھے ہٹ کر تن کر کھڑی ہو گئی اس نے زیر لب کچھ پڑھنا شروع کیا۔ پڑھتی رہی۔ دیر تک پڑھتی رہی کبھی کبھی اپنے سر کو جھٹکا دے لیتی تھی۔ اس کے سر کے غبار آلود گنجان بال اس کی پشت اور سینے پر بکھر گئے تھے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ آنکھیں لال انگارہ بن گئی تھیں۔

اس کی صورت نہایت خوفناک معلوم ہونے لگی تھی اب اس نے نیزہ آسمان کی طرف اٹھا کر بلند آواز سے کہا۔ دیکھو! ۔۔۔۔۔۔

سب کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں۔ اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ آفتاب۔ چمک رہا تھا۔ جوگنی کے نیزے سے کچھ شعاعیں نکلیں اور فضا میں پھیلنے لگیں۔

تھوڑے ہی عرصہ میں نیزے سے نکلی ہوئی شعاعوں نے آفتاب کی شعاعوں کو ڈھک لیا اور اب ایسا سماں بندھ گیا جیسے کہ ہلکا سا ابر آگیا ہو۔ سب کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے آسمان پر جنگل نظر آنے لگا۔ درخت۔ دریا۔ سبزہ سب صاف طور پر معلوم ہونے لگے۔

سب نہایت حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ دفعتاً گیارہ سوار گھوڑے دوڑاتے نظر آئے۔ ان کا لباس عربوں کا سا تھا۔

جوگنی نے کہا۔ قاصد ۔۔۔۔۔۔ یہ قاصد ہیں جو مہاراجہ داہر کے دربار میں آرہے ہیں۔

وہ نکلے چلے گئے اور تھوڑے ہی عرصے کے بعد پھر نمودار ہوئے۔ جوگنی نے پھر کہا۔ قام
ناکام واپس جا رہے ہیں۔

وہ پھر غائب ہو گئے اور کچھ ہی وقفہ کے بعد ہزاروں سوار اسی لباس میں نظر آئے۔ بیسیوں
علم لہرا رہے تھے۔ یہ علم اسلامی تھے اور ایک بڑا علم تھا جو کہ ایک نوجوان کے ہاتھ میں تھا۔

وہ نوجوان نہیں بلکہ ایک لڑکا تھا جس کی عمر سترہ سال کی تھی۔ ابھی مونچھیں۔ داڑھی کچھ بھی نہ نکلا
تھا۔ نہایت شان دار اور ٹڑا تھا۔ جوگنی نے کہا۔ دیکھو فاتح سندھ کی صورت دیکھو۔ اب اس
نے پھر کچھ پڑھنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ جنگل۔ دریا اور سبزہ وغیرہ سب غائب ہو گیا اور آفتاب
اپنی پوری آب و تاب سے چمکنے لگا۔

جوگنی نے اپنا نیزہ جھکا لیا اب بھی اس کا چہرہ لال اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ سب پھر
جوگنی کی طرف دیکھنے لگے وہ اب بھی کچھ پڑھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے کہا۔ دیکھ لیا تم
سب نے۔

ابی نے کہا۔ ہاں ماتا دیکھ لیا۔ آج تم نے ایک نئی بات دکھائی ہے۔!

جوگنی۔ میں پہلے ہی یہ سب کچھ دیکھ چکی ہوں۔

ابی۔ مگر ماتا جی اس سے یہ کہاں معلوم ہوا کہ لڑائی بھی ہو گی!

جوگنی۔ میں نے ان نازنین واسیوں کے ڈر جانے کے اندیشہ سے جنگ کا منظر نہیں دکھایا
ہے۔

سمنی۔ تو ماتا، آپ کو جنگ کا نتیجہ بھی معلوم ہو گیا ہے؟

جوگنی۔ ہاں!"

سمنی۔ کیا ہو گا۔

جوگنی۔ داہر کی حکومت مٹ جائے گی۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو
جائیں گے۔ ملک ویران ہو جائے گا۔

سمنی۔ مگر جو لڑکا نظر آیا ہے وہ فاتح سندھ نہیں ہو سکتا!

جوگنی۔ مگر ماتا اطمینان رکھو اگر یہ لڑکا لڑنے کے لئے آیا تو اس شیر خوار بچہ کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔

جوگنی ہنسی اور اس نے کہا۔ مگر یہی بچہ سندھیوں کا قافیہ تنگ کر دے گا!

سمنی۔ کبھی نہ کر سکے گا!

جوگنی نے ابی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ پنڈت جی قسمت کا لکھا نہیں مٹ سکتا یہ ملک کو تباہ کرنے پر تلے ہوئے ہیں ان کی مت ماری گئی ہے میرا کام سمجھانا تھا۔ سمجھا دیا۔ اب تم اپنی فکر کرو۔

ابی۔ مجھے کیا اندیشہ ہے ماتا؟

جوگنی۔ جو لوگ مسلمانوں پر سختی کریں گے۔ مسلمان ان سے انتقام لیں گے اور جو ان پر مہربانی کریں گے وہ بھی ان پر مہربانی کریں گے۔ سمجھ گئے؟

ابی۔ سمجھ گیا!

جوگنی پیچھے ہٹ گئی۔ کچھ دور تک چلی اور پر اسرار طریقہ پر غائب ہو گئی! سمنی نے کہا۔ یہ جادوگرنی ہے نظر بندی کر دیتی ہے بھلا ایک ایسا لڑکا جس کی داڑھی اور مونچھیں دونوں ندارد ہیں کیا میدان جنگ میں آ کر لڑ سکتا ہے۔

ابی۔ میرے خیال میں نہیں لڑ سکتا۔ ہمارے دیس کے (ملک کے) اتنی عمر کے بالک (لڑکے) تو رات کو گھر سے باہر بھی نہیں نکلتے۔

سمنی چلا گیا۔ پانڈے اور داسیاں بھی چلی گئیں ابی قیدیوں کو لے کر اس برج میں پہنچا جو مندر کے قریب ہی تھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ اس کے اندر داخل ہوا اور قیدیوں کو لے کر زینہ سے نیچے اترے گا۔ یہ زینہ کافی چوڑا تھا۔ سیڑھیاں چوڑی تھیں لیکن جوں جوں وہ نیچے اترتا تھا اندھیرا بڑھتا جاتا تھا۔

چنانچہ جب یہ سب نیچے ایک کمرے میں پہنچے تو وہاں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ابی تمام تہ خانہ سے بخوبی واقف تھا۔ وہ ٹٹول ٹٹول کر ایک طرف بڑھا اور اس طرف کا ایک دروازہ کھول کر دوسری طرف نکل گیا۔ مسلمان بھی اس کے ساتھ ہی پہنچے۔

اب وہ ایک کشادہ کمرے میں پہنچ گئے۔ یہاں روشندانوں کے ذریعہ سے روشنی اور ہوا آ رہی تھی اور اس قدر اجالا تھا کہ ہر چیز ذرا صاف نظر آتی تھی۔ ابی نے مسلمانوں سے کہا۔ اگر میں تم کو کھول دوں تو تم میرے ساتھ کوئی زیادتی تو نہ کرو گے۔

کئی مسلمانوں نے کہا۔ بالکل نہیں! ہم احسان فراموش نہیں ہیں۔

ابی۔ میں نے مسلمانوں کی یہی تعریف سنی ہے۔ اچھا میں تم کو کھولے دیتا ہوں۔

ابی نے ایک مسلمان کی رسیاں کھول دیں اور پھر دوسرے کی کھولنے لگا ایک کی اس نے کھولیں اور دوسرے کی مسلمان نے کھول دیں اور اس طرح سے نہایت عجلت کے ساتھ سب کی

رسیاں کھول دی گئیں۔

رسیاں کھل جانے سے مسلمانوں کی تکلیف میں کچھ افاقہ ہو گیا خصوصاً عورتوں اور بچوں کو تو بہت ہی آرام ملا۔ مسلمانوں نے ابی کا شکریہ ادا کیا۔ ابی نے کہا۔ میں انسان ہوں اور تم بھی انسان ہو۔ میری انسانیت مجھے مجبور کرتی ہے کہ میں تمہاری خدمت کروں۔

اسلم نے کہا۔ اگر خدا نے ہم کو آزاد کر دیا تو ہم آپ کے احسان کا معاوضہ بالضرور ادا کریں گے۔

ابی۔ مجھے اس کا یقین ہے تمہیں جب اور جس چیز کی ضرورت ہو بلا توقف مجھ سے کہہ دیا کرنا۔

اسلم۔ بہت اچھا!

ابی۔ اچھا! اب میں رخصت ہوتا ہوں!



باب ۱۱

"فرمان"

حجاج نے جب سراندیپ کے مسلمانوں کے قید ہو جانے کی خبر سنی اسی وقت سے بے چین ہو گیا۔ اُسے ہندوؤں پر بڑا غصہ آ رہا تھا۔ جنہوں نے بلاوجہ انہیں قید کر لیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ جلد سے جلد دربار خلافت سے حملہ کرنے کی اجازت آجائے اور وہ مظلوم مسلمانوں کو رہا کرانیکے لئے فوراً روانہ کر دے۔ نیز تمام مسلمانوں کو بھی بڑا فکر اور رنج تھا۔ چونکہ جمعہ کے روز حجاج نے یہ تمام واقعات مسلمانوں کو سنا دیئے تھے۔ اس لئے بصرہ میں گھر گھر مسلمان قیدیوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ ہر شخص کو جوش اور غصہ آ رہا تھا۔ ہر ایک ان کا انتقام لینے کے لئے جنگ پر جانے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔ بچوں تک میں جوش و غضب کی لہر دوڑ گئی تھی اور جب کبھی وہ آپس میں اکٹھے ہوتے تھے تو یہی ذکر کرتے تھے اور یہ ذکر کرتے کرتے غضبناک ہو کر اس طرح سے اُٹھ کھڑے ہوتے تھے جیسے کہ وہ لڑنیکے لئے جا رہے ہوں۔

عورتوں میں بھی انہیں کا تذکرہ تھا۔ سب سے زیادہ انہیں ہی غم و فکر تھا۔ وہ ٹھنڈی ٹھنڈی آہیں بھر کر ان کا ذکر کرتی تھیں اور کہتی تھیں کہ نہ معلوم وہ کس حال میں ہیں۔ دشمنوں نے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے ان کے ساتھ عورتیں بھی ہیں۔ بچے بھی ہیں یہ اللہ میاں نے کیا کیا؟

غرضیکہ مسلمانوں کا ہر فرد پریشان اور مضطرب تھا اور خلیفہ کے فرمان کا انتظار کر رہا تھا۔ اکثر لوگ دوپہر کے وقت اس راستے پر چلے جاتے تھے جو دمشق کو جاتا تھا اور دن چھپے تک قاصد کا انتظار کرتے رہتے اور آفتاب غروب ہونے کے بعد مایوس ہو کر واپس چلے آتے۔

خود حجاج کو بھی سخت انتظار تھا۔ عورتیں مردوں سے اور بچے عورتوں سے روزانہ قاصد کے متعلق دریافت کر لیتے تھے۔ سچ پوچھو! تو بصرہ والے اس قدر بے قرار ہو رہے تھے کہ ان کا کھانا۔ پینا۔ سونا اور آرام کرنا وغیرہ سب کچھ جاتا رہا تھا۔ ہر شخص پانچوں وقت نماز پڑھ کر ان مسلمانوں

کی سلامتی کی دعائیں مانگا کرتا تھا۔

ایک روز ایک سانڈھنی سوار دمشق سے آتا نظر آیا۔ جو لوگ قاصد کو دیکھنے کے لئے آج بھی گئے تھے۔ اسے وہ دور ہی سے دیکھ کر خوش ہو گئے اور انھوں نے ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہوئے کہا۔ لو مبارک ہو قاصد آرہا ہے۔

سب بے اختیار ہو کر اس کی طرف بڑھ گئے۔ جب وہ قریب پہنچے تو سانڈنی سوار نے السلام وعلیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ کہا۔ جب وہ ان کے برابر کھڑا ہوا تب ایک مسلمان نے دریافت کیا۔ کیا تم دمشق سے آرہے ہو؟

سانڈنی سوار نے جواب دیا۔ جی ہاں!

وہی مسلمان۔ کیا خلیفہ کا فرمان لائے ہو؟

سوار۔ ہاں۔

سب یہ معلوم کرنے کے لئے بے چین ہو گئے کہ خلیفہ نے کیا حکم دیا ہے۔ چنانچہ کئی آدمیوں نے دریافت کیا۔ کچھ معلوم ہے کہ خلیفہ نے کیا حکم دیا ہے؟

سوار۔ مہم بھیجنے کی اجازت دے دی۔

سب نے خوش ہو کر کہا۔ خدا کا شکر ہے۔

اب یہ سب چلے اور بصرہ میں داخل ہوئے فوراً ہی تمام شہر میں قاصد کے آنے کی خبر پھیل گئی۔ ہر شخص مسجد کی طرف دوڑنے لگا۔ مرد تو مرد بچے بھی بھاگ بھاگ کر آنے لگے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں مسجد آدمیوں سے بھر گئی۔ حجاج پہلے ہی آچکا تھا اور قاصد سے فرمان لے کر پڑھ چکا تھا۔ اب وہ منبر پر آیا اور اس نے بلند آواز سے کہا۔

مسلمانو! مجھے خوب معلوم ہے کہ تم سب ہی مظلوم مسلمانوں کے لئے اسی طرح سے تڑپ رہے تھے۔ جس قدر میں بے قرار تھا۔ نیز مجھے یہ بھی خبر ہے کہ سینکڑوں مرد۔ عورتیں اور بچے روزے رکھ رہے ہیں اور سارے مسلمان پانچوں وقت نماز پڑھ پڑھ کر مظلوم مسلمانوں کے لئے دعائیں مانگ رہے ہیں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ مسلمانوں سے کیا خطا ہو گئی ہے۔ جو چند مسلمانوں کو مبتلائے مصیبت کر کے خدا نے سارے مسلمانوں کو بے چین کر دیا ہے۔ یاد رکھو جو خدا کو یاد کرتا ہے خدا اسے یاد کرتا ہے اور جو خدا کو بھول جاتا ہے خدا اسے بھول جاتا ہے تمہاری دعائیں اور روزے بے کار نہ جائیں گے خدا نے چاہا تو ہم مسلمانوں کو

آزاد کرا لائیں گے جس طرح سے آپ اور میں بے قرار ہو رہے ہیں اس سے زیادہ خلیفہ المسلمین بے قرار ہو گئے ہیں۔ میں آپ کو ان کا فرمان سناتا ہوں۔

"فرمان"

بسم اللہ الرحمن الرحیم (شروع ہے ساتھ نام اللہ کے جو بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے) از جانب بندۂ خدا ولید بن عبد الملک خلیفۃ المسلمین بجانب حجاج بن یوسف ثقفی والسرائے بلاد مشرق"۔ بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ تمہارا عریضہ پہنچا۔ سراندیپ کے مسلمانوں کے قید ہو جانے کی خبر سن کر اس قدر اضطراب ہوا کہ بھوک اور نیند سب اڑ گئی ہے ایک مسلمان کا بال بیکا ہونے سے یہ اچھا ہے کہ میں مر جاؤں مسلمان اور تو سب کچھ برداشت کر سکتا ہے مگر یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کسی مسلمان کو مصیبت میں مبتلا دیکھے۔ خدا اور خدا کے رسولؐ کا یہ فرمان ہے کہ مسلمان بھائی بھائی ہیں۔ پھر ایک بھائی کو دوسرا بھائی تکلیف میں کیسے دیکھ سکتا ہے اور اگر کوئی دیکھ سکے تو وہ مسلمان نہیں ہے تم کو اجازت دی جاتی ہے کہ تم فوراً سندھ پر لشکر کشی کر دو اور جس شیر دل بہادر افسر کو مناسب سمجھو۔ اس مہم پر مامور کر دو۔ لیکن سندھ بہت دور دراز فاصلہ پر ہے۔ معمولی مہم نہ بھیجی جائے اور نہ معمولی لوگوں کو بھرتی کر کے بھیجا جائے بلکہ تجربہ کار اور پرجوش مجاہدوں کو بھیجا جائے اور ان کو ہدایت کر دی جائے کہ اول وہ صلح و آشتی سے کام لیں اگر مغرور و متکبر راجہ نہ مانے تو جنگ کریں اور اس وقت تک لڑیں جب تک کہ یا تو تمام مجاہدین شہید ہو جائیں یا راجہ کو نہ مار ڈالیں۔

لیکن اس بات کا خیال رہے کہ کسی مندر یا معبد گاہ کو نہ گرائیں کسی عورت کسی بچے۔ کسی بڈھے۔ کسی بیمار کو نہ ستائیں۔ نہ کھیتی کو پامال کریں نہ جلائیں۔ آبادی کو آگ نہ لگائیں غنیم کے فریب میں نہ آئیں۔ نماز پڑھتے اور روزے رکھتے رہیں مسلمان جس قدر خدا کو یاد کریں گے خدا ان پر اسی قدر لطف و کرم کرے گا۔

اگرچہ میں اور دمشق کے رہنے والے مجاہدوں سے دور ہوں گے مگر ہماری دعائیں ان کے ساتھ ہوں گی، آج سے حکم دے دیا گیا ہے کہ ہر مسجد میں مسلمانوں کی عافیت اور مجاہدوں کی فتح یابی کے لئے دعائیں مانگی جائیں فقط اور تمام مسلمانوں سے سلام علیک بد

(ولید بن عبدالملک)

اس فرمان کو سن کر تمام مسلمان بے حد خوش ہوئے اور انہوں نے جوش و مسرت سے مسرور ہو کر نعرے لگائے ولید زندہ باد ۔۔۔۔۔۔ خلیفۃ المسلمین زندہ باد۔ امیر المومنین کی عمر دراز۔

ان نعروں سے نہ صرف مسجد بلکہ تمام فضا گونج گئی۔ جب نعروں کی گونج کم ہوئی تو حجاج نے کہا: چونکہ اس وقت تمام اہل الرائے موجود ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اسی مجمع میں اس افسر کا انتخاب کر لیا جائے جس کی سرکردگی میں یہ مہم روانہ کی جائے گی۔

ہر طرف سے آوازیں آئیں آپ ہم سے بہتر جانتے اور آپ ہی اس کا انتخاب کریں۔

حجاج۔ مجھے خوف ہے کہ جس کا نام میں پیش کروں گا، تم شاید اسے منظور نہ کرو۔

پھر سب نے کہا۔ ہم کبھی اعتراض نہ کریں گے۔

حجاج اچھا تو سنو! میں اس مہم پر اسے بھیجنا چاہتا ہوں۔ جو ابھی بچہ ہی ہے جس کے داڑھی اور مونچھ کچھ بھی نہیں ہے۔ لیکن جو شیر سے زیادہ بہادر ہے مخلص مسلمان ہے پر جوش مجاہد ہے اور جس نے فارس میں کارہائے نمایاں انجام دے کر کافی شہرت حاصل کر لی ہے۔ غالباً تم سمجھ گئے ہو گے اور اگر ابھی نہیں سمجھے تو اب سمجھ لو۔ وہ میرا چچیرا بھائی ہے جس کا نام محمدؐ قاسمؒ ثقفی ہے۔

سب نے کہا۔ نہایت مناسب ہے محمد قاسم جیسا ہی شیر دل اس مہم پر جانے کے قابل ہے۔

حجاج۔ مجھے اس کا نام لینے میں اس وجہ سے پس و پیش تھا کہ تم یہ نہ کہو اپنے قرابت

لہ بعض مورخ محمد قاسم کو محمد بن قاسم ابوالفدا محمد بن قاسم بھی لکھتے ہیں لیکن مستند مورخوں نے محمد قاسم ثقفی لکھا ہے اور یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے۔ (مشتاق۔ صدیقی)

دار کو چچازاد بھائی کو بڑے بڑے لوگوں پر فضیلت دے دی۔ میں پھر ایک مرتبہ کہتا ہوں کہ اگر یہ انتخاب نامناسب ہو تو کسی اور کو منتخب کر لو۔

پھر سب نے کہا۔ نہیں یہ انتخاب نہایت موزوں اور مناسب ہے ہم سب قاسم کے شجاعانہ کارناموں سے خوب واقف ہیں۔

حجاج ۔ سوئے اتفاق سے اس وقت میرا عمزادہ برادر محمدؐ قاسم یہاں آیا ہوا ہے اور اس نے ہی مجھ سے یہ خواہش کی تھی کہ اسے اس مہم پر جانے کی اجازت دی جاوے۔ مگر وہ افسر بن کر نہیں بلکہ خادم بن کر جانا چاہتا ہے اور محض حصول ثواب کی غرض سے۔

ایک شخص نے کہا۔ وہ بے نفس نوجوان ہے خادم بنا کر نہیں اسے مخدوم بنا کر ہی اُسے بھیجنا چاہیئے۔

اب حجاج نے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ میرے عزیز برادر آؤ اور تمام مسلمانوں کا شکریہ ادا کرو۔

ایک نوجوان اٹھا اور حجاج کے پاس مکبر پر آکھڑا ہوا۔ وہ بالکل بے ریش اور بروت کا ایک لڑکا تھا۔ نہایت خوبصورت اور چوڑا چکلہ تھا۔ اس کی کشادہ پیشانی سے اقبال مندی اور بڑی بڑی آنکھوں سے فراست ٹپکتی تھی۔

اس نے مکبر پر آتے ہی سلام کیا اور کہا۔ میرے بزرگو اور دوستو! جب سے میں نے یہ سنا ہے کہ سندھ کے مغرور و متکبر راجہ نے سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں کو بلا قصور گرفتار کرا دیا ہے۔ میرے دل کا چین اڑ گیا ہے۔ قسم لے لیجیے جو میں نے اس وقت سے پیٹ بھر کر روٹی کھائی ہو ۔۔ ۔۔۔۔۔ کیسے روٹی کھانا اور کیسے آرام کرنا جب کہ میرے بھائی اور بزرگ مصیبت میں مبتلا ہوں۔ میں نے اپنے بھائی سے عرض کیا تھا کہ مجھے عوام الناس کے زمرہ میں سندھ جانے کی اجازت دیں تا کہ میں شیطان سیرت ہندو راجہ سے جنگ کر کے انتقام کی آگ کو ٹھنڈا کر سکوں۔ مگر مجھ ناقابل کا انتخاب افسر ہی کے لئے کر لیا گیا ہے میں اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ میں سردار بننے کے قابل نہیں ہوں۔ میں ایک سپاہی ہوں۔ مگر جب کہ آپ مجھے افسری کی عزت دے چکے ہیں تو میرا فرض ہے کہ میں اپنی جان تک اس مہم میں دینے سے دریغ نہ کروں۔ میری استدعا ہے کہ آپ سب اصحاب دعا کریں کہ اللہ تعالے مجھ جیسے کمزور اور ناتجربہ کار انسان کو اپنی قدرت کاملہ سے فتح عطا فرمائے

سب نے ہاتھ اٹھا اٹھا کر دعائیں مانگیں۔ بچے سجدوں میں گر گئے اور انھوں نے رو رو کر کہا۔ اے اللہ میاں! اے ہمارے خدا! محمدؐ قاسم کو فتح عطا کرنا۔ اس کی حفاظت کرنا اور جو مسلمان قید ہیں انھیں رہائی دلانا۔

اب حجاج نے کہا۔ میں اس قاصد کی واپسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ جو راجہ داہر کے پاس بھیجا گیا ہے اگر اس نے مسلمانوں کو رہا کر دیا تو نہایت ہی مناسب ہے۔ ورنہ انکار کی صورت میں فوراً مہم روانہ کر دی جائے گی۔

آپ تمام اصحاب سے استدعا کی جاتی ہے کہ ہر شخص ہر نماز کے بعد مسلمانوں کی رہائی اور فتح یابی کی دعا کرے۔

چونکہ اب کسی کو اور کچھ کہنا نہ تھا اس لئے حجاج اور محمد قاسم دونوں ممبر سے نیچے اتر آئے۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اٹھ اٹھ کر وہاں سے چلنے لگے۔



باب ۱۲

کوُچ

جب سے سندھ پر لشکر کشی کی اجازت دربار خلافت سے آگئی تھی۔ اس وقت سے مسلمانوں نے تیاریاں شروع کر دی تھیں۔ کیونکہ کسی مسلمان کو بھی یہ خیال نہ تھا کہ راجہ داہر مسلمانوں کو رہا کر دے گا۔ لیکن مسلمانوں کا ہمیشہ سے یہ قاعدہ رہا ہے کہ وہ پہلے تمام حجت کر لیتے ہیں چنانچہ حجت کو تمام کرنے کے لئے ہی حجاج نے قاصد کو بھیجا تھا اور اب تمام مسلمان اس قاصد کی واپسی کا انتظار کر رہے تھے ہر انتظار کی حد ہوتی ہے آخر اس انتظار کی حد بھی ختم ہو گئی اور ہارون واپس آ گیا۔ اس نے تمام روئداد حجاج کو سنا دی۔ حجاج کو پہلے ہی یہی توقع تھی۔ دوسرے روز تمام مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ داہر نے صلح کی درخواست مسترد کر دی۔ اب زور و شور سے تیاریاں شروع ہو گئیں منجنیقیں درست کی جانے لگیں۔ منجنیقیں چھوٹے چھوٹے برج ہوتے تھے۔ جن کے ذریعہ سے قلعوں پر سنگ باری کی جاتی تھی۔

بعض منجنیقیں تو اتنی بڑی ہوتی تھیں کہ پانچ پانچسو آدمی کھینچتے تھے اور جب وہ کام دیتی تھیں۔ ان میں ایک منجنیقیں نہایت بڑی تھی۔ اس کا نام عروسک[1] تھا۔ یہ منجنیق خاص امیرالمومنین کی تھی۔

چونکہ تمام مسلمانوں کو جوش آ گیا تھا اس لئے ہر شخص چاہتا تھا کہ وہ اس مہم پر ضرور بھیجا جائے۔ مگر حجاج نے اعلان کر دیا تھا کہ صرف چھ ہزار مجاہدین جائیں گے۔ یہ اتنی تھوڑی تعداد مقرر ہوئی کہ ہر ایک شخص کو اندیشہ ہو گیا کہ وہ جا سکے گا یا نہیں۔ اس کے علاوہ اس مہم کا چرچا تمام ملک شام اور سارے عراق میں پھیل گیا اور ہر طرف سے مجاہدوں کے گروہ بصرہ میں آنے لگے۔ اب یہ وقت پیش آ گئی کہ جو لوگ دور سے آئے تھے ان کو مایوس کر کے واپس بھیجنا ان کی انتہائی دل شکنی تھی۔ چنانچہ ملک شام سے جس قدر مجاہدین آئے تھے وہ سب

---

[1] از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۵

کے سب لے لئے گئے اور باقی عراق سے آنے والے کو لیا گیا۔

اس طرح سے چھ ہزار کی تعداد پوری ہو گئی اور مصر کا ایک شخص بھی نہ لیا جا سکا۔ جو لوگ عرصہ سے تیاریاں کر رہے تھے۔ وقت پر مایوس ہو جانے سے ان کو بڑا افسوس ہوا لیکن وہ حجاج کی مجبوری کو خوب جانتے تھے یہی وجہ تھی وہ خاموش ہو کر رہ گئے تھے۔

پھر بھی انھوں نے کوشش کی کہ جو لوگ لشکر میں شامل کر لئے گئے ہیں ان میں سے کوئی انکار کر دے۔ مگر تمام لشکر میں سے ایک بھی ایسا شخص نہ نکلا اگرچہ ہر شخص کو معلوم تھا کہ سندھ پر لشکر جا رہا تھا۔ جہاں لاتعداد ہندو تھے۔ بے شمار لشکر تھا۔ زندہ بچ آنے کی توقع نہ تھی۔ مگر ذوق شہادت ان کو سفر کی تکلیفیں سہنے اور موت کے منہ میں جانے کیلئے برانگیختہ کر رہا تھا! یہ لوگ تنخواہ دار نہ تھے نہ مال غنیمت کی طمع رکھتے تھے۔ محض جوش جہاد۔ خدا کی خوشنودی اور ذوق شہادت انھیں کھینچے لئے جا رہا تھا۔

حجاج نے اس لشکر کے لئے تمام ضروریات فراہم کر دی تھیں یہاں تک کہ سوئی[1] اور دھاگے تک کا انتظام کر دیا تھا۔ جب سب تیاریاں مکمل ہو گئیں تب اس نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کی نماز پڑھ کر لشکر روانہ ہو گا۔

یہ اعلان چہارشنبہ کے روز کیا گیا۔ صرف ایک دن درمیان میں تھا۔ مگر یہ ایک دن ہی مجاہدین کے لئے شاق ہو رہا تھا۔ ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ جس قدر جلد ہو سکے کوچ کر دیا جائے اور اگر کسی طرح سے زمین کی طنابیں کھینچ جائیں تو وہ ایک ہی دو روز میں ملک ہند کے غربی حصہ پر جا کر جنگ شروع کر دیں اور یا تو وہ شہید ہو جائیں یا تمام ہندوؤں کو قتل کر کے اپنے مظلوم بھائیوں کو چھڑا لائیں اور جو لوگ اس مہم پر نہ جا رہے تھے وہ مجاہدین کی خدمت کر رہے تھے۔ ہر ہر شخص سے بار بار پوچھتے تھے کہ اُسے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے اور اگر کوئی بھولوں بھی کسی چیز کی فرمائش کر دیتا تھا۔ تو فوراً مہیا کر دی جاتی تھی۔

آخر جمعہ کا دن بھی آ ہی گیا۔ آج صبح سویرے ہی سے لوگ غسل کر کے کپڑے پہن کر جمعہ مسجد میں پہنچ گئے تھے۔ سارے مجاہدین بھی آ گئے تھے۔ محمد قاسم بھی آ گیا۔

جب نماز پڑھی جا چکی تو حجاج ممبر پر کھڑے ہوئے اور انھوں نے بلند آواز سے کہا۔

---

[1] از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۶

میں اپنے بھائی مجاہدوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں وہ سب کے سب آگے بڑھ آویں۔
چنانچہ مجاہدین منبر کے گرد آ بیٹھے۔ حجاج نے کہا میں کوئی تقریر کرنا نہیں چاہتا اور نہ تقریر کی ضرورت سمجھتا ہوں۔ صرف چند ہدایات کرنا مقصود ہیں۔ یہ تمام مسلمانوں کو خوب معلوم ہے کہ جو جنگ میں شہید ہو جاتا ہے وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے اور پروردگار عالم اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمائے ہیں کہ شہید مرتے نہیں ارشاد ہوتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ۝
ترجمہ (جو لوگ خدا کی راہ میں شہید ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں اور پروردگار ان کو رزق پہنچاتا ہے)
اس سے معلوم ہوا کہ شہید ہونے والے مرتے نہیں مگر ان کے خاکی جسم فناہ ہو جاتے ہیں۔
غرضیکہ جہاد میں شریک ہونے والے خواہ شہید ہو جائیں یا فتح یاب ہو کر لوٹ آئیں دونوں صورتوں میں جنت کے مستحق ہو جاتے ہیں ایک مسلمان کی اس سے زیادہ اور کیا خواہش ہو سکتی ہے کہ جنت کا حق دار ٹھیرا دیا جائے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو جہاد میں شریک ہوتے ہیں۔
تم اس ملک میں جارہے ہو جس میں مرد برہنہ اور عورتیں نیم برہنہ رہتی ہیں تمہیں عورتوں کی طرف مطلق توجہ نہیں کرنی چاہئے۔ جو شخص عورتوں کے دام فریب میں آگیا۔ وہ دین و دنیا دونوں کھو بیٹھا۔
ہندوستان میں لوگ پتھروں کی مورتوں اور سونے کے بتوں کو پوجتے ہیں نہ وہ خدا کو جانتے ہیں اور نہ اس کی پرستش کرتے ہیں تم ان سے دور ہی رہنا کہیں ان کی ہم نشینی تم کو خدا کی یاد سے غافل نہ کر دے۔
پانچوں وقت کی نماز پابندی کے ساتھ پڑھنا اور نفس امارہ کو مارنے کے لئے روزے رکھنا قرآن شریف کی کثرت سے تلاوت کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن شریف پڑھتا ہے وہ اللہ سے باتیں کرتا ہے اگر تم میں کسی بات پر اختلاف رائے ہو تو جس طرف کثرت ہو اس پر عمل کرنا۔
کسی گھر میں آگ نہ لگانا۔ کسی معبد کو نہ گرانا۔ کھیتی کو پامال نہ کرنا۔ عورتوں۔ بچوں۔ بڈھوں۔ بیماروں کو قتل نہ کرنا۔ نہ انہیں ستانا بلکہ ان کی مدد کرنا۔ ہر شخص کے ساتھ نہایت

اخلاق سے پیش آنا۔ امان مانگنے والوں کو امان دینا۔ میں یہ باتیں کچھ اپنی طرف سے نہیں کہ رہا ہوں بلکہ وہ ہدایات ہیں جو حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ اول اور حضرت فاروقؓ خلیفہ دوم مجاہدین کو کیا کرتے تھے۔ بس مجھ کو اسی قدر تم سے کہنا تھا۔ اب تم جاؤ اور سوار ہو کر کھڑے ہو تا کہ تم کو الوداع کہنے کے لئے پھر آؤں۔

تمام لوگوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا اور اٹھ اٹھکر روانہ ہونے لگے۔ حجاج اور محمد قاسم بھی اُٹھے اور محل میں گئے۔ یہاں حجاج کی بیوی یعنی محمد قاسم کی بھاوجہ نہایت بے صبری سے اس کے آنے کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اسے دیکھتے ہی لپکی اور اُسے اپنے بیٹے کی طرح سے اپنے سینے سے لگا کر پیار کیا۔ محمد قاسم کے والدین کا انتقال ہو چکا تھا۔ اس کے چچا زاد بھائی نے اس کی پرورش کی تھی اور اسی لئے حجاج کی بیوی اسے بیٹا سمجھتی تھی۔

محمد قاسم اپنے کمرے میں گیا اور مسلح ہو کر واپس آیا۔ اس کی بھاوجہ نے پھر اسے پیار کیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ بیٹا! خدا تجھے اس مہم میں کامیاب کرے۔ میری دعائیں تیرے ساتھ رہیں گی۔

محمد قاسم نے کہا۔ میں آپ کو اپنی والدہ سمجھتا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے بے جا ضدیں کی ہیں مگر آپ نے اور بھائی صاحب نے میری ضدوں کو پورا کیا ہے۔ مجھ سے غلطیاں ہوئی ہیں۔ میں نے ضدیں کر کر کے آپ کو تکلیفیں دی ہیں۔ میں اس وقت جہاد پر جا رہا ہوں۔ نہیں کہا جا سکتا کہ واپس آؤں گا یا نہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ آپ اور بھائی صاحب میری خطاؤں کو ازراہ کرم معاف کر دیں۔

"میرے لال! میں نے معاف کر دیا۔ اس کی بھاوجہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ حجاج کا بھی دل بھر آیا۔ اس نے کہا۔ میں نے بھی معاف کر دیا میرے بیٹے اب حجاج اور محمد قاسم دونوں چلے۔ محل سے باہر نکل کر گھوڑوں پر سوار ہوئے اور چھاونی میں آئے۔ یہاں تمام لشکر تیار کھڑا تھا۔ ان کا سامان پہلے ہی سے روانہ ہو چکا تھا۔ حجاج نے خیرات تقسیم کرنا شروع کی۔ اس قدر صدقات دیئے کہ غربا مالا مال ہو گئے۔

اب حجاج نے تین نعرے اللہ اکبر کے لگائے۔ فوراً سواروں نے اسلامی علموں کے پھریرے کھول دیئے۔ جو ہوا میں لہرانے لگے اور سب نے مل کر اللہ اکبر کا فلک بوس نعرہ لگایا اور نعرہ

لگاتے ہی لشکر نے حرکت شروع کی اور سوار آہستہ آہستہ سے بڑھنے لگے۔

نعرے کی آواز سنتے ہی تمام بصرہ والوں کو لشکر کی روانگی کی اطلاع ہو گئی اور وہ دوڑ دوڑ کر ان کی زیارت کرنے کے لئے آنے لگے۔ حجاج نے محمد قاسم سے کہا۔ دیکھو۔ تم یہاں سے ایران کی سرحد میں سے ہوتے ہوئے شیراز جانا۔ وہاں دو روز قیام کر کے مکران میں داخل ہونا اور مکران کو عبور کر کے دیبل کے سامنے جا پہنچنا۔ وہاں جا کر اس وقت تک ٹھہرنا۔ جب تک میں جہاز کو نہ بھیجوں اور وہ جہاز تمہارے پاس پہنچیں۔

میں نے یہ انتظام کر دیا ہے کہ جہاں تک تمہارا لشکر جائے دو دو سوار ہر پانچ میل کے فاصلے پر ٹھہرے رہیں اور جب تم خط بھیجو تو ان میں سے ایک سوار وہیں رہے اور دوسرا سوار دوڑ کر دوسری چوکی والے کو خط دیدے اور دوسرا تیسری والے کو۔ غرضیکہ وہ خط دست بدست ہوتا ہوا میرے پاس پہنچ جائے اور اسی طرح سے میرا خط تمہارے پاس پہنچتا رہے۔ تم روزانہ تمام حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔

محمدؒ قاسم نے بہت اچھا کہا اور سلام کر کے روانہ ہو گیا۔ یہ لشکر جس راستہ سے بھی گزرا۔ مرد اور بچے خوش ہو ہو کر نعرے لگاتے رہے اور عورتیں پھولوں کی بارش کرتی رہیں۔ آخر بصرہ سے نکل کر شیرانِ اسلام ایران کی طرف روانہ ہوئے۔



باب ۱۳

"غمگین قیدی"

بدبخت راجہ داہر طاہرہ کو اور لے کر پہنچ گیا تھا۔ اس نے تمام راستہ اسے پھسلانے اور ورغلا کر اسے ہموار کرنے کی کوشش کی تھی۔ مگر طاہرہ نے اس سے بات تک نہ کی تھی۔ راجہ داہر عربی زبان سے بالکل ناواقف تھا اور طاہرہ کی مادری زبان عربی ہی تھی۔ مگر وہ کئی سال سراندیپ میں رہی تھی۔ اس لئے ہندوؤں کی زبان سے بھی واقف ہوگئی تھی اور بڑی فصاحت سے اس زبان میں بھی گفتگو کر سکتی تھی۔ مگر راجہ داہر سے اسے نفرت تھی اور نہ صرف داہر سے بلکہ ہر ہندو سے۔ اس لئے وہ ان میں سے کسی سے بھی بات تک نہ کرتی تھی۔

جب وہ اور پہنچا تو اس نے طاہرہ کو راج محل کے ایک پر تکلف کمرے میں جا ٹھہرایا اور کئی ایک کنیزیں اس کی خدمت پر مامور کر دیں۔ نیز ایک بڑھیا کو بھی اسے سمجھانے یا بہکانے پر مقرر کر دیا۔

اسی دوران میں حجاج کا سفیر ہارون آیا اور راجہ نے اسے نہایت مغرورانہ جواب دے کر رخصت کر دیا۔ غم نصیب طاہرہ کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی اور اگر خبر بھی ہوتی تب بھی وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ اسے راج محل سے باہر آنے کی اجازت نہ تھی۔

داہر نے اس کے لئے بیش بہا جواہرات کے زیورات اور بیسیوں ریشمین ساڑھیاں اور شلوکے بھیج دیئے تھے۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح سے اسے ممنون بنا کر اپنے ڈھب پر لگالے۔ لیکن وہ نہ جانتا تھا کہ مسلمان عورت، یا مرد۔ لڑکا ہو یا لڑکی حریص نہیں ہوتے اور کسی قیمت پر بھی اپنی آبرو نہیں دیتے۔

حقیقت یہ ہے کہ عورت کا جوہر۔ اس کی آب عصمت ہی ہے شریف عورتیں مر جاتی ہیں۔ لیکن عصمت پر دھبہ نہیں آنے دیتیں۔ عصمت مآب عورتوں سے خدا اور خدا کا رسولؐ

خدا کے فرشتے سب خوش رہتے ہیں اور دنیا ان کو عزت سے دیکھتی ہے اور جو عورتیں عصمت جیسا نایاب گوہر کھو دیتی ہیں ان سے خدا اور اس کا رسولؐ ناخوش ہو جاتے ہیں اور فرشتے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔

دنیا الگ ان کو بری نظروں سے دیکھتی ہے بلکہ وہ خود بھی اپنی نظروں میں حقیر ہو جاتی ہیں۔

طاہرہ پیکر عصمت تھی۔ وہ جواہرات۔ موتیوں۔ گوہر اور لعل و یاقوت کو اپنی عصمت کے سامنے بے حقیقت سمجھتی تھی۔

چنانچہ اس نے نہ زیورات کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھا اور نہ کپڑوں ہی کی طرف نظر بھر کر دیکھا ہر چند کنیزوں نے اسے سمجھایا اُسے کپڑے بدلنے اور زیورات استعمال کرنے کے لئے کہا۔ مگر اس نے انکار کر دیا اور نہایت استقلال سے اس انکار پر ڈٹی رہی۔

وہ ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانا بھی پسند نہ کرتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ تمام ہندو بتوں کی پرستش کرتے ہیں۔ مشرک ہیں۔ خدا کی کوئی بھی پوجا نہیں کرتا اور پروردگار عالم مشرکوں کو نجس قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (مشرک ناپاک ہیں) ناپاک شخص کی تیار کی ہوئی چیز بھی ناپاک ہی ہوتی ہے۔

اس لئے اس کا جی ان کے ہاتھوں سے تیار کی ہوئی چیزوں کے کھانے کو نہ چاہتا تھا لیکن وہ مجبور تھی۔ اگر اُسے خشک رسد دے دی جاتی تو وہ خود تیار کر لیا کرتی۔ مگر خشک چیزیں اُسے نہ دی جاتی تھیں اور وہ بالامر مجبوری بڑی کراہت کے ساتھ ان کے ہاتھ کا تیار کیا ہوا کھانا کھاتی تھی۔

ہندو راجہ کے محل میں آکر بھی اس نے ایک وقت کی بھی نماز قضا نہ ہونے دی۔ جب نماز کا وقت ہوتا۔ وضو کر کے نماز پڑھ لیتی۔ باندھیاں اُسے حیرت سے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتی

جب کئی روز ہو گئے اور طاہرہ راجہ کی مرضی پر چلنے کو تیار نہ ہوئی۔ تو اس نے رانی لاڈو کو اسے ہموار کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ رانی لاڈو نہایت نیک۔ بھولی اور صاف گو اور اس کے ساتھ نہایت خوب صورت بھی تھی۔

وہ طاہرہ کی ہم عمر تھی۔ ایک روز وہ بیش قیمت پوشاک اور لاکھوں روپے کی مالیت کے زیورات پہن کر طاہرہ سے ملنے کے لئے گئی۔ اس نے پہلے طاہرہ کو نہ دیکھا تھا۔ البتہ سنا

ضرور تھا کہ اس کے پتی (شوہر) ایک مسلمان لڑکی کو لائے ہیں اور اُسے رنواس (شاہی محل) میں ٹھہرایا ہے۔

چونکہ یہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اکثر سندھ کی حسین لڑکیاں راج محل میں داخل ہوتی رہتی تھیں اس لئے اُسے کچھ تعجب نہ ہوا۔ جب وہ طاہرہ کے کمرے کے قریب پہنچی تو اس نے اُسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ رانی لادی تو کیا کسی ہندو نے بھی اس وقت تک کسی مسلمان کو نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھا تھا۔ اسے بڑی حیرت ہوئی اور وہ ٹھٹھک کر کھڑی ہو گئی اور متعجب نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس نے باندھیوں سے دریافت کیا یہ کیا کر رہی ہے؟

ایک باندھی نے جواب دیا۔ نماز پڑھ رہی ہے۔

لادی نے حیرت سے باندھی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ نماز کیا۔

باندھی۔ خدا کی عبادت کر رہی ہے۔

لادی۔ واہ واہ! اور اس کے آگے نہ پتھر کا خدا ہے نہ سونے کا۔ جب کوئی مورتی ہی نہیں ہے تو یہ سجدہ کسے کر رہی ہے۔

لادی۔ حضور یہ مسلمان ہے۔ مورتی پوجن (بت پرستی) کو برا بتاتی ہے۔

باندھی۔ اس لئے اس سے دیوی اور دیوتا ناراض ہو گئے ہیں اور اسے قید و بند کی تکلیفیں اٹھانے کے لئے یہاں بھیجدیا ہے۔

چونکہ باندھی طاہرہ کے پاس رہتی تھی اس لئے وہ خدا پرستی کے متعلق بہت کچھ واقف ہو گئی تھی اور جب صبح کے وقت طاہرہ قرآن شریف پڑھتی تھی۔ تو وہ اور اس کے ساتھ دوسری تمام باندھیاں نہایت سکوت سے بیٹھ کر سنا کرتی تھیں۔

باندھی نے کہا۔ حضور یہ صبح کے وقت کچھ پڑھا کرتی ہے جو کہ نہایت ہی بھلا معلوم ہوتا ہے۔

لادی۔ کیا پڑھا کرتی ہے؟

باندھی۔ یہ کہتی تھی کہ وہ خدا کا کلام ہے اس کا نام قرآن شریف ہے۔

لادی نے ہنس کر کہا۔ ان مسلمانوں کو یہی خبط ہے۔ میں بھی کسی روز ضرور سنوں گی۔

اب طاہرہ نماز پڑھ چکی۔ جب وہ دعا مانگ کر اٹھی اور اس نے لادی کو دیکھا تو حیران رہ گئی۔

حیرت کی بات بھی تھی۔ رانی لادی نے اپنی لمبی لمبی زلفوں کے ہر بال میں چھوٹے چھوٹے سچے موتی جو بالکل سفید تھے پروئے ہوئے تھے اور جواہرات کے چھوٹے بڑے ہار گلے سے لے کر ناف تک پہنے ہوئے تھے یعنے یہ ہار چھوٹے اور پھر بڑے اس قدر تھے کہ اس کی صراحی دار گردن۔ گداز سینہ اور سارا پیٹ ان سے ڈھکا ہوا تھا۔

اس کے بازو برہنہ تھے۔ ان میں بھی بازو بند اور دوسری چیزیں بندھی ہوئی تھیں۔ یہ تمام زیورات نہایت خوشنما ساڑھی کے اوپر تھے۔ ایک تو رانی لادی تھی ہی حسین دوسرے اچھی پوشاک اور چمک دار زیورات پہنے تھی اس لئے اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھی۔

جواہرات کی ضو سے اس کا چہرہ جگمگا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں رسیلی تھیں۔ وہ طاہرہ کی طرف مسکراتے ہوئے بڑھی، طاہرہ ابھی تک آئینہ وار حیران کھڑی تھی۔ ایک باندھی نے طاہرہ سے کہا، مسلمان کینا (مسلمان لڑکی) یہ سب سے چھوٹی رانی ہے تم سے ملنے کے لئے آئی ہے۔

طاہرہ بھی اس کی طرف بڑھی اور اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رانی صاحبہ! خوش آمدید! لادی اس کے قریب پہنچکر رکی اور اُسے نہایت غور سے دیکھنے لگی۔ طاہرہ جو کپڑے پہن کر راج محل میں آئی تھی۔ ابھی تک وہی کپڑے پہنے ہوئے تھی۔

اگرچہ کپڑے میلے ہو گئے تھے۔ مگر ان مل گیجے کپڑوں میں بھی وہ بیحد حسین معلوم ہو رہی تھی۔ اس کے پریشان گیسو پیشانی اور گالوں پر بکھرے پڑے تھے اور ان سیہ بالوں نے اس کی صورت کو اور چمکا دیا تھا۔

لادی نے طاہرہ سے کہا۔ اے سندر صورت والی لڑکی! میں تجھے دیکھکر بہت خوش ہوئی ہوں۔

طاہرہ نے کہا۔ یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کی زیارت ہو گئی۔

سندری (حسینہ) تجھے یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ہے۔

رانی صاحبہ! یہ تکلیف کیا کم ہے کہ مجھے پریشان کیا جاتا ہے۔

طاہرہ کے لئے کئی مسندیں فراہم کی گئی تھیں۔ جن میں کچھ کمرے کے اندر اور کچھ باہر ہر وقت بچھی رہتی تھیں۔ مگر وہ خدا کی بندی ان مسندوں پر نہ بیٹھتی تھی بلکہ معمولی چادریں بچھا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

رانی لادی بڑھکر ایک مسند پر تکیہ کے سہارے سے بیٹھ گئی۔ اس نے طاہرہ سے کہا

آؤ تم بھی میرے پاس بیٹھ جاؤ۔ مسند کے پاس ایک چادر بچھی تھی۔ چادر پر بیٹھتے ہوئے طاہرہ نے کہا ہم مسلمان ان تکلفات کو پسند نہیں کرتے۔

لادی۔ تمہارا کیا نام ہے سندری؟

طاہرہ۔ میرا نام طاہرہ ہے۔

لادی۔ تم کیسے یہاں آگئیں؟

طاہرہ نے افسردگی کے لہجہ میں کہا قسمت کھینچ لائی اس کے بعد اس نے مختصر طور پر تمام واقعہ سنا دیا۔ لادی نے دلدہی کرتے ہوئے کہا کچھ فکر نہ کرو۔۔۔

طاہرہ نے قطع کلام کرتے ہوئے آہ سرد بھر کر کہا۔ فکر کرنے ہی سے کیا ہوتا ہے ہم مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ خدا نے جو کچھ جس کسی کی قسمت میں لکھ دیا ہے اسے وہ پیش آتا ہے۔

لادی۔ بالکل ٹھیک خیال ہے تمہارا۔۔۔ طاہرہ! تمہارے کپڑے میلے ہو رہے ہیں۔

طاہرہ۔ کیا کروں میرے پاس اور کپڑے کہاں ہیں جو بدل لوں۔

لادی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا تمہارے لئے کپڑے نہیں بھیجے گئے؟ باندھی نے کہا حضور بیسیوں ساڑھیاں اور شلوکے ایک سے ایک اچھے رکھے ہیں مگر یہ بدلیں بھی۔

لادی نے طاہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کیوں نہیں پہن لیتی ہو تم؟

طاہرہ۔ میں مسلمان ہو کر غیر مسلموں کے سے کپڑے کیسے پہن لوں۔

لادی۔ کیا برائی ہے اس میں۔

طاہرہ۔ مسلمانوں کو ممانعت کی گئی ہے کہ وہ کفار کی وضع قطع اختیار نہ کریں نہ ان کا سا لباس پہنیں۔

لادی۔ پھر تمہارے لئے کیا انتظام کیا جائے؟

طاہرہ۔ اگر مجھے کپڑے دے دیئے جائیں تو میں خود سی لوں۔

لادی۔ اچھا! میں کپڑے بھیج دوں گی۔

اب آفتاب غروب ہونے لگا تھا رانی لادی اٹھی۔ اس نے کہا طاہرہ مجھے تم سے

محبت ہو گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ تم میرے پاس ہی رہو۔

طاہرہ۔ ایک شرط سے۔

لادی۔ وہ شرط کیا ہے؟

طاہرہ۔ اقرار کرو کہ تم مجھ کو دھوکہ نہ دو گی۔

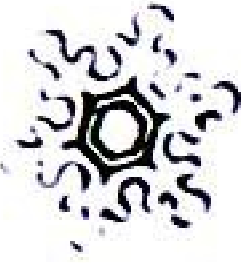
لادی۔ اقرار کرتی ہوں کہ کبھی تم کو دھوکہ نہ دوں گی

طاہرہ۔ مجھے منظور ہے۔

لادی۔ بس تو آؤ ابھی چلو۔

طاہرہ۔ چلیے۔

لادی نے باندھی سے کہا، تم اس کا تمام سامان، کپڑے اور زیورات سب وہیں لے آؤ۔ باندی نے سر جھکا کر کہا بہت اچھا! اب رانی لادی طاہرہ کو لے کر اپنے کمروں کی طرف روانہ ہوئی۔



باب ۱۴

"راجہ نیرون"

محمد بن قاسم بارہ ہزار شیران اسلام کو ساتھ لے کر روانہ ہوا تھا۔ حجاج نے اسے حکم دیا تھا کہ وہ خشکی کے راستے سے ایران ہو کر مکران اور پھر وہاں سے دیبل پہنچے اور سمندر کے کنارے پر ٹھیر کر ان جہازوں کے آنے کا انتظار کرے جن میں منجنیقیں آنے والی ہیں۔

چنانچہ محمد قاسم عراق سے گزر کر ایران میں پہنچا اور کئی روز شیراز میں ٹھہرا۔ جب مجاہدوں نے آرام کر لیا تو وہاں سے روانہ ہوا اور مکران میں پہنچ گیا۔

مکران میں بھی ایک اسلامی گورنر رہتا تھا۔ گویا اس طرف مکران ہی سرحدی صوبہ تھا۔ یہاں کے گورنر کو اس لشکر کے آنے کی پہلے ہی سے اطلاع ہو چکی تھی اور اس نے دیبل تک رسد بہم پہنچانے کا انتظام کر دیا تھا ہوا اور اس نے تمام مجاہدین کی بڑی خاطر و مدارات کی کئی منزل تک وہ اس لشکر کے ساتھ ساتھ آیا۔

آخر سرحد پر آکر رخصت ہو گیا۔ اب اسلامی لشکر ارمابیلہ کی طرف بڑھا۔ ان شیران اسلام کے آنے کی خبر ارمابیلہ۔ دیبل۔ نیرون وغیرہ میں عام ہو گئی۔ ارمابیلہ ہی سے سندھ کی سرحد شروع ہو جاتی ہے۔

یہاں ایک قلعہ تھا اور اس قلعہ میں داہر کی طرف سے ایک حاکم رہتا تھا۔ جو کہ سرحد کی حفاظت پر مامور تھا۔

جس وقت اسے اطلاع ہوئی کہ مسلمانوں کا لشکر انتقام لینے کے لئے بڑے جوش و خروش سے آرہا ہے تو اس پر غازیان اسلام کا رعب طاری ہو گیا اور جب کہ ابھی اسلامی لشکر دور ہی تھا۔ وہ تمام لشکر اور ساری رعایا کو وہاں سے لے کر بھاگ کھڑا ہوا۔ جب شیران اسلام ارمابیلہ کے قلعے کے سامنے پہنچے تو انھوں نے اس کا محاصرہ کر لیا۔

انھیں کیا خبر تھی کہ قلعہ خالی پڑا ہے۔ چونکہ قلعے کا دروازہ بند تھا۔ اس لئے وہ دھوکہ میں رہے۔

مگر جب قلعہ کی فصیل پر کسی کو نہ دیکھا تو محمد قاسم کو سخت تعجب ہوا پھر بھی وہ یہ سمجھا کہ شاید قلعہ والے اُسے فریب دینا چاہتے ہیں اور وہ کہیں کمین گاہ میں چھپے ہوئے ہوں۔

چنانچہ احتیاط کے طور پر اس نے ایک شب قلعے پر حملہ نہ کیا۔ دوسرے روز صبح کی نماز پڑھتے ہی کچھ لشکر لے کر حملہ کرنے کے ارادے سے بڑھا قلعہ میں تھا ہی کون جو ان کی مزاحمت کرتا۔

یہ لوگ بڑھکر دروازے کے سامنے پہنچے۔ محمد قاسم نے خود بڑھکر دروازے کو دھکا دے کر کھول دیا اور اللہ اکبر کا نعرہ مار کر قلعہ کے اندر داخل ہوا۔

پیچھے ہی لشکر بھی پہنچا۔ اندر جا کر دیکھنے پر معلوم ہوا کہ تمام قلعہ خالی تھا۔ نہ لشکر تھا نہ عام آدمی تھے۔ گویا کچھ بھی نہ تھا۔

محمد قاسم نے کہا معلوم ہوتا ہے کہ دشمنوں پر ہمارا رعب طاری ہو گیا ہے اور اسی وجہ سے وہ قلعہ چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔

ایک افسر نے کہا۔ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔

محمد قاسم۔ یہ خدا کی مہربانی ہے اس نے یہ قلعہ بغیر خونریزی کے ہی فتح کرا دیا ہے۔ گویا مسلمانوں پر خاص احسان کیا ہے۔

افسر۔ اور اس لئے ہم پر اس کا شکر واجب ہے۔

محمد قاسم۔ بے شک! اچھا جاؤ۔ اب واپس چلو یہاں ٹھہرنا بے سود ہے

افسر۔ چلئے۔

اب تمام لشکر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ جس وقت یہ لوگ اپنے کیمپ میں پہنچے اسی وقت ایک سوار حجاج کا خط لایا۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ حجاج نے پانچ پانچ میل کے فصل سے ایک ایک منزل مقرر کر کے ہر منزل پر دو دو سوار متعین کر دیئے تھے۔ جو ڈاک لاتے اور لے جاتے تھے۔

چنانچہ حجاج کے حکم کے بموجب محمد قاسم روزانہ خط بھیجتا تھا اور روزانہ ہی حجاج کا خط آیا تھا۔ محمد قاسم اپنے خیمے کے سامنے فرش پر بیٹھ گیا اور اس نے خط کو کھول کر پڑھا لکھا تھا۔

میرے پیارے عزیز

جوں جوں تم دشمنوں کے ملک میں گھستے جاؤ بہت زیادہ احتیاط کرتے رہو ہندی لوگ زیادہ چالاک ہوتے ہیں کہیں وہ تم کو یا تمہارے لشکر کو اپنی چالاکی سے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔ تم دیبل کے قریب سمندر کے کنارے پر جا کر رک جاؤ اور اس وقت تک انتظار کرو۔ جب تک وہ جہاز جن میں منجنیقیں بار ہیں تمہارے پاس نہ پہنچ جائیں۔

دیبل میں پہنچ کر وہاں کا مفصل نقشہ میرے پاس بھیج دو اور میری ہدایات کا انتظار کرو۔ نیرون کے راجہ سامنی نے اپنی سفارت بھیجی ہے اور اس نے مصالحت کرلی ہے تم کو اس کی اطلاع اس لئے دی جاتی ہے کہ جب دیبل فتح کرکے تم نیرون کی طرف بڑھو تو احتیاط رکھو کہ اس کی حدود سلطنت میں کسی کو قتل نہ کرو۔ اور نہ اس کے قلعے پر حملہ کرو۔

اس نے وعدہ کیا ہے کہ وہ نیرون سے سوستان تک ہر منزل میں تمہارے اور تمہارے لشکر کے لئے رسد کا انتظام کر دے گا۔ اس شرط پر اس سے مصالحت کی گئی ہے۔

نماز ایک وقت کی بھی قضا نہ ہونے دینا۔ دعائیں مانگتے رہو لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (سوائے خدا کے اور کسی کو کوئی طاقت نہیں ہے) کی تسبیحیں پڑھو۔ خدا سے فتح کی توقع رکھو۔ انشاء اللہ خدا ضرور فتح دے گا اور تمام مجاہدوں سے میرا سلام کہہ دو۔

(حجاج)

محمد قاسم نے اسی وقت تمام لشکر کو جمع کرکے حجاج کا خط سنا دیا اور فوراً ہی جواب لکھ کر بھی بھیج دیا۔ اگلے روز یہ لشکر ارمابیلہ سے روانہ ہوگیا۔

چونکہ اب وہ دشمنوں کے ملک میں بڑھ رہے تھے اس لئے بموجب فرمان خلیفہ ہر ممکن احتیاط سے کام لیا جا رہا تھا۔ مکران کے گورنر نے رسد کا ایسا معقول انتظام کر دیا تھا کہ ہر منزل میں لشکر کے پہنچنے سے پہلے رسد کے چھکڑے پہنچ جاتے تھے اور اس سے اسلامی لشکر کو بڑا آرام پہنچتا تھا۔ ارمابیلہ سے آگے بڑھ کر ایسا جنگل شروع ہوا جس میں اس کثرت سے

درخت گھڑے تھے کہ ان کے نیچے ہر وقت اندھیرا رہتا تھا اور ہزار کوشش کرنے پر بھی آفتاب کی شعاعیں زمین تک نہ پہنچتی تھیں۔

چونکہ راستہ اسی جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لئے درختوں کو کاٹ کر راستہ بنانا پڑتا تھا اور اس وجہ سے لشکر کے کوچ کی رفتار سست ہو گئی تھی۔ مگر مجاہدین اسلام کو ایسا جوش تھا کہ وہ درختوں کو گراتے اور راستے کو صاف کرتے ہوئے بڑھے چلے جا رہے تھے۔

کہیں کہیں انہیں آبادی بھی ملی۔ مگر بالکل ویران اور ایک متنفس تک بھی اس میں آباد نہ تھا۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مسلمانوں کے آنے کی خبر سنتے ہی بھاگ گئے تھے اور آبادیوں کو ویران کر گئے تھے۔

اس دشوار گزار جنگل کو طے کر کے یہ لوگ کھلے ہوئے میدان میں پہنچے چونکہ اب عصر کا وقت ہو گیا تھا۔ اس لئے وہاں انہوں نے قیام کر دیا۔ جبکہ خیمے نصب کئے جا رہے تھے اس وقت چند ہندو سوار گھوڑے دوڑائے آتے نظر آئے تمام مسلمان ان کو دیکھنے لگے ان میں سے ایک بیش قیمت زیورات پہنے ہوئے تھا اور باقی معمولی دھوتیاں کئے ہوئے تھے۔ جب وہ قریب آئے تو ان میں سے ایک شخص نے دریافت کیا۔ تمہارا سردار کہاں ہے؟ لوگوں نے محمد قاسم کی طرف اشارہ کیا۔ وہ سوار اس کی طرف بڑھے۔

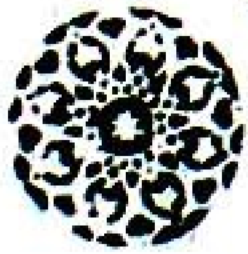
اس عرصہ میں محمد قاسم نے فرش کرا لیا تھا۔ سوار اس کے قریب جا کے اور گھوڑوں سے اتر کر فرش پر جا بیٹھے۔ وہ حیرت سے محمد قاسم کو دیکھ رہے تھے ان کا خیال تھا کہ مسلمانوں کا سردار کوئی معمر شخص ہو گا۔ معمر نہ سہی تو ادھیڑ عمر کا ضرور ہو گا۔ لیکن جب دیکھا تو وہ ایک نو عمر لڑکا تھا۔ آنے والوں میں سے ایک شخص نے کہا۔ کیا آپ ہی اس لشکر کے سردار ہیں؟ محمد قاسم نے جواب دیا میں سردار نہیں بلکہ اس لشکر کا خادم ہوں۔

وہی شخص۔ ہمارے راجہ سامنی ہیں نیرون کے راجہ۔ انھوں نے آپ کے والسرائے حجاج سے صلح کر لی ہے شاید آپ کو ابھی یہ باتیں نہ معلوم ہوئی ہوں۔

محمد قاسم۔ مجھے معلوم ہو گیا ہے۔

اب سامنی نے کہا میں اس لئے حاضر ہوا ہوں تاکہ آپ کو یہ بتا دوں کہ دیبل پر داہر نے کافی لشکر بھیج دیا ہے اول تو وہ قلعہ ہی نہایت مضبوط ہے دوسرے لشکر زیادہ آ گیا ہے اس لئے اس کا فتح ہونا آسان نہیں ہے اس کے علاوہ وہ اس فکر میں ہیں کہ شب خون مار کر

آپ کے لشکر کو سراسیمہ اور پراگندہ کر دیا جائے۔ لہذا آپ کو ہوشیاری سے کام لینا چاہیئے
محمد قاسم۔ میں آپ کی اس اطلاع دہی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔
مجھے راجہ داہر نے طلب کیا ہے اور میں وہاں ضرور جاؤں گا غالباً اس نے اپنے تمام محکوم راجاؤں کو مدعو کیا ہے اغلب ہے کہ اس کا ارادہ تمام راجاؤں کا لشکر فراہم کر کے انقطاعی جنگ کرنے کا ہے۔
محمد قاسم۔ اسے اپنے لشکر پر بھروسہ ہے اور ہمیں خدا پر!
سامنی۔ اصل بھروسہ صرف خدا ہی کا ہوتا ہے میرا خیال ہے کہ آپ ضرور کامیاب ہوں گے۔
محمد قاسم۔ انشاء اللہ۔
سامنی۔ میں شکار کھیلنے کے بہانہ سے آیا تھا۔ آپ سے ملنا چاہتا تھا مل لیا۔ اب اجازت دیجئے۔
محمد قاسم۔ آج قیام کرتے تو اچھا تھا۔
سامنی۔ اس وقت مناسب نہیں ہے۔
محمد قاسم۔ جیسے آپ کی مرضی۔
سامنی اٹھا اور اس کے ساتھ ہی اس کے ہمراہی بھی اٹھے وہ محمد قاسم کو سلام کر کے چلے گئے۔ رات کو ٹھہر کر دوسرے روز صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی مسلمانوں نے دیبل کی طرف کوچ کر دیا۔



باب ۱۵

مسلم قیدی کی جرأت

مظلوم ویسے کس قیدیوں کو برج کے تہ خانہ میں بند کر دیا گیا اور اپی کو ان کی حفاظت و نگرانی تفویض کر دی گئی تھی۔ اس میں شک نہیں کہ اپی نیک دل انسان تھا۔ لیکن پنڈت و اعلیٰ طبقہ کے ہندو شودروں اور اچھوتوں (نیچ ذاتوں بھنگی۔ چمار۔ کولی۔ دھوبی وغیرہ) سے اس درجہ بچتے تھے کہ کیا مجال جو ان کا سامنا بھی ہو جائے۔

اگر کوئی پنڈت یا کوئی معزز ہندو کسی راستہ سے گزرتا ہوتا اور اتفاق سے کوئی اچھوت بھی آنکلتا تو اچھوت کے لئے لازم تھا کہ وہ راستہ چھوڑ کر اتنی دور جا کر کھڑا ہو کہ اس کی صورت اچھی طرح سے نظر نہ آئے اور پنڈت کی طرف سے اپنی پشت کرلے۔ منہ اس کی طرف نہ کرے اور جب وہ گزر جائے تب خود چلے۔ اگر کوئی بدبخت اچھوت اس کے برخلاف کرتا تھا تو اسے سزائے موت دی جاتی تھی۔ ہندو اور پنڈت مسلمانوں کو بھی ایسا ہی سمجھتے تھے اور اس وقت بھی سمجھتے ہیں۔ کیا مجال ہے کہ کوئی ہندو کسی مسلمان کے برتن یا کھانے پینے کی چیز کو چھو دے۔

مگر آج کل کے مسلمان ایسے بے حس ہو گئے ہیں کہ وہ اپنی اس ذلت کی پرواہ تک نہیں کرتے۔ اگر سودا لیں گے تو ہندو سے جس کے قریب بھی کھڑے نہیں ہو سکتے۔ بھنگی کی طرح سے الگ کھڑے رہتے ہیں اور ہندو دوکاندار اس طرح سے سودا دیتا ہے کہ اس کا ہاتھ میاں جی کے ہاتھ کو تو کیا میاں جی کے ہاتھ کی ہوا تک بھی اس کے ہاتھ کو نہ لگ جائے۔

کیا ہمارے لئے یہ قابل شرم بات نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہیں اور اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ ہم سے زیادہ پاکیزگی اور طہارت کے ساتھ کوئی قوم نہیں رہتی اور اس کو بھی مانتے ہیں کہ ہندو مشرک ہیں اور مشرکوں کے لئے خدا کا ارشاد اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ (مشرک ناپاک اور نجس ہوتے ہیں)۔

ہم ایک اس شخص سے جو ہمارے عقیدہ کے مطابق ناپاک ہے چیز لے کر کھانا مناسب سمجھتے ہیں اور اپنے بھائی مسلمانوں سے خریدنا برا سمجھتے ہیں۔

حالانکہ ایک ناپاک شخص کے ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز بھی ناپاک ہی ہوگی اور کیا ناپاک چیز کا کھانا جائز ہے؟

مت خیال کرو اس بات کا کہ مسلمان کم دیتے ہیں یا چیز اچھی نہیں دیتے تم کم اور بری چیز ہی لو وہ پاک تو ہوگی۔ اس سے ایمان جانے کا خطرہ تو نہ ہوگا۔

یاد رکھو! اگر تم کسی مسلمان سے سودا خرید کر اسے فائدہ پہنچاؤ گے تو وہ کبھی نہ کبھی کسی اسلامی تحریک میں چندہ دے کر قوم کو فائدہ پہنچائے گا اور اگر غیر مسلم کو دوگے تو کبھی وہ تم کو ایک پیسہ تک بھی نہ دے گا۔ بلکہ تمہارے اور تمہاری قوم کے خلاف اس روپے کو استعمال کرے گا۔

آنکھیں کھول کر دیکھو آج بھی یہی ہو رہا ہے۔ اس سے تم اپنی قوم کو بھی نقصان پہنچاتے ہو اور خدا کو بھی ناخوش کرتے ہو۔ تہیہ کر لو اس بات کا کہ مسلمانوں ہی سے ہر چیز خریدا کرو گے۔

چونکہ ابی بھی ایک پنڈت تھا۔ اس لئے وہ بھی مسلمانوں سے اسی طرح سے پرہیز کرتا تھا۔ جیسے کہ وہ بھنگیوں اور چماروں سے پرہیز کرتا تھا۔

مگر باوجود اس کے بھی وہ مسلمانوں کے ساتھ نہایت لطف و مہربانی سے پیش آتا تھا اور ان کو حتی الامکان کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دیتا تھا۔ لہذا مسلمان بھی اس کے ممنون و مشکور تھے۔

جب ایک روز وہ مسلمانوں کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ ایک طرف نہایت سکوت سے بیٹھ گیا اور جب وہ نماز سے فارغ ہو گئے تب اس نے کہا۔

یہ تمہارے نماز پڑھنے کا طریقہ میری سمجھ میں نہیں آیا ہے آخر تم کسے سجدہ کرتے ہو۔؟

ان میں سے ایک بڈھے کا نام زید تھا۔ اس نے کہا۔ ہم خدائے لم یزل کو سجدہ کرتے ہیں۔

ابی۔ مگر خدا کی صورت یا تصویر کہاں ہے؟

زید۔ چونکہ خدا کو کسی نے نہیں دیکھا اس لئے اس کی شبیہہ کون بنا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خدا مجسم نہیں ہے اور وہ ایک پیکر نور ہے۔

ابی۔ ہم لوگ اسی وجہ سے خدا کی مورت سامنے رکھ کر اس کی پرستش کرتے ہیں۔

زید۔ لیکن کیا کوئی شخص وثوق سے کہہ سکتا ہے کہ خدا ایسی ہی صورت کا ہے۔

جیسی کہ تصویریں تم نے بنالی ہیں؟

ابی۔ ہمارے بزرگوں نے دیکھا ہی ہوگا۔

زبیر۔ سنو خدا کو کسی نے نہیں دیکھا ہے نہ خاکی پتلوں کی اس قدر مجال ہے کہ وہ ان ظاہری آنکھوں سے اسے دیکھ سکیں۔ خدا کی ایسی صورت نہیں ہے جیسی کہ تم نے یا تمہارے بزرگوں نے بنالی ہے، یہ سب خیالی تصویریں ہیں اور محض اپنے نفس کو دھوکہ دینے کیلئے گھڑی گئی ہیں۔

ابی۔ خیر میں مذہبی مباحثوں میں پڑنا نہیں چاہتا۔ اس وقت میں صرف ایک بات کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔

زبیر۔ کیا؟

ابی۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلامی لشکر کسی لڑکے کی سرکردگی میں خشکی کے راستے سے آرہا ہے۔

یہ بات سن کر تمام مسلمانوں کے چہرے فرط مسرت سے چمک اٹھے اور بے ساختہ ان کی زبان سے نکلا۔ خدا کا شکر ہے . . . .

. . . . ہماری توقعات شرمندۂ تکمیل ہوئیں۔

ابی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے دریافت کیا۔ کیا تم کو یقین تھا کہ مسلمان یورش کریں گے۔

زبیر۔ ایسا ہی جیسا کل صبح آفتاب کے نکلنے گا۔

ابی۔ کس وجہ سے یقین تھا۔

زبیر۔ اس لئے کہ ہم مسلمان یہاں قید میں پڑے ہیں۔

ابی۔ گویا وہ تم کو رہائی دلانے کے لئے آرہے ہیں۔

زبیر۔ اس کے سوا ان کے آنے کی اور کوئی وجہ نہیں ہو سکتی۔

ابی۔ خیر وہ کسی وجہ سے آرہے ہوں۔ مگر آرہے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کے ساتھ لشکر بہت کم ہے۔

زبیر۔ کس قدر ہے؟

ابی۔ معلوم ہوا ہے کہ صرف چھ ہزار ہے۔

زبیر۔ اس ملک کے لئے اتنا لشکر کافی ہے۔

ابی نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا کہ قدموں کی چاپ سنائی

دی۔ سب نے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ ان کو سمنی اور اس کے سپاہی ننگی تلواریں لئے آتے نظر آئے۔

ابی ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ سمنی اس جگہ آکر کھڑا ہوا جہاں ابی کھڑا تھا اور سپاہی اس کے پیچھے کھڑے ہو گئے۔

سمنی نے کہا۔ مسلمانو! اب تمہاری موت کا وقت آگیا ہے تم کو رہائی دلانے کے لئے بیوقوف مسلمانوں کا لشکر آرہا ہے اور اس نے ارمابیلہ پر قبضہ کر لیا ہے۔ یہ جنگ محض تمہاری وجہ سے ہونے والی ہے اس لئے میں نے طے کر لیا ہے کہ آج تمہارا خاتمہ کر دوں۔

زید نے کہا۔ جب کسی کے دن خراب آتے ہیں تو اسے الٹی الٹی سی تدبیریں سوجھنے لگتی ہیں۔ تم خوب جانتے ہو کہ یہ لشکر جو آرہا ہے اس کا مقصد ہم کو رہائی دلانا ہے اگر جنگ میں کچھ اونچ نیچ ہو گئی تو ہماری موجودگی تمہارے اور تمہاری قوم کے لئے سودمند ہو گی اور اگر تم نے ہم کو قتل کر ڈالا اور مسلمانوں کو اس بات کا علم ہو گیا تو یاد رکھئے گا کہ وہ ہمارا انتقام لینے کے لئے تمہارے ہر فرد کو قتل کر ڈالیں گے۔

سمنی قہقہہ لگا کر ہنسا۔ اس نے کہا۔ اطمینان رکھو اس بات کی نوبت ہی نہ آئے گی کیونکہ لشکر تو صرف چھ ہزار ہی ہے۔

اسلم نے جوش میں آکر کہا۔ یہ چھ ہزار کم سے کم تمہارے ساٹھ ہزار لشکر کے لئے کافی ہے

سمنی نے نفرت اور غصہ کی نگاہوں سے اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔

...... ساٹھ ہزار کو؟ ...... میں بتاتا ہوں کہ اس لشکر کو تو میں ہی موت کے گھاٹ اتار دوں گا"

اسلم نے حقارت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا تم؟ ...... جو کہ محض اس وجہ سے اکڑتے ہو کہ ہم نہتے اور تمہارے قیدی ہیں۔ اگر تم مرد ہو اور بہادری کا دعویٰ ہے تو صرف ایک تلوار دے دو اور پھر تم معہ اپنے ان تمام سپاہیوں کے اکیلے مجھ پر حملہ کر دو۔ اگر تم نے مجھے مار ڈالا تو سمجھ لینا کہ شاید تم کامیاب ہو جاؤ۔

سمنی۔ خوب جوش آرہا ہے تم کو! مگر یہ تمہارا جوش ابھی سرد کر دیا جائے گا۔

اس نے سپاہیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ دلیرو! بڑھو اور ان سب کا خاتمہ کر دو۔

ابی نے کہا۔ لیکن حضور! میری ایک بات سن لیجئے۔
سمنی نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔ کیا؟
ابی۔ یہ لوگ ہمارے قیدی ہیں۔ ہم کو ان پر تمام و کمال دسترس ہے۔ جب چاہیں گے ان کو قتل کر ڈالیں گے مگر۔ ۔ ۔ ۔ اسلامی لشکر حملہ کرنے اور انہیں رہائی دلانے کے لئے آ رہا ہے۔ مناسب یہی ہے کہ جنگ کے فیصلہ تک ان کو زندہ رکھا جائے۔
سمنی نے بگڑ کر کہا ایک پنڈت سے ایک بزدلانہ مشورہ کے اور کیا امید ہو سکتی ہے (اسلم کی طرف اشارہ کر کے) مگر اس بے ہودہ نوجوان نے میری توہین کی ہے میں ان میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔
(سپاہیوں سے) ہاں بڑھو اور سب سے پہلے ان کے بچوں کو قتل کرنا شروع کر دو۔ تاکہ ان کے سینے میں اولاد کے داغ پڑ جائیں ۔
سپاہی بڑھے۔ عورتوں نے اپنے بچوں کو سینوں سے لگا کر پیار کیا ایک کم سن عورت نے کہا۔ خدا آزمائش لے رہا ہے ہمارے ایمان کے امتحان کا وقت قریب آ گیا ہے بچوں والیو! دیکھو کہیں اس وقت تمہارے قدم لڑکھڑا نہ جائیں۔
تمام عورتوں کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ وہ حسرت بھری نظروں سے اپنے معصوم بچوں کو دیکھ رہی تھیں۔ بچے بھی بھولی صورت بنائے ان کی طرف دیکھ رہے تھے۔
ایک جوان عورت نے اپنے بچہ کو بھینچ بھینچ کر پیار کرتے ہوئے کہا! بیٹا! اسلام قربانی چاہتا ہے جاؤ اور اپنے خون سے اسلام کے درخت کو سینچو۔
فوراً ہی تمام عورتوں نے اپنے اپنے بچوں کو اپنے سینوں سے الگ کرتے ہوئے کہا۔ معصوم ننھو! جاؤ اور اپنے سر کٹا کر اسلام کی عزت رکھو۔
یہ کہتے ہی کہتے بعض عورتوں کے آنسو نکل آئے اور وہ منہ پھیر پھیر کر رونے لگیں۔
حقیقت میں بڑا کٹھن وقت تھا۔ نہایت سخت امتحان ہو رہا تھا۔ بچے پیچھے ہٹ گئے اور ایک قطار میں جا کھڑے ہوئے سپاہی ان کے سامنے پہنچ گئے۔ انہوں نے تلواریں بلند کیں عورتوں کے دل ہل گئے اور فرط رنج و قلق سے ان کے کلیجے سینوں سے نکلنے لگے۔
ان سے یہ خونفشاں منظر نہ دیکھا گیا۔ انہوں نے آنکھوں کو بند کر لیا۔ یہ دیکھ کر مردوں کو بڑا غصہ آیا۔ خصوصاً اسلم کو۔

اس نے لپک کر ایک سپاہی کے گھونسا مارا۔ وہ چکرا کر گرا اس نے جلدی سے تلوار چھین لی اور ڈپٹتے ہوئے کہا۔ خبردار! پیچھے ہٹ جاؤ۔

سپاہی ڈر کر فوراً پیچھے ہٹ گئے۔ یہ تمام کارروائی اس قدر جلد ہوئی کہ سمنی اور اس کے سپاہی اس وقت سمجھے کہ جب اسلم تلوار کھینچکر ان کے سامنے آگیا۔ سپاہیوں کے ہٹتے ہی اسلم نے سمنی سے کہا۔

مغرور انسان اگر اپنی زندگی چاہتا ہے تو ان شیطان خصلت سپاہیوں کو حکم دے کر یہ چلے جائیں۔

سمنی اس کے تیور دیکھ کر سمجھ گیا کہ اگر اس نے فوراً ہی اس کے حکم کی تعمیل نہ کی تو وہ اس پر حملہ کر دے گا۔

اس لئے اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ اچھا! ابھی تم پیچھے ہٹ جاؤ۔ سپاہی اس کے پیچھے آکھڑے ہوئے۔ سمنی نے اسلم سے کہا۔

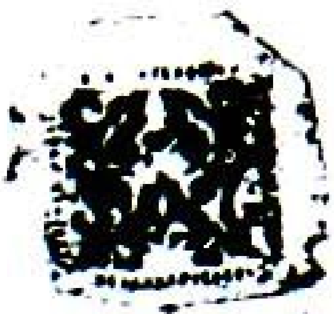
"نوجوان! اب تم تلوار میرے حوالے کر دو۔

اسلم نے کہا اس لئے کہ تم پھر ان معصوموں کا خون بہاؤ۔ شیطان! تم اپنی ذریات کو لے کر میرے سامنے سے دور ہو جاؤ۔ ورنہ میں تم کو قتل کر ڈالوں گا۔

سمنی نے سر جھکا کر کہا۔ میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور یہی وجہ ہے کہ میں جا رہا ہوں۔

وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر چلا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ابی بھی چل دیا۔ اسلم نے کہا۔ بزدل انسان تو اس وقت بچ گیا۔

بچوں کے بچ جانے سے سب نے خدا کا شکر ادا کیا اور پھر ان کو اپنے بے قرار سینوں سے لگا کر پیار کرنے لگے۔



سولھواں باب ۱۶

"دو چاند"

رانی لادی طاہرہ کو اپنے ساتھ لے گئی۔ جس کمرے میں طاہرہ کو ٹھہرایا گیا تھا۔ وہ محل کے شروع حصہ میں دروازے کے قریب ہی تھا۔ چونکہ طاہرہ کو کہیں آنے جانے کی ضرورت نہ تھی۔ اس لئے وہ اپنے ہی کمرے میں پڑی رہتی تھی۔ اسے معلوم بھی نہ تھا کہ محل کتنا بڑا ہے اور اس میں کیا کیا ہے اب جب کہ رانی اسے لے کر چلی تو اس نے دیکھا کہ محل نہایت وسیع ہے اور اس کے چاروں طرف عمارتیں بنی ہوئی ہیں۔

عمارتوں کے دروازے نہایت شان دار۔ منقش اور سفید ہیں جو کہ خوب چمک رہے ہیں۔ درمیان میں کہیں کہیں سبزہ کھڑا ہوا تھا اور عمارتوں سے ملحق چاروں طرف کافی چوڑا چبوترہ ہے۔

وہ محل کو دیکھتے ہوئے لادی کے ساتھ چلتی رہی۔ اس نے دیکھا کہ چاروں طرف چھوٹے چھوٹے مندر بھی چبوترے کے اوپر بنے ہوئے ہیں۔ جب لادی اسے اپنے خاص کمرے میں لے گئی تو وہ کمرے کا ساز و سامان دیکھکر حیران رہ گئی۔ تمام کمرے میں نہایت خوشنما مسند بچھی ہوئی تھی۔ جس پر کہ کارچوبی کام ہو رہا تھا۔ دیواروں پر سونے سے پچی کاری ہو رہی تھی۔ کہیں کہیں سونے کی تصویریں یعنی مجسمے یابت رکھے ہوئے تھے اور ان کے گلوں میں تازہ پھولوں کے ہار پڑے ہوئے تھے۔ لادی مسند پر بیٹھ گئی اور طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس ہی بٹھالیا :۔

دیر تک اس سے باتیں کرتی رہی۔ جب آفتاب غروب ہونے لگا تو اس نے اس سے کہا۔ دیکھو! اس طرف میرے قبضے میں پندرہ بیس کمرے ہیں۔ تم جس کمرے کو پسند کرو اس میں رہو، لیکن میں یہ چاہتی ہوں کہ تم اس کمرہ میں میرے ہی پاس ٹھہرو۔

طاہرہ نے کہا۔ تم بڑی خلیق ہو رانی! خود میرا دل بھی تمہارے ہی پاس ٹھہرنے کے لئے چاہتا ہے۔ مگر! ....

لادی۔ مگر کیا؟

طاہرہ۔ ایک مجبوری ہے جس کی وجہ سے میں نہیں رہ سکتی!

لادی۔ اور وہ کیا مجبوری ہے؟

طاہرہ۔ اگر میں عرض کروں گی تو مجھ کو اندیشہ ہے کہ کہیں وہ آپ کی ناراضگی کا باعث نہ ہو جائے۔

لادی۔ اطمینان رکھو! میں ناراض نہ ہوں گی۔

طاہرہ۔ ہم لوگ تصویروں اور بتوں کو اچھا نہیں سمجھتے اس لئے ......

لادی نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔ میں سمجھ گئی اچھا تم برابر والے کمرے میں رہو۔

طاہرہ۔ بہت اچھا!

طاہرہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور اس میں رہنے لگی۔ رانی لادی نیک طینت اور بھولی تھی۔ وہ چھل کپٹ نہ جانتی تھی۔ اس نے طاہرہ کو بتا دیا کہ راجہ نے اس کے پاس اسے پھسلانے کے لئے بھیجا تھا۔ مگر اب وہ اس سے محبت کرنے لگی ہے اور اس لئے اس کے ساتھ کبھی دغا نہ کرے گی۔

دراصل لادی کو طاہرہ سے بے حد محبت ہو گئی تھی اور یہ محبت ہی کی وجہ تھی کہ اس نے راجہ کا منشا صاف صاف ظاہر کر دیا۔

طاہرہ کو اس سے انسیت ہو گئی تھی اور وہ بھی اس سے اس قدر مانوس ہو گئی تھی کہ اکثر جو وہ کہتی اسے مان لیتی۔

ان دونوں میں اس قدر محبت بڑھ گئی تھی کہ کھانا بھی قریب قریب بیٹھکر کھا لیتی تھیں اور اکثر رانی دلای اس کے کمرے میں اس کے پاس ہی سو رہا کرتی تھی۔ رانی نے کپڑے طاہرہ کو دے دیئے تھے اور اس نے تراش کر ان کو سینا شروع کر دیا تھا۔

مگر ابھی تک وہ انہیں سی کر تیار نہ کر سکی تھی۔ اس کے کپڑے روز بروز میلے ہوتے ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن رانی اس کے میلے کپڑوں سے کراہت نہ کرتی تھی۔

ایک روز دوپہر کے وقت رانی طاہرہ کے پاس بیٹھی تھی اور طاہرہ کپڑے سی رہی تھی۔

لادی نے اس سے کہا طاہرہ میری ایک بات مان لو!

طاہرہ نے معنی خیز نظروں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا کیا مان لوں۔

لادی:۔ تم میرے کہنے سے آج شلوکہ اور ساڑھی پہن لو!

طاہرہ نے نفرت بھرے لہجہ میں کہا راجہ داہر کے بھیجے ہوئے ساڑھیاں اور شلوکے؟

لادی نے جلدی سے کہا نہیں ان کے بھیجے ہوئے نہ پہنو! بلکہ میرے بالکل نئے شلوکے اور نئی ساڑھیاں جن کو میں نے آج تک پہننا کیا بلکہ خود رہا ہاتھ بھی نہیں لگایا ہے۔ ان میں سے پہن لو۔

طاہرہ نرم پڑگئی اس نے کہا رہنے بھی دو رانی۔ کل یہ میرے ہی کپڑے تیار ہو جائیں گے۔

لادی۔ میں اس وجہ سے نہیں کہہ رہی کہ تمہارے کپڑے میلے ہو گئے ہیں۔

طاہرہ۔ اور کس وجہ سے؟

لادی۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں کہ یہ کپڑے پہن کر تم کیسی معلوم ہو گی۔

طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ خوب یہ کیا سوجھی ہے تم کو!

لادی نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ یہ میری تمنا ہے۔ تم اسے پورا کردو۔ تمہارا اس میں کچھ نقصان نہیں ہے ذرا کی ذرا پہن کر پھر اتار دینا۔

طاہرہ۔ اگر میں آپ سے کہوں کہ آپ میرے تیار کئے ہوئے کپڑے پہن لیں تو کیا آپ منظور کر لیں گی؟

لادی۔ بڑی خوشی سے بلکہ تم اگر اجازت دو تو میں یہ تمہارے میلے ہی کپڑے پہن لوں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ خیر یہ میلے نہیں بلکہ نئے پہننا!

لادی۔ ہاں پہن لوں گی۔ اچھا! تو میں تمہارے واسطے شلوکہ اور ساڑھی لاؤں؟

طاہرہ۔ رانی صاحبہ! حقیقت یہ ہے کہ میں آپ کے کسی حکم کو اس وجہ سے نہیں ٹال سکتی کہ مجھے آپ سے بے حد محبت ہو گئی ہے۔

لادی۔ یہی حال میرا ہے۔ میں حکم نہیں دے رہی ہوں بلکہ گزارش کر رہی ہوں۔

طاہر اچھلے آیئے۔

لادی خوش ہو کر اٹھی اور چلی گئی۔ طاہرہ پھر سینے میں مشغول ہو گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں لادی نہایت بیش قیمت شلوکہ اور ساڑھی اور جگمگانے والے جواہرات کے زیورات لے آئی۔ اس نے کہا لو پہن لو طاہرہ۔

طاہرہ نے پہلے کپڑوں کو دیکھا۔ پھر لادی کو دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا کیسے پہن لے اسے طاہرہ۔ میں بے چاری تو انہیں پہننا ہی نہیں جانتی۔

لادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میں پہناؤں گی اپنی بہن کو۔

طاہرہ نے کپڑے اتارے اور لادی نے شلوکہ پہنا کر ساڑھی باندھنی شروع کی۔ وہ ساڑھی باندھتی جاتی تھی اور مسکراتی جاتی تھی۔ آخر ساڑھی باندھ کر اس نے زیورات پہنائے۔

ان کپڑوں میں وہ بالکل پری معلوم ہونے لگی۔ اس کا حسن چہار چند ہو گیا۔ چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح سے چمکنے لگا۔

لادی نے اسے دیکھا اور دوڑ کر اس سے جا لپٹی اور بے اختیار اس کا منہ چوم لیا۔ طاہرہ شرما گئی اور اس نے لادی کی طرف دیکھا۔ وہ کسی قدر مسحور ہو رہی تھی۔ لہذا اس نے کہا۔ غلطی ہو گئی بہن طاہرہ! مجھے معاف کر دو۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مگر آپ کو یہ سوجھی کیا۔

لادی۔ ذرا آئینہ میں دیکھو کہ تم کیا بن گئی ہو آؤ۔

وہ طاہرہ کو کھینچ کر آئینہ کے پاس لے گئی۔ طاہرہ نے اپنا عکس آئینہ میں دیکھا۔ وہ خود کو دیکھ کر خود ہی حیران ہو گئی اور شرماتے ہوئے آئینہ کے پاس سے ہٹ گئی۔

نہیں وہ دیکھتے اس ڈر سے آئینہ صادق
کوئی نہ عکس کو کہدے تیرا جواب ہوا

لادی نے مسکرا کر کہا۔ اب تم ہی بتاؤ کہ میں کیسے ضبط کر سکتی تھی۔

طاہرہ نے شوخی سے اس طرف دیکھتے ہوئے کہا اور اگر مجھ سے بھی ضبط نہ ہو سکے۔

لادی نے ہنس کر کہا۔ تو تم بھی وہی کرو جو میں نے کیا ہے۔

طاہرہ نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اس کا منہ اوپر کرتے ہوئے کہا ضرور کروں گی۔ طاہرہ اس کا منہ چومنے کے لئے جھکی ہی تھی کہ ایک باندھی آ گئی اسے دیکھتے ہی طاہرہ جلدی سے الگ ہو گئی۔

باندھی نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ مہارانی ان داتا تشریف لا رہے ہیں۔

دونوں کچھ بھونچکی سی رہ گئیں اور ایک دوسری کی طرف دیکھنے لگیں۔

لادی نے کہا۔ کچھ حرج نہیں ۔۔۔۔۔۔

ابھی اس کا فقرہ پورا بھی نہ ہوا تھا کہ داہر آ گیا۔ اس نے آتے ہی پہلے لادی اور پھر طاہرہ کو دیکھا اسے دیکھ کر وہ دیکھتا ہی رہ گیا اور دیر تک ٹکٹکی لگائے دیکھتا رہا کچھ دیر کے بعد بولا۔ آہا ہا دو چاند ایک کمرہ میں! طاہرہ فرط غیرت و حیاء سے جھکی جا رہی تھی اور داہر برابر اُسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا یہ کفر کیسے ٹوٹا یہ کپڑے کیسے بدلے گئے؟ لادی نے کہا یہ مجھ پر احسان ہوا ہے۔

داہر۔ اچھا! خیر کسی پر احسان ہوا ہو لیکن ہوا تو سہی۔

اب وہ بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے رانی بیٹھ گئی رانی کے پیچھے طاہرہ بیٹھی۔ داہر کی نگاہیں اب بھی طاہرہ کے رخ روشن کی بلائیں لے رہی تھیں لادی نے اس کی توجہ ہٹانے کے لئے کہا۔ ناتھ! آج خلاف معمول کیسے تشریف لائے۔

لادی کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں طاہرہ کو یہ خیال نہ ہو جائے کہ اس نے راجہ سے سازباز کر کے اسے کپڑے پہنائے اور وہ اس سے خفا نہ ہو جائے اس لئے اس نے اس طریقہ سے گفتگو شروع کی جس سے طاہرہ کے دل سے شکوک خود بخود دور ہو جائیں۔ داہر نے کہا ایک اشد ضرورت کے لئے آیا ہوں۔

لادی۔ کیا ضرورت پڑ گئی۔

داہر۔ بدبخت مسلمانوں کا لشکر آ رہا ہے اس نے ارمابیلہ کو فتح کر لیا ہے اور اب دیبل کی طرف بڑھ رہا ہے۔ پنڈتوں نے یہ بات بتائی ہے کہ دیبل کے قریب جو مندر ہے اس میں کوئی رانی جو سب سے زیادہ کم عمر ہو جا کر فتح کی دعا مانگے تو یقیناً ہماری ہی فتح ہو گی۔

لادی۔ تو مجھے جانا چاہیئے؟

داہر۔ تم خوب جانتی ہو کہ سب سے کم عمر تم ہی ہو۔

لادی۔ میں تیار ہوں! اور کون جائے گا۔

داہر۔ علاوہ سواروں کے چندر جائیں گے۔

لادی نے چونک کر کہا۔ چندر؟

داہر۔ ہاں! کیا تم کو کچھ اعتراض ہے۔

لادی۔ وہ کچھ اچھا آدمی نہیں ہے۔

داہر۔ اطمینان رکھو۔ وہ اچھا بن گیا ہے تپ کرنے لگا ہے۔

لادی۔ بس تو مجھے کیا اعتراض ہے۔

داہر۔ اچھا تو تیار ہو جاؤ۔

لادی۔ کیا اسی وقت جانا ہو گا۔

داہر۔ ہاں اسی وقت رتھ اور لشکر محل کے دروازہ پر آ گئے ہیں۔

لادی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا تو چلئے! راجہ بھی اٹھ کھڑا ہوا اور رانی کے ساتھ کمرہ سے باہر نکل گیا۔ مگر پھر پھر کر طاہرہ کو دیکھتا گیا۔ اس کے جانے کے بعد طاہرہ نے اطمینان کا سانس لیا اور ساڑھی و شلوکہ اور تمام زیورات اتار کر اپنے وہی میلے کپڑے پہننے لگی۔



سترہواں باب[۱۷]

پُرجوش مجاہدین

محمد قاسم معہ لشکر کے دیبل کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اس اسلامی لشکر کا شہرہ نہ صرف سندھ بلکہ سارے ہندوستان میں پھیل گیا تھا۔ مگر ہندوستان کے جس قدر بھی راجہ۔ مہاراجہ تھے۔ اول تو وہ داہر سے فاصلہ پر تھے۔ دوسرے انھوں نے مسلمانوں کے کارنامے سن رکھے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جو کوئی بھی داہر کی امداد کے لئے مسلمانوں سے نبرد آزما ہونے کے لئے اپنا لشکر بھیجے گا۔ مسلمان داہر کے بعد یقیناً اس پر بھی حملہ کریں گے۔

گویا ان کو کامل یقین تھا کہ اسلامی لشکر کو فتح ہو گی۔ چنانچہ اسی خوف کی وجہ سے کسی کو بھی راجہ داہر کی امداد کرنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ مگر راجہ داہر تمام سندھ اور سندھ سے باہر بھی حکمران تھا۔ اس کی سلطنت کی حدود حسب[۱] ذیل ہے۔

مشرق میں کشمیر اور قنوج۔ مغرب میں مکران اور ساحل بحر عمان یعنی دیبل کا کچھ حصہ۔ شمال میں قندھار اور سیستان۔ جنوب میں بندرگاہ سورت۔

اس حساب سے اس کی حکومت تمام سندھ۔ سارے پنجاب اور ممالک متحدہ کے زیادہ حصہ پر تھی۔ یعنی داہر تقریباً ہندوستان کے نصف حصے پر حکمران تھا۔ اتنی بڑی سلطنت ہونے کی وجہ سے اسے مسلمانوں کے حملے کا کوئی زیادہ خدشہ نہ تھا۔ لیکن جس طرف سے اسلامی لشکر آ رہا تھا۔ اس طرف کے تمام لوگ پریشان سے ہو رہے تھے اور وہ آبادیاں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے تھے۔

کچھ لوگ دیبل میں آ گئے تھے اور کچھ نیرون چلے گئے تھے اور کچھ جو باقی تھے سوستان

سلہ از تاریخ ہند صفحہ ۹۹

میں جا ٹھہرے تھے۔ مسلمان جس گاؤں یا قصبہ میں پہنچتے تھے۔ اُسے خالی اور ویران پاتے تھے۔ کھیتیاں کھڑی ہوئی تھیں جو کہ پختگی کے قریب پہنچ چکی تھیں۔ مگر ان کو کاٹنے والوں کا پتہ نہ تھا۔ مسلمانوں نے نہ غیر آباد دیہات اور قصبات کو جلایا نہ کھیتوں کو پامال کیا۔ حالانکہ وہ جوشِ انتقام میں یہ سب کچھ کر سکتے تھے اور ان کا ایسا کرنا کچھ غیر مناسب نہ تھا اور نہ ہی کوئی ان پر حرف گیری کر سکتا تھا۔ اس لئے کہ متکبر و مغرور راجہ داہر کے سپاہیوں نے بلاوجہ مسلمانوں کو قید و بند کر کے اپنی وحشیانہ بربریت کا ثبوت دیا تھا۔ لیکن مسلمانوں نے شرافت اور انسانیت کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دیا تھا اور وہ خالی دیہات و قصبات نیز پکی پکائی کھیتیوں کو چھوڑ کر برابر دیبل کی طرف بڑھتے رہے۔

دیبل میں جو لوگ بھاگ کر آئے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کی تعداد بہت بڑھا چڑھا کر بتائی تھی اور یہ بھی بیان کیا تھا کہ وہ آبادیوں کو ویران اور کھیتیوں کو خاکستر و پامال کرتے چلے آرہے ہیں حالانکہ ان میں ایک بھی ایسا شخص نہ تھا جس نے مسلمانوں کو دیکھا بھی ہو۔ وہ تو شیرانِ اسلام کی آمد کا غلغلہ سنتے ہی نوک دم بھاگ آئے تھے اور ان کو مطلق ہی خبر نہ تھی کہ ان کے پیچھے کیا ہوا۔

ان کی ان مبالغہ آمیز باتوں کا یہ اثر ہوا کہ دیبل والے بھی ترساں و لرزاں ہو گئے۔ انھوں نے قلعے کا دروازہ نہایت مضبوطی سے بند کر لیا اور فصیل پر پتھروں کے ٹکڑوں اور تیروں کے گٹھوں کے انبار لگا دیئے گئے۔ سپاہیوں کو مناسب مناسب جگہ پر تعینات کر دیا۔ اگرچہ مسلمان ابھی دور ہی تھے مگر دیدبان ابھی سے مقرر کر دیئے گئے تھے۔ جو شب و روز برجوں میں بیٹھے ہر چہار جانب دیکھتے رہتے تھے۔

محمد قاسم نے درمیانی فاصلہ طے کر لیا تھا اور سمندر کے کنارے پر اس جگہ پہنچا جہاں مسلمانوں کے جہاز آ آ کر رکے تھے۔ سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں کے جہاز اب تک سمندر میں پڑے ہوئے تھے اور دیبل کے کچھ سپاہی ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ مگر مسلمانوں کو دیکھتے ہی وہ چھپ چھپا کر بھاگ گئے اور سیدھے دیبل میں پہنچے۔

انھوں نے بھی مسلمانوں کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز خبریں بیان کیں اور ان خبروں کو سنکر اہل دیبل اور بھی ڈر گئے تھے اب رات کو دیبل کے ایک طرف آگ روشن کی جانے لگی اور سارا سارا دن تمام لشکر مسلح رہنے لگا۔ عیسائیوں کی طرح ہندو بھی مسلمانوں

کو مافوق الفطرت انسان یا جن سمجھتے تھے ان کو خوف تھا کہ کہیں کسی روز رات کو مسلمان کسی طرف سے فصیل پر نہ چڑھ آئیں لیکن محمد قاسم سمندر کے ساحل پر ٹھہرا ہوا تھا اور ان جہازوں کے آنے کو انتظار کر رہا تھا۔ جن میں منجنیقیں بار ہو آ رہی تھیں اور جن کے متعلق حجاج نے لکھ دیا تھا کہ جب تک جہاز نہ پہنچیں حملہ نہ کیا جائے۔

محمد قاسم نے یہاں دُور دُور تک چل پھر کر ایک نقشہ تیار کیا اور ایک خط کے ساتھ حجاج کی خدمت میں بھیجا۔ وہ رات کے وقت دیبل کا قلعہ اس کی فصیل کے چاروں طرف کا میدان سب دیکھ آیا تھا اور نقشہ میں سب کچھ درج کر دیا تھا۔ مسلمان نہایت بے صبری سے جہازوں کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ دراصل وہ جوش وغضب سے بھرے ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ جلد از جلد جنگ شروع کر کے اپنے بھائیوں کو چھڑائیں۔

آخر انتظار کی مدت ختم ہو گئی اور ۵ محرم ۹۲ھ جمعہ کے روز جہاز ساحل سمندر پر آ لگے۔ مسلمان بے حد خوش ہو گئے اور وہ فرط مسرت و انبساط سے مسرور ہوتے ہوئے جہازوں پر سے منجنیقیں اتارنے لگے۔ ان جہازوں میں مجاہدین بھی آئے تھے۔ مگر وہ زیادہ سے زیادہ صرف دو سَو تھے۔ جو کہ شاید جہازوں کی حفاظت کے لیے آئے تھے اور ان میں کئی تجربہ کار افسر بھی تھے۔

یہ سب لوگ محمد قاسم کے پاس آئے اسے سلام کیا وہ نہایت خوش اخلاق سے پیش آیا۔ انھوں نے حجاج کا خط دیا اور محمد قاسم نے اسے کھول کر پڑھنا شروع کیا اس میں لکھا تھا۔

> میرے عزیز بھائی! بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح ہو کہ میری اور تمام مسلمانوں کی نگاہیں تم پر اور تمام لشکر پر لگی ہوئی ہیں فتح کی دعائیں مانگی جاتی ہیں۔ یقین ہے کہ خدا ہماری دعاؤں کو قبول کر کے فتح عطا فرمائے گا۔ منجنیقیں تمہارے پاس پہنچ رہی ہیں ان کو درست کرا کر لشکر کے آگے رکھو اور ان کی کافی حفاظت کرو۔
>
> جب تم دیبل کا محاصرہ کرو تو لشکر کو حسب قاعدہ مقدمہ۔ ساقہ۔ میمنہ۔ میسرہ اور قلب میں تقسیم کر دو اور لشکر کے ہر ٹکڑے پر تجربہ کار اور بہادر اشخاص کو افسر مقرر کر دو۔ میں عبدالرحمٰن بن سلم الکلبی اور سفیان الابروک۔ مجاشع بن نوسہ

اور ضریم بن مغیرہ کو تمہارے پاس بھیج رہا ہوں۔ یہ وہ بزرگ ہیں جنھوں نے اپنی زندگیاں راہ خدا میں وقف کردی ہیں جو میدان کارزار میں شیر کی طرح سے جست لگاتے ہیں۔ نہایت بہادر۔ آزمودہ کار۔ فرمانبردار اور شیر دل ہیں ان کی بہادری کی داستانیں ضرب المثل ہیں۔ عبادت گزار خلیفہ اور مسلمانوں کے ہمدرد و بہی خواہ ہیں۔ اگر ضرورت سمجھو تو ان سے مشورہ لو ان کے تجزیوں سے فائدہ اٹھاؤ اور ان کو بھی شجاعت و مردانگی دکھائے کا موقع دو۔

چونکہ اب تم غنیم کے ملک میں پہنچ گئے ہو اس لئے آزاد ہو کہ موقع مناسب دیکھکر اور سمجھ کر جو چاہو کرو۔ لیکن یہ خیال رکھو کہ تمہاری کسی غلطی سے مسلمان ابتلا میں مبتلا نہ ہو جائیں ورنہ قیامت کے دن تم سے ہی باز پرس کی جائے گی۔ جو شخص بھی خواہ وہ ادنیٰ ہو یا اعلیٰ حاکم ہو یا راجہ تم سے امان مانگے فوراً اسے امان دینا اور ہر ممکن اس کی اعانت کرنا۔ رات کو خود لشکر کے گرد گشت کرتے رہو۔ دشمنوں کی طرف سے غافل نہ رہو۔ میں بیان ہی نہیں کرسکتا کہ مجھ کو تم سے کس قدر محبت ہے یہ محبت ہی مجھے بے چین کئے ہوئے ہے خدا تمہاری اور تمام مسلمانوں کی حفاظت کرے اور فتح دے مجاہدین سے میرا اسلام کہہ دو۔

(حجاج ثقفی از بصرہ)

محمد قاسم نے خط تمام لشکر کو سنا دیا اور اسی وقت منجنیقوں کو دیبل کی طرف کھینچ کر لے جانے کا حکم دیا۔ فوراً گھوڑے جوتے گئے اور انہوں نے منجنیقوں کو کھینچنا شروع کر دیا۔ ایک دستہ سواروں کی حفاظت کی غرض سے ساتھ کر دیا گیا۔ اب تمام لشکر ڈیرے خیمے اکھاڑ کر تیار ہوا اور سب سے آگے مقدمہ (لشکر کا اگلا حصہ) روانہ ہوا۔ اس کے بعد میمنہ (لشکر کا دایاں بازو) و میسرہ (لشکر کا بایاں بازو) اور قلب (لشکر کا درمیانی حصہ) دائیں بائیں پھیلتا ہوا بڑھا۔

سب کے بعد ساقہ (پچھلا حصہ) چلا ہر حصہ دوسرے سے کافی فاصلے پر تھا اور اس طرح سے یہ لشکر دور تک پھیل گیا اور اس کی تعداد اصل سے دوگنی نظر آنے لگی۔ شیران اسلام نہایت جوش و خروش سے بڑھے چلے جا رہے۔ گویا ہر شخص پر مجاہدانہ کیفیت طاری تھی۔

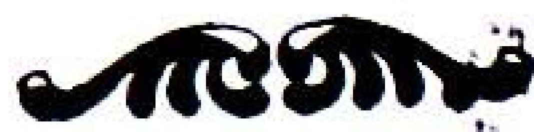
آخر کوچ وقیام کرتے ہوئے دیبل کے قلعہ کے سامنے جا پہنچے۔ ہندوؤں نے ان غازیوں کو دیکھتے ہی شور کرنا شروع کر دیا۔ ان کے شور سے اہل قلعہ کو مجاہدین اسلام کی آمد کا حال معلوم ہو گیا۔

تمام زن و مرد اسلامی لشکر کو دیکھنے کے لئے فصیل پر چڑھ آئے اور جھک جھک کر نیز ابھر ابھر کر دیکھنے لگے۔ وہ کوہ پیکر منجنیقوں کو دیکھ دیکھ کر حیران رہ گئے۔ یہ منجنیقیں عربوں کی ایجاد تھیں اور وہی ان کو چلانا جانتے تھے اور ان کے ہی ذریعے سے بھاری بھاری پتھر برسائے تھے۔

ہندوؤں کی سمجھ میں نہ آیا کہ مسلمان ان برجوں کو کیوں کھینچے پھرتے ہیں، چونکہ اسلامی لشکر دور تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کو لشکر کی صحیح تعداد ہی نہ معلوم ہو سکی۔

جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ اسلامی لشکر بڑھتا ہوا نظر آتا تھا۔ اسلامی علم نہایت رعب وداب سے لہرا رہے تھے۔ قلعہ کے قریب آ کر مسلمانوں نے ایک پر زور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور قلعہ سے ذرا فاصلے پر اتر اتر کر خیمے نصب کرنے لگے۔

ہر دستہ علیحدہ علیحدہ فرو کش ہوا۔ ہندو اس وقت تک کھڑے دیکھتے رہے جب تک کھلے ہوئے میدان میں خیموں کا شہر نہ آباد ہو گیا۔ انھوں نے دیکھا کہ مسلمان نہایت اطمینان اور بے فکری سے کام میں مصروف ہیں جب دن چھپ گیا تب یہ لوگ واپس گئے۔



اٹھارہواں باب ۱۸

"دام فریب"

جب رانی لاڈی اور راجہ داہر کمرے سے باہر نکلے تو کئی داسیاں برآمدے میں کھڑی ملیں۔ لاڈی نے ان کو چند جوڑے کپڑوں کے لانے کا حکم دیا اور وہ نہایت عجلت سے کئی پٹارے کپڑوں سے بھرے ہوئے لے آئیں اور انہیں محل سے باہر لے گئیں۔

راجہ اور رانی دونوں چلے اور محل سے نکل کر باہر آئے۔ یہاں تقریباً ایک ہزار سواروں کا دستہ کھڑا تھا۔ ایک خوب صورت رتھ جس پر چاندی کے پتر چڑھے ہوئے تھے اور جو آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے جگمگا رہا تھا کھڑا تھا۔ اس رتھ میں چار چار گھوڑوں کی چار جوڑیاں یعنی سولہ گھوڑے جتے ہوئے تھے۔

ہر گھوڑے پر ایک سوار نیزوں میں چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں لگائے گھوڑوں کی باگیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

یہ رتھ بہت لمبا اور کافی چوڑا تھا۔ اس میں زرنگار مسند بچھی ہوئی تھی اور چھوٹے چھوٹے تکئے لگے ہوئے تھے۔ رتھ کے اندر خوشنما ریشمین کپڑا منڈھا ہوا تھا۔ اندر سچے موتیوں کے اور باہر قدرتی پھولوں کے متعدد ہار لٹک رہے تھے۔

غرض کہ رتھ کو بہت کچھ زینت دی گئی تھی۔ چونکہ رانی لاڈی کو راجہ داہر بہت زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ اس کے واسطے ہر چیز ایسی بنواتا تھا۔ جس کی نظیر نہ ہو سکے۔

یہ رتھ بھی رانی لاڈی کے لئے خاص طور پر بنوایا گیا تھا اور اس کے بنانے میں رانی کے آرام و آسائش کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا۔ رانی لاڈی بھی نازنین و مہ جبین غالباً زیادہ خوب صورت اور زیادہ نیک اور بھولی ہونے کی وجہ سے رعایا کو بھی بے حد محبوب تھی۔

رانی کے آتے ہی تمام سواروں نے پر زور آواز سے کہا۔ ماتا رانی لاڈی کی جے! لاڈی ہزار

عشوہ و ناز سے بل کھاتے ہوئے محل سرا کی سیڑھیوں سے اتری اور راجہ داہر کا سہارا لے کر رتھ میں بیٹھ گئی۔

کئی داسیاں بھی ایک طرف اس کے پاس جا بیٹھیں اور پندرہ بیس اور بیش خدمتیں دوسرے چھوٹے چھوٹے رتھوں میں سوار ہو گئیں۔

لاڈی کے رتھ میں بیٹھتے ہی ایک نوجوان برہمن آیا جس کی داڑھی ندارد اور مونچھیں بڑی بڑی تھیں۔

اس کے سر کے بیچ میں لمبی چوٹی کا ایک گچھا تھا۔ جس میں گرہ دی ہوئی تھی۔ صرف ایک ریشمین دھوتی باندھے تھا۔ وہ بھی گھٹنوں تک نیچی اور کوئی کپڑا نہ پہنے تھا۔ برہنہ تھا۔ چند دھاگوں کو بل دے کر آڑا داہنے شانہ سے بائیں پہلو تک ڈالے تھا۔ ان دھاگوں کو ہندو جنیؤ کہتے ہیں۔

اس برہمن یا پنڈت کا نام چندر تھا۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر ماتھے کے قریب لے جاتے ہوئے جھک کر رانی کو سلام کیا اور جب اشارہ سے رانی سلام لے چکی تو وہ پیچھے ہٹ کر ایک رتھ میں جا بیٹھا۔

اب رانی کی سواری روانہ ہوئی سب سے پہلے کچھ سوار چلے۔ اس کے بعد رانی کا رتھ چلا اور اس کے رتھ کے پیچھے کنیزوں کے رتھ روانہ ہوئے۔ پھر چندر کا رتھ بڑھا اور سب سے آخر میں بقیہ رسالہ بڑھا۔

اس شان سے رانی چلی الور سے باہر نکلی اور دیبل کی طرف روانہ ہوئی چونکہ دیبل وہاں سے کئی ہفتے کی راہ کے فاصلے پر تھا اور درمیان میں ایک زبردست دریا مہران[1] پڑتا تھا۔

---

[1] دریائے مہران کو آج کل دریائے سندھ کہا جاتا ہے اس عظیم دریا کے بہت سے نام ہیں اسے انگریزی میں انڈس کہتے ہیں۔ عام ہندو اٹک کے نام سے پکارتے ہیں چینی سن تاؤ کہتے ہیں اس کا نام باش بھی ہے جس کا ترجمہ ندیاؤں کا باپ ہے۔ یہ دریا نہایت زبردست ہے۔ وہ مانسرو جھیل کے شمالی برفستانی پہاڑوں کی چوٹی کیلاش کے ڈھلوان سے سنگایاب یعنی دہن شیر سے نکلتا ہے اور صوبجات شمال مغربی سرحدی۔ پنجاب اور سندھ میں ۱۸۰۲ میل بہہ کر بحیرہ عرب میں کراچی سے ذرا فاصلے پر گر جاتا ہے۔ (صادق صدیقی)

کئی ولائتیں مثلاً سوستان اور نیرون وغیرہ کی پڑتی تھیں۔ اس لئے داہر نے تمام ولائتوں کے حکمرانوں کو رانی لادی کے آنے کی اطلاع دے کر اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے کی ہدایت کے احکام جاری کر دیئے تھے۔

چنانچہ رانی لادی کی سواری جس طرف سے گزری۔ وہاں کا حاکم اس کی مدارات کرتا چلا گیا جہاں کہیں رانی کا قیام ہوتا۔ چندر اس کے پاس آتا اور گھنٹوں بیٹھا گیان دھیان کی باتیں کیا کرتا۔ آخر یہ کوچ و قیام کرتا ہوا مختصر قافلہ دیبل کے قریب پہنچ گیا۔ یہاں پہنچکر انھیں معلوم ہوا کہ محمد قاسم نے دیبل کا محاصرہ کر لیا ہے اس خبر پر ان لوگوں پر خوف و ہراس پھیل گیا۔ رانی لادی کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلامی لشکر کا سردار جس کا نام محمد قاسم ہے۔ بہت تھوڑی عمر کا ہے۔

اس کی عمر سترہ ۱۷ سال کی ہے نہایت خوبرو اور بہادر ہے۔ عورتوں کی یہ کمزوری ہے کہ جب وہ کسی نوجوان کی تعریف سنتی ہیں تو اس کے دیکھنے کی تمنا ان کے دلوں میں پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے نیک اور عصمت مآب خواتین نہ ایسی باتیں سنتی ہیں اور نہ ایسے تذکروں میں شریک ہوتی ہیں۔

اسلام نے ممانعت کی ہے کہ نہ عورتیں باہر نکلیں نہ غیر مردوں کا ذکر کریں رانی لادی کے دل میں محمد قاسم کی تعریفیں سن سن کر اس کے دیکھنے کی تمنا پیدا ہو گئی مگر وہ خوب جانتی تھی کہ محمد قاسم کو دیکھنا ناممکن ہے اس لئے کہ اُسکے پاس قصداً جانا مشکل اور اس کا اچانک مل جانا غیر ممکن تھا۔

مگر جو خواہش اس کے دل میں پیدا ہو چکی تھی اسے دور کر دینا اس کے بس میں نہ تھا۔ مگر وہ اپنی اس خواہش کا اظہار کسی پر بھی نہ کر سکتی تھی۔ کیونکہ ایک عظیم المرتبت ہندو راجہ کی رانی ہونیکی حیثیت سے جس کی تعظیم آدھا ہندوستان کرتا ہو نیز جس کے حُسن کا چرچا عالمگیر شہرت رکھتا ہو۔ وہ ایک مسلمان سے جو اس کے ملک پر چڑھائی کرنے اس کے پتی دشوہر سے لڑنے آیا ہو اُسے دیکھنے کی تمنا کا اظہار وہ کیسے کسی پر کر سکتی تھی۔

چنانچہ وہ اس خواہش کو اپنے ہی دل میں دبائے ہوئے تھی۔ وہ مندر جس میں رانی کو جانا تھا۔ دیبل سے ذرا فاصلے پر سمندر کے ساحل کی طرف گنجان جنگل میں واقع تھا۔ سیدھا راستہ دیبل ہو کر جاتا تھا۔ لیکن اس طرف اسلامی لشکر پڑا ہوا تھا۔ اس لئے اس راستے کو عملاً چھوڑ کر

ایک اور راستہ اختیار کیا گیا۔ جو گنجان درختوں اور ناہموار زمین کی وجہ سے دشوار گزار تھا۔ مگر سوائے اس راستہ کے اور کوئی راستہ نہ تھا لہٰذا طوعاً کرہاً اسے ہی اختیار کیا گیا اور اس خیال سے کہ رانی کو کوئی تکلیف نہ ہو قریب کے دیہات اور قصبات سے قلیوں کو پکڑا گیا اور ان سے درختوں کو کٹوا کر راستہ ہموار کرایا جاتا اور تب رانی کا رتھ اس پر سے گزرتا۔

یہ جنگل نہایت گنجان اور تاریک تھا۔ اس میں درخت اس کثرت سے ایک دوسرے سے ملے ہوئے تھے کہ ان کے تنوں میں سے ہو کر گزرنا غیر ممکن تھا کیونکہ ان کی شاخیں ایک دوسرے سے وصل ہو رہی تھیں اور آفتاب کی شعاعیں زمین پر نہ پڑتی تھیں۔ رات تو رات دہاں دن میں بھی کافی اندھیرا رہتا تھا۔ ابھی انھوں نے اس جنگل کا تھوڑا سا ہی حصہ طے کیا تھا کہ ایک روز رات کے وقت جب کہ سب آرام کر رہے تھے اور چاندنی چٹک رہی تھی۔

جو حصہ مزدوروں نے دن میں صاف کیا تھا۔ اس پر چاندنی کی سفید چادر پھیلی ہوئی تھی۔ چیندر رانی کے خیمہ میں داخل ہوا۔ رانی کھانا کھا قیلولہ کر رہی تھی۔ چیندر آداب عرض کر کے کھڑا ہو گیا۔

لادی نے اپنی ہوشربا نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے دریافت کیا کس لئے آئے ہو تم اس وقت؟

چیندر نے کہا۔ مہارانی جی! یہاں قریب ہی ایک مہاتما ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں ان کے درشن کرنے گیا تھا۔ انھوں نے کہا ہے کہ اگر رانی اس وقت میرے پاس آوے تو میں ان کے من کی اچھیا (آرزو) پوری کر سکتا ہوں۔

لادی اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے کہا۔ وہ میرے من کی اچھیا پوری کرا دیں گے۔

چیندر۔ جی ہاں!

لادی۔ اچھا تو چلو دس بیس سپاہیوں کو بھی ساتھ لے لو۔

چیندر۔ انھوں نے پہلے ہی ہدایت کر دی ہے کہ سوائے میرے اور آپ کے تیسرا کوئی شخص نہ جائے۔

لادی۔ کتنی دور ہیں وہ مہاتما؟

چیندر۔ بہت قریب زیادہ سے زیادہ دو نسلو مدھم کے فاصلہ پر ہوں گے۔ لادی اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا اچھا چلو۔

دونوں خیمہ سے باہر آئے اور جس راستے سے رتھ آیا تھا۔ اسی راستہ پر چل پڑے چلتے رہے دیر تک آخر جب لادی تھک گئی اور اپنے لشکر سے دور نکل آئی تو اس نے کہا تم تو کہتے تھے کہ مہاتما قریب ہی ہیں لیکن اتنی دور آنے پر بھی وہ نہیں ملے۔

چندر۔ بس ہم قریب ہی آگئے ہیں۔

پھر دونوں چلے۔ مگر کچھ دور چل کر ناز آفرین رانی رک گئی۔ اس نے کہا ہم سے اب نہیں چلا جاتا۔ چندر نے خاص نظریں اس کے روشن چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ اگر اجازت ہو تو میں گود میں اٹھا کر لے چلوں۔

لادی نے غصہ بھری نظروں سے اُسے دیکھکر کہا۔ تم؟ چندر نے عاجزی سے کہا۔ کیا ہرج ہے اس میں۔

لادی۔ ایک پتی برتا استری (شوہر کی وفادار عورت) کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتی کہ غیر مرد اس کے جسم کو ہاتھ لگائے۔

چندر۔ مگر ۔۔۔۔۔۔

رانی نے پیشانی پر بل ڈالتے ہوئے کہا۔ مگر کیا؟

چندر۔ کیا مجھے سب کچھ کہنا پڑے گا؟

لادی۔ ہاں۔ صاف صاف کہو۔

چندر۔ صاف بات یہ ہے کہ میں آپ کو چاہتا ہوں۔

لادی چونک پڑی اور اس نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ شرم کرو پنڈت جی مہاراج شرم کرو۔

چندر۔ شرم کی کیا بات ہے اس میں؟

لادی جوش و غضب سے کانپ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے۔ چہرہ تمتما رہا تھا۔ اس نے کہا۔ رانی پرجا (رعایا) کی ماتا ہوتی ہے کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے کہ تم اپنی ماتا سے محبت کا اظہار کر رہے ہو۔

چندر۔ میں نے بہت ضبط و صبر کیا ہے لیکن جب جان پر بن گئی تب میں نے یہ چال چلی اور راجہ داہر کو پھسلا کر تم کو یہاں لے آیا۔

لادی۔ پاپی! کیا مندر میں دعا مانگنے اور مہاتما جی سے ملنے کا تو نے جھوٹا ہی جال پھیلایا تھا

چندر۔ جی ہاں! آپ اب اس جال میں اچھی طرح سے پھنس گئی ہیں۔ سنیئے یا تو آپ میری مرضی پر چلئے ورنہ میں آپ کو زبردستی اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور پھر دنیا یہی کہے گی کہ رانی کسی کے ساتھ بھاگ گئی۔

لادی نے غضب ناک ہو کر کہا۔ خبردار! اب ایسی بات زبان سے نہ نکالنا دشٹ! پنڈت بنا ہے تو:۔

چندر۔ اس میں میری خطا نہیں ہے آپ کی صورت نے مجھے دیوانہ بنا دیا ہے۔

یہ کہتے ہوئے وہ رانی کے اور قریب جا کھڑا ہوا اور بولا۔ غصہ کو جانے دو۔ جس راجہ کی تم وفادار رہنا چاہتی ہو سوچو! اس نے تمہارے ساتھ کہاں وفاداری کی ہے اگر وہ وفادار ہوتے تو کیا کئی رانیاں کرتے؟ جب وہ تمہارے ہی نہیں بنے تو تم بھی ان کی نہ بنو۔

لادی۔ دور ہو بدکار! مجھ سے ایسی باتیں نہ کرو۔

چندر۔ تو کیا آپ خوشی سے رضامند نہ ہونگی؟

لادی۔ ہرگز نہیں؟

چندر۔ اچھا تو اب مجھے زبردستی ہی کرنی پڑے گی۔

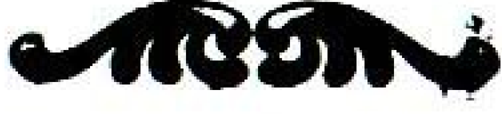
یہ کہتے ہی اس نے ہتھیلی بجائی۔ کئی لوگ ادھر ادھر سے نکل آئے یہ سب ڈھاٹے باندھے تھے صرف ان کی آنکھیں چمک رہی تھیں اور کوئی چیز نظر نہ آتی تھی رانی ان قوی ہیکل انسانوں کو دیکھ کر ڈر گئی۔ چندر نے کہا رانی اب بھی مان جاؤ! لادی نے کہا میں پاپ (گناہ) کرنے سے مرجانا اچھا سمجھتی ہوں۔

چندر نے غصہ کے لہجہ میں کہا۔ بہت اچھا! اب اس نے ڈھاٹے والوں سے کہا۔ اسے اٹھا کر لے چلو۔ فوراً چند آدمی بڑھے رانی نے غصہ سے چیخ کر کہا۔ پاپیو! الگ ہٹ جاؤ۔ مگر وہ کیوں ماننے والے تھے۔ انھوں نے لپک کر اسے اٹھا لیا۔ رانی نے اپنی پوری طاقت سے کہا۔ مدد۔ مدد۔ بچاؤ! بچاؤ۔

چندر نے حقارت سے رانی کو دیکھ کر قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ فضول شور کرنے کا کیا فائدہ رانی تڑپ رہی تھی۔ بل کھا رہی تھی۔ وہ اپنی پوری قوت سے رہائی کی جدوجہد کر رہی تھی۔ اس نے پھر چلا کر کہا۔ آہ بچاؤ کوئی۔ بچاؤ۔

فوراً ہی ایک گرجدار آواز آئی۔ خبردار! ڈھاٹے والوں۔ لادی اور چندر نے لگا ہیں

اٹھا اٹھا کر دیکھا۔ چند مسلمان تلواریں سونتے کھڑے تھے مسلمانوں کو دیکھتے ہی سب نھر
گئے۔ انھوں نے فوراً رانی کو چھوڑ دیا اور سب حیرت بھری نظروں سے شیران اسلا
کو دیکھنے لگے۔



انیسواں باب ۱۹

"شریف مسلمان"

ان مسلمانوں میں ایک محمد قاسم۔ دوسرا عبدالرحمٰن۔ تیسرا ضریم اور چار اور مجاہد تھے۔ یعنی وہ صرف سات آدمی تھے اور ساتوں تلواریں سونتے کھڑے تھے۔ محمد قاسم نے جب سے دیبل کا محاصرہ کیا تھا۔ اس وقت سے اس کا معمول ہو گیا تھا کہ وہ رات کو دور دور تک گھومتا پھرتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ کسی جنگل میں سے کوئی سرنگ قلعہ کے اندر گئی ہے لہذا وہ اس سرنگ کی تلاش میں تھا۔ اتفاق سے یا رانی لادی کی خوش قسمتی سے آج اس طرف آیا ہوا تھا اور وہ اس طرح سے اس وقت جب کہ لادی کو ڈاکو صفت انسان اٹھا کر لے جا رہے تھے۔ وہاں پہنچ گیا تھا۔ مسلمانوں کو شمشیر برہنہ دیکھ کر حیدر اور اس کے بدکار ساتھی کانپنے لگے۔ سب سے آگے محمد قاسم تھا اور وہ قہر آلود نظروں سے ڈھاٹے والوں کو گھور رہا تھا۔ اس نے کڑک کر کہا بدکار یہ کیا معاملہ ہے؟

ان میں سے کوئی بھی عربی سے واقف نہ تھا اور محمد قاسم نے عربی ہی میں گفتگو شروع کی تھی۔ وہ سندھیوں کی بھاشا سے ناواقف تھا۔

عبدالرحمٰن ان کی زبان جانتا تھا۔ جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو محمد قاسم سمجھ گیا کہ انھوں نے اس کی بات ہی نہیں سمجھی۔ چنانچہ اس نے عبدالرحمٰن سے کہا تم ان سے دریافت کرو یہ کون ہیں اور یہ لڑکی کون ہے۔

یہ کہہ کر اس نے لادی کی طرف دیکھا وہ اسے میٹھی میٹھی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس جگہ چاندنی چٹکی ہوئی تھی اور چاندنی میں لادی کی صورت مصفا آئینہ کی طرح چمک رہی تھی۔ محمد قاسم بھی اس رشک حور کو دیکھ کر دیکھنے کا دیکھتا رہ گیا اور وہ کچھ کھویا سا گیا۔ حسن کی گہرائیوں میں۔ وادیٔ نور میں۔ ڈوب کر رہ گیا۔ مستانہ نگاہوں کے سرور میں۔

عبدالرحمٰن نے چندر سے دریافت کیا! تم کون ہو؟

چندر نے عاجزی کے لہجہ میں کہا۔ حضور! میں ایک پنڈت ہوں۔

عبدالرحمٰن۔ اور یہ کون لوگ ہیں؟

چندر۔ یہ ڈاکو ہیں۔

عبدالرحمٰن۔ اور یہ لڑکی کون ہے۔

چندر۔ یہ مہاراجہ داہر کی رانی لادی ہیں۔

داہر کی رانی کا نام سن کر عبدالرحمٰن چونک پڑے۔ لادی کچھ ایسی محو ہو رہی تھی کہ اس نے عبدالرحمٰن اور چندر کی گفتگو بالکل بھی نہ سنی۔ مگر جب اپنا نام سنا تو عبدالرحمٰن کی طرف دیکھا چونکہ رانی لادی اپنی سحر نگار نظروں سے محمد قاسم پر جادو کر رہی تھی اور اس لئے محمد قاسم مسحور کھڑا تھا۔ جب اس نے اپنی نگاہیں پھیریں تو محمد قاسم ہوش میں آیا۔ اس نے بھی عبدالرحمٰن کو دیکھا۔ عبدالرحمٰن نے کہا۔ حضور۔ یہ لڑکی رانی لادی ہے اور راجہ داہر کی بیوی۔ محمد قاسم بھی فرط حیرت سے چونک پڑا۔ اس نے کہا۔

رانی لادی ... ... دریافت کرو! یہ اس خطرناک مقام پر کیسے آئی۔

عبدالرحمٰن نے چندر سے دریافت کیا۔ رانی اس پرخطر مقام پر ایسے وقت جب کہ اس نواح میں مسلمان چھائے ہوئے ہیں کیوں آئی ہے۔

چندر نے جواب دیا۔ حضور یہاں قریب ہی ایک مندر ہے رانی صاحبہ اس مندر میں فتح کی دعا مانگنے آئی تھیں۔

عبدالرحمٰن نے محمد قاسم کو چندر کا مفہوم سمجھا دیا۔

قارئین کرام یہ سمجھ لیں کہ آئندہ جو گفتگو جس ہندو سے بھی ہوتی وہ عبدالرحمٰن کے ذریعے سے کیونکہ ان لوگوں میں ایک وہی بھاشا سے واقف تھا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا۔ یہ لوگ کون ہیں اور کیوں رانی کو اٹھا کرے جا رہے تھے؟

چندر نے جواب دیا یہ ڈاکو ہیں۔ رانی صاحبہ کو لوٹنے کے لئے لے جا رہے تھے۔

ایک ڈھاٹے والے نے کہا۔

حضور یہ جھوٹ بولتے ہیں۔ ہم رام نگر کے رہنے والے ہیں یہ ہم کو اس لئے لائے تھے کہ ہم ایک عورت کو گرفتار کر کے رام نگر لے جاویں۔ رام نگر ایک معقول قصبہ تھا اس جنگل

سے آٹھ دس میل کے فاصلے پر نیرون کے قریب واقع تھا۔

محمد قاسم۔ تم کو یہ نہیں بتایا تھا کہ کس عورت کو گرفتار کرنا ہے۔

وہی شخص۔ نہیں۔ حضور! یہ ہمیں اب معلوم ہوا کہ یہ ہماری ماتا رانی لادی ہیں۔

محمد قاسم نے گھور کر چندر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مکار شخص۔ یہ کیا کہتے ہیں۔

چندر نے فی البدیہہ جواب دیا۔ حضور سے ڈر کر جھوٹ بول رہے ہیں۔

محمد قاسم نے لادی سے دریافت کیا۔ آپ یہاں کیسے آئیں۔

لادی محمد قاسم کو محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا۔ چندر نے یہ بالکل سچ کہا ہے کہ میں مندر میں فتح کی دعا مانگنے کے قصد سے آئی تھی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ مجھے یہاں اس بہانہ سے لایا کہ اگر میں مندر میں جا کر فتح کی دعا کروں تو ہماری وجے (فتح) ہو گی۔

آج یہ بدطن ملیچھ میرے پاس آیا اور کہا کہ ایک مہاتما ٹھہرے ہوئے ہیں اور وہ میرے من کی اچھیا (دل کی آرزو) پوری ہونے کی ترکیب بتا دیں گے۔ میں اس کے دم میں آگئی اور تنہا اس کے ساتھ چلی آئی۔ یہاں یہ اپنے اصلی روپ میں شیطان بن کر نمودار ہو گیا اور مجھے پریشان کرنے لگا ......

محمد قاسم نے دریافت کیا۔ کیا چاہتا تھا یہ بدمعاش؟

لادی نے حیا پرور نگاروں سے دیکھ کر کہا۔ اس پاپی کی باتیں کہتے ہوئے مجھے لجیا (شرم) آتی ہے۔

محمد قاسم۔ اور تمہارے دل کی اچھیا کیا تھی؟

لادی۔ میرے من کی اچھیا؟ .....

اس نے ہوشربا، محبت بھری نظروں سے محمد قاسم کو دیکھا۔ دیکھتی رہی۔ پھر شرما کر سر جھکا کر خاموش ہو گئی۔

محمد قاسم نے کہا۔ رانی .. .. .. بتا دو۔

رانی نے محمد قاسم کی نگاہوں میں نگاہیں ڈال کر کہا۔ میری اچھیا؟ آپ کو دیکھنے کی تھی۔

محمد قاسم چونک پڑا۔ تمام مسلمان اور سارے ہندو بھی چونک پڑے اور سب تیز تیز نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

محمد قاسم نے اس کے رخ روشن پر نظریں جما کر کہا۔ مجھے دیکھنے کی خواہش کیوں تھی تم کو؟۔

لادی۔ اس لئے کہ میں نے سنا تھا کہ ایک نوعمر لڑکا اسلامی لشکر کا افسر بن کر آیا ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا اب تم کیا چاہتی ہو۔

لادی۔ میں آپ کی مشکور ہوں کہ آپ نے اس وقت مجھے ان ظالموں کے جنگل سے رہائی دلائی۔ میں اپنے لشکر میں واپس جانا چاہتی ہوں۔

محمد قاسم۔ اور ان بدمعاشوں کے لئے کیا حکم ہے؟

لادی۔ انہیں آپ کی مرضی پر چھوڑتی ہوں۔

محمد قاسم نے اپنے سپاہیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔ ان سب کو گرفتار کرلو۔

یہ حکم سنتے ہی سب کانپ گئے۔ چندر! محمد قاسم کے قدموں پر جا پڑا اور اس نے رو رو کر کہا۔ رحم کرو مجھ پر رحم کرو۔

محمد قاسم نے غضب ناک ہو کر کہا۔ بدمعاش! تجھے شرم نہ آئی کہ تو اس نازنین (لادی کی طرف اشارہ کر کے) کو دھوکہ دے کر لایا اور اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتا تھا۔

چندر۔ مجھ سے قصور ہو گیا۔ آئندہ کبھی ایسا نہ کروں گا۔

محمد قاسم۔ میں تجھے معاف کر سکتا ہوں اگر رانی معاف کر دے۔

اب چندر اٹھ کر لادی کے قدموں میں جا لوٹا اس نے کہا، معاف کر دو۔ ماتا رانی معاف کر دو۔

لادی نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ اب ماتا کہتا ہے لیکن اب سے ذرا دیر پہلے کیسا شیطان سوار تھا۔ (غصہ سے بل کھاتے ہوئے) میں ہرگز تجھے معاف نہیں کر سکتی۔

محمد قاسم۔ بس سیدھے کھڑے ہو جاؤ۔ ہاں اسے گرفتار کرلو۔

فوراً سپاہیوں نے اسے گرفتار کر لیا۔ اب ہندو قلیوں نے گڑگڑانا شروع کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم بالکل بے گناہ ہیں۔

محمد قاسم نے کہا۔ تم ... شریک جرم بھی مجرم ہوتا ہے تم بھی۔

مسلمان سپاہیوں نے انہیں بھی گرفتار کر لیا۔ محمد قاسم نے لادی سے دریافت کیا۔ تمہارا لشکر کہاں ہے۔

لادی۔ یہاں سے قریب ہی ہے (انگلی سے اشارہ کر کے) اس طرف۔

محمد قاسم۔ تم چلی جاؤ گی یا کسی کو تمہارے ساتھ بھیجوں۔

لادی نے شرمیلے پن سے کہا۔ مجھے خوف معلوم ہوگا۔ کیا آپ مجھے پہنچانے کے لئے نہیں جا سکتے؟

محمد قاسم۔ میں؟ اگر تم چاہو تو میں جا سکتا ہوں۔

لادی۔ بڑی مہربانی ہوگی۔

محمد قاسم نے سپاہیوں سے کہا۔ تم ان قیدیوں کو لئے یہیں کھڑے رہو۔ ہم سب ابھی آتے ہیں۔

رانی لادی کی شان کہہ رہی تھی کہ وہ محمد قاسم سے کچھ کہنا چاہتی ہے۔ لیکن محمد قاسم اس کی زبان نہ سمجھتا تھا اور وہ محمد قاسم کی طرف سے اس لئے مجبور تھی۔ اب محمد قاسم۔ عبدالرحمٰن اور حریم لادی کے ساتھ چلے۔

کچھ دور چل کر لادی نے کہا۔ ایک مسلمان لڑکی جو سراندیپ سے آ رہی تھی اور جسے راجہ کے سپاہیوں نے گرفتار کر لیا تھا اور میں میرے پاس ٹھہری ہوئی ہے۔

اب تک کسی مسلمان کو بھی یہ علم نہ تھا کہ قیدی مسلمان کہاں رکھے گئے ہیں۔ محمد قاسم نے دریافت کیا اور بقیہ قیدی کہاں ہیں۔

لادی۔ دیبل کے قلعہ میں۔

محمد قاسم۔ مگر صرف ایک ہی لڑکی اور وہ کیسے گئی

لادی اس کا جواب دینے میں پس و پیش کرنے لگی۔ محمد قاسم اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لادی نے کچھ وقفہ کے بعد کہا۔ میرے سوامی (شوہر) اُسے لے گئے تھے۔

محمد قاسم۔ آخر کس وجہ سے؟

لادی۔ اسے وہی جانتے ہوں گے۔

محمد قاسم۔ اس لڑکی کا کیا نام ہے۔

لادی۔ طاہرہ۔

محمد قاسم۔ وہ تمہارے پاس رہتی ہے۔

لادی۔ ہاں! نہایت اطمینان اور آرام سے۔

محمد قاسم۔ کیا تم اسے یہاں پہنچا سکتی ہو؟

لادی۔ نہیں کیونکہ مجھے اس قدر اختیار نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا! تم میرا اور کل مسلمانوں کا اس سے سلام کہہ دینا اور ہم مسلمان اسے اور دوسرے مسلمانوں کو رہا کرانے کے لیئے آئے ہیں اور جب تک رہا نہ کرالیں واپس نہ لوٹیں گے۔

یہ کہتے کہتے قاسم کو جوش آگیا اور جوش سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ لادی اس کے چہرے ہی کی طرف دیکھ رہی تھی۔ اس نے مسکراتے ہوئے شوخی کے انداز میں کہا۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

محمد قاسم پر جوش لہجہ میں کہا۔ ہاں: میں کہہ رہا ہوں اور یہ الفاظ مجھ سے خدا ہی کہلوا رہا ہے۔

لادی۔ لیکن آپ کی عمر لڑنے کی کہاں ہے؟

محمد قاسم۔ میں کئی لڑائیاں لڑ چکا ہوں۔

لادی نے حیرت سے اُسے دیکھ کر کہا۔ کئی لڑائیاں لڑ چکے ہیں آپ؟

محمد قاسم۔ ہاں۔

لادی۔ تعجب ہے۔

محمد قاسم۔ تم مسلمانوں سے واقف نہیں ہو۔ اس وجہ سے اظہار تعجب کر رہی ہو مسلمانوں کا چھوٹے سے چھوٹا بچہ بھی پر جوش اور بہادر ہوتا ہے اس کے دل میں لڑائی کی امنگ ہوتی ہے وہ میدان کارزار کو بازیچۂ اطفال سمجھتا ہے۔

لادی۔ اس لئے آپ نے اتنی تھوڑی عمر میں نام پیدا کر لیا ہے۔ ہماری قوم میں اتنی عمر کے بچے تو گھر سے بھی نہیں نکلتے اور اسی وجہ سے آج تمام ہندوستان تعجب کر رہا ہے کہ سترہ سال کی عمر کا لڑکا فوج کا جرنیل بن کر آیا ہے۔

محمد قاسم لیکن زیادہ تعجب اس وقت کریں گے جب کہ خدا مجھ کو فتح دے گا۔

لادی۔ کیا آپ کو فتح کا یقین ہے؟

محمد قاسم۔ خدا کی ذات سے مکمل یقین ہے۔

لادی۔ لیکن یہ خیال کر لیجئے کہ ہندوؤں کا لشکر بہت زیادہ ہے۔

محمد قاسم۔ خدا ہماری مدد کرے گا۔

اب رانی کی لشکر گاہ قریب آگئی تھی۔ محمد قاسم رک گیا اور اس نے کہا رانی صاحبہ جائیے اور کوشش کیجئے کہ طاہرہ کو وہاں کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ مسلمان تمہارے مشکور ہوں گے۔

لادی۔ ہاں! میں اُسے تکلیف نہ ہونے دوں گی۔

وہ چلی گئی۔ محمد قاسم اور ان کے ساتھی واپس لوٹے۔ سپاہیوں کے پاس آئے قیدیوں کو ساتھ لے کر اپنے لشکر کی طرف روانہ ہوئے۔



بیسواں باب[20]

"حملہ"

محمد قاسم نے قلعے کے سامنے اپنا لشکر مقیم کر کے تمام مجاہدین کو خندق کھودنے کا حکم دے دیا تھا۔ خندق کھود دے جانے کے متعلق حجاج کا حکم آیا تھا۔ اس نے لکھا تھا کہ اپنے لشکر کے گرد بارہ[1] گز چوڑی اور چھ گز گہری خندق کھود لو تاکہ دشمنوں کی دستبرد سے محفوظ ہو جاؤ۔

چنانچہ مسلمانوں نے خندق کھود کر قلعہ کے سامنے ایک چھوٹا سا قلعہ بنا لیا تھا۔ انھوں نے اسی مٹی کو جو خندق میں سے نکلی تھی خندق کے احاطہ کے اندر اندر اس کے کناروں پر چاروں طرف ڈال ڈال کر پشتہ بنا لیا اور اس پشتہ سے ایک خام قلعہ بن گیا تھا۔

جس روز لاڈی سے مل کر اور چندر اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر کے محمد قاسم آیا۔ تو اس کے دوسرے ہی روز صبح کی نماز پڑھتے ہی اس نے لشکر کو تیار ہونے کا حکم دیا اور جب تمام لشکر مسلح ہو گیا تو اُسے خام قلعہ کے سامنے صف بستہ کر دیا۔ ہندوؤں نے انھیں دیکھا اور انھوں نے ایک شور عظیم بلند کرنا شروع کر دیا۔

غالباً وہ دیبل والوں کو اطلاع دے رہے تھے کہ آج مسلمان حملہ کرنے والے ہیں۔ لہذا ہوشیار ہو جاؤ۔ محمد قاسم نے لشکر سے آگے منجنیقوں کو جو ہلکی اور معمولی پتھر پھینکنے والی تھیں۔ کھڑا کر دیا۔

ابھی حملہ نہ ہوا تھا۔ تمام مسلمان خاموش کھڑے تھے اور قلعہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ مندر صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔

انھوں نے دیکھا کہ چند آدمی مندر کی چوٹی پر چڑھ گئے ہیں اور انھوں نے ایک بڑا علم

---

[1] از تاریخ ہند صفحہ ۱۲۴

اس کے کلس کی کلغی میں لگا دیا اور پھریرا اڑا دیا۔

یہ کلغی ایک لمبے بانس کی طرح پیتل کی تھی۔ پھریرا لگا کر وہ جلدی سے اتر گئے۔ اب پھریرے میں ہوا بھرنا شروع ہوئی اور وہ پھیلنے لگا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کے چار حصے ہو گئے۔

یہ پھریرا سبز حریر کا تھا اور اس کا ہر حصہ اتنا بڑا تھا کہ مندر سے فصیل تک پہنچ گیا تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ مندر بالکل قلعہ کے بیچ میں تھا اور مندر سے فصیل کئی فرلانگ پر تھی۔ اس لئے یہ سمجھ لیجئے کہ اس جھنڈے کا ہر پھریرا کئی فرلانگ لمبا اور اس لمبائی کے اندازہ سے چوڑا تھا۔

جب اس کے چاروں پھریرے کھل کر پھیل گئے تب وہ گردش[1] کرنے لگے اور اس طرح سے وہ تمام قلعے پر چھا گئے۔

مسلمان حیرت بھری نظروں سے اس علم اور اس کے پھریروں کی جانب دیکھنے لگے۔ دیکھتے رہے گاہ اس کی لمبائی اور چوڑائی کو اور گاہے اس کی لمبائی اور چوڑائی کو اور گاہے اس کی گردش کو۔

دراصل اتنا بڑا علم انھوں نے تو کیا کبھی کسی نے بھی نہ دیکھا ہوگا۔ دیبل والوں کا عقیدہ تھا کہ جب تک وہ علم قلعہ کے اندر گردش کرتا رہے گا اور اس کے پھریرے فصیل کو چھو کر چلتے رہیں گے اس وقت تک دیبل کا قلعہ ہرگز ہرگز فتح نہ ہو سکے گا۔

محمد قاسم نے تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور اس کے ساتھ منجنیقوں سے پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔

قلعے کی فصیل اس قدر بلند تھی کہ پتھر اس کے اوپر نہ پہنچتے تھے۔ بلکہ فصیل سے ہی ٹکرا ٹکرا کر رہ جاتے تھے۔ مگر مسلمان جس کام کو شروع کر دیتے تھے۔ اس کے نتیجے سے بے نیاز ہو کر برابر اسے کرتے رہتے تھے۔ چنانچہ اب بھی وہ برابر پتھر پھینک اور منجنیقوں کو آگے دھکیل رہے تھے۔

جب زیادہ زور و قوت سے انہوں نے پتھر پھینکے تو بعض بعض پتھر فصیل کے اوپر پڑنے لگے۔

یہ پتھر اس بلا کے تھے کہ جب کسی کے جا کر لگتے تھے تو اس کے سر و سینہ کو توڑ ڈالتے تھے۔

---

[1] تاریخ ہند صفحہ ۱۲۵

چنانچہ پتھروں کے فصیل پر پڑنے سے اس طرف کھڑے ہونے والے ہندو مجروح ہو ہو کر گرنے اور گر گر کر مرنے لگے۔

ہندو بھی خاموش نہ کھڑے تھے۔ بلکہ وہ اپنی پوری قوت سے تیر برسا رہے تھے اور فلاخنوں میں پتھر کے ٹکڑے رکھ رکھ پھینک رہے تھے۔ مگر ان کے تیروں یا پتھروں سے مسلمانوں کو اس لئے نقصان نہ پہنچ رہا تھا کہ اسلامی لشکر فاصلے پر تھا اور منجنیقوں کو دھکیلنے والے سپاہی ان چوبی برجوں کے پیچھے ان کے سائے میں تھے۔

ہندو فصیل پر کھڑے چیخ رہے تھے۔ غل مچا رہے تھے اور مسلمانوں کو گالیاں دے رہے تھے۔

ان کے شور سے تمام قلعہ۔ قلعے کے سامنے والا میدان اور ساری فضا گونج رہی تھی۔

مسلمان نہایت استقلال سے اپنے کام میں مصروف تھے۔ دوپہر ڈھلے تک صرف منجنیقوں سے ہی پتھر برسائے جاتے رہے۔ مگر جب آفتاب ڈھل گیا تو مسلمانوں نے سب سے پہلے ظہر کی نماز پڑھی اور نماز پڑھتے ہی گھوڑوں پر سوار ہو ہو کر قلعے کی طرف بڑھنا شروع کیا۔

گویا کہ اب عام دھاوا بول دیا گیا تھا۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کو حملہ کرتے ہوئے دیکھ کر اور بھی زور زور سے غل مچانا اور جلد جلد تیر اور پتھر برسانے شروع کر دیئے۔

چونکہ اب مسلمانوں نے بڑھنا شروع کر دیا۔ اس لئے تیر اور پتھر ان کے آ آ کر لگنے اور ان کو مجروح کرنے لگے تھے۔ مگر انھوں نے اس بات کی پرواہ تک بھی نہ کی۔

زخمی ہو رہے تھے اور بڑھ رہے تھے۔ بڑھتے جاتے تھے اور فصیل کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔ جب وہ قلعے کے زیادہ قریب پہنچ گئے تب محمد قاسم نے اپنے شانہ سے کمان اتار کر ہاتھ میں لے لی۔

محمد قاسم جھنڈا لئے سب سے آگے تھا۔ اس کے کمان ہاتھ میں لیتے ہی تمام لشکر نے کمانیں سنبھالیں اور تیر جوڑ جوڑ کر چلے کھینچ کھینچ کر فصیل پر تیروں کی بارش کرنے لگے۔

ان کے یہ بے پناہ تیر فصیل پر پہنچ پہنچ کر دشمنوں کے سر و سینوں میں ترازو ہونے لگے تیر اندازی میں مسلمانوں سے بڑھ کر کوئی بھی نہ تھا۔

ان کے تیر اس طرح کمانوں سے نکلتے تھے جیسے کہ وہ سب ایک ہی کمان سے نکلے ہوں اور چونکہ وہ برابر دوڑتے تھے اس لئے ہندوؤں کو بچنے کی کوئی گنجائش نہ ملی تھی۔

تیروں کی ہر باڑھ سے ہندو زخمی ہو ہو کر گرتے تھے اور گرتے ہی تڑپنے لگتے تھے گاہ بگاہ ایک دو مسلمان بھی مجروح ہو کر گھوڑوں سے گر پڑتے تھے۔

ان گرنے والوں کو لوگ فوراً ہی اٹھا کر لے جاتے تھے اور ان کے زخموں پر پٹی کس کر انہیں ایک طرف لٹا دیتے تھے۔ فریقین کے سرفروش زخمی ہوتے تھے۔ جنگ کا زور اور بڑھتا جاتا تھا۔

جب عصر کا وقت ہوا۔ تو محمد قاسم نے جنگ بند کر کے پیچھے ہٹنے کا حکم دیا اور اب اسلامی لشکر پیچھے ہٹنے لگا۔

ہندوؤں نے اور بھی شور مچا مچا کر پھرتی اور تیزی سے تیروں اور سنگریزوں کی بارش شروع کی۔ لیکن اب مسلمان اس قدر پیچھے ہٹ آئے تھے کہ ان کو ان سے کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔

چونکہ عصر کا وقت تنگ ہوتا جاتا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے ہٹتے ہی سب سے پہلے وضو کر کے نماز پڑھنا شروع کی۔

جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو منجنیقوں کو جنھیں وہ میدان جنگ ہی میں چھوڑ آئے تھے۔ لانے کے لیے بہت سے مسلمان چلے۔ ہندو ابھی تک قلعے کی فصیل پر تاک لگائے بیٹھے تھے وہ جانتے تھے کہ مسلمان منجنیقوں کو لینے کے لیے آئینگے۔

چنانچہ جونہی مسلمان انھیں لانے کے لئے بڑھے فوراً ہندوؤں نے شور کر کر کے پھر تیر افگنی اور سنگ اندازی شروع کر دی اور اس کثرت سے کی کہ مسلمانوں کو منجنیقوں تک پہنچنا دشوار ہو گیا۔ لیکن جس طرح سے بھی ممکن ہو سکا وہ ان تک پہنچے اور انھیں کھینچ کر واپس لانے لگے۔

آخر کھینچ لائے۔ محمد قاسم نے ان کو اس حصار میں لے جانے کا حکم دیا۔ جو انھوں نے خندق کھود کر قائم کیا تھا۔ منجنیقیں ایسی وزنی تھیں جن کا لے جانا دشوار تھا۔ چنانچہ بہت سے مسلمان لپٹ گئے اور انھیں دھکیلتے ہوئے حصار میں لے گئے۔

اس کے بعد زخمیوں کو لے جایا گیا اور پھر لشکر۔ اب صرف محمد قاسم اور اس کے خاص رسالہ کے چند سوار اس کے گرد باقی رہ گئے تھے۔ اس وقت آفتاب غروب ہونے کے قریب پہنچ گیا تھا۔

چونکہ مغرب کی نماز کا وقت آگیا تھا۔ اس لئے یہ لوگ بھی روانہ ہوئے۔ لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ کسی نے آواز دے کر پکارا۔ وہ پھر پھر کر دیکھنے لگے۔ انھوں نے کسی شخص کو آتے ہوئے دیکھا۔ چونکہ جھٹ پٹا سا وقت ہو گیا تھا اور آنے والا ابھی دور تھا۔ اس لئے وہ بھی نہ سمجھ سکے کہ وہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے۔ ان کو خیال ہوا کہ شاید کوئی مسلمان ہے جو مجروح ہو کر گھوڑے سے گر گیا ہے۔ مگر یہ خیال فوراً ہی اس وجہ سے دور ہو گیا کہ آنے والا اس طرف سے نہ آ رہا تھا۔ جس طرف جنگ ہو رہی تھی بلکہ اس کی مخالف سمت سے آ رہا تھا۔ یہ سب حیران ہو کر اسے دیکھنے لگے۔

اکیسواں باب ۲۱

"ابی محمد قاسم کے حضور میں"

چونکہ آفتاب بالکل ہی حجلہ مغرب کے قریب پہنچ گیا تھا اور اس کی آخری شعاعیں بھی سمٹ سمٹ کر فضا میں غائب ہوتی چلی جا رہی تھیں اس لئے اندھیرا پھیلنے لگا تھا۔ اگرچہ چاندنی راتیں تھیں۔ لیکن آفتاب چھپ رہا تھا اور ماہتاب ابھی روشن نہ ہوا تھا۔ اس لئے ابھی اندھیرا ہی اندھیرا پھیلتا جاتا تھا۔ محمد قاسم اور اس کے چند جاں نثار کھڑے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ چونکہ ان کو نماز کی جلدی تھی۔ اس لئے وہ چاہتے تھے کہ آنے والا بہت جلد قریب آ جائے تاکہ وہ معلوم کر لیں کہ وہ کون ہے اور کیا کہنا چاہتا ہے مگر وہ شخص ان سے اب بھی دور تھا۔

اگرچہ وہ بھی تیزی سے ہی بڑھا چلا آ رہا تھا۔ مگر فاصلہ زیادہ ہونے کی وجہ سے پاس نہ آسکا تھا۔ یہ لوگ ابھی آنے والے کو ہی دیکھ رہے تھے اسلامی لشکر میں اذان ہو گئی۔

اذان کی آواز سنتے ہی سب بے قرار ہو گئے اس لئے کہ ان کو یہ مسئلہ معلوم تھا کہ جب مسلمان اذان کی آواز سنے تو سارے کام چھوڑ کر فوراً نماز پڑھنے کے لئے چلا جائے۔

وہ جلد سے جلد نماز میں شریک ہونا چاہتے تھے۔ اس کے علاوہ محمد قاسم اس لشکر کا سردار تھا اور اس زمانہ میں یہ باقاعدہ تھا کہ سردار ہی نماز پڑھایا کرتا تھا۔

یہ قاعدہ اس وجہ سے مقرر کیا گیا کہ سردار اس شخص کو بنایا جاتا تھا جو زیادہ پرہیز گار اور عبادت گزار ہوتا تھا۔ اس لئے اُسے نماز پڑھانا تھی جس وجہ سے اسے ایک ایک سیکنڈ شاق گزر رہا تھا۔

آخر خدا خدا کر کے آنے والا ہی آ گیا۔ سب نے اُسے دیکھا۔ وہ ہندو تھا اور ہندوؤں کے مخصوص لباس میں تھا۔ ہم لکھ چکے ہیں کہ ہندوؤں کا کوئی خاص لباس نہ تھا

خاص و عام حتی کہ امراء و وزراء اور راجہ تک نیم برہنہ رہتے تھے۔ گویا اس وقت ان کی تہذیب ہی یہ تھی۔

وہ ایک معمولی دھوتی جو گھٹنوں تک ہوتی تھی باندھے تھے اور باقی خیر سلہ تھی۔ یعنی باقی بدن ننگا رہتا تھا۔ امراء اور راجہ موتیوں اور جواہرات کے زیورات یا ہاروں سے گلے سے لے کر ناف تک بدن کو ڈھک لیا کرتے تھے۔ بات یہ ہے کہ نہ ہندوستان پر کوئی قوم چڑھ کر آئی تھی اور نہ ہندوؤں کو باہر جانے کا حوصلہ ہوا تھا۔ اس لئے وہ جانتے ہی نہ تھے کہ ستر پوشی کس طرح کی ہوتی ہے اور مہذب اقوام کی معاشرت کیا ہے۔ ان کے آباد اجداد ننگے رہتے چلے آئے تھے۔ لہذا وہ بھی ننگے رہتے تھے۔

اگر خود ستائی نہ سمجھی جائے تو حقیقت یہ ہے کہ ہندوؤں نے تہذیب تمدن اور اور معاشرت میں جو کچھ بھی ترقی کی وہ مسلمانوں ہی کی رہین منت ہے۔

خیر مطلب یہ ہے کہ جہاں ہندوؤں کی مخصوص پوشش کا ذکر آئے وہاں قارئین کرام سمجھ لیا کریں کہ صرف ایک دھوتی باندھے ہوئے تھا۔

آنے والے ہندو نے زمین تک جھک کر محمد قاسم کو سلام کیا۔ مسلمانوں نے فوراً اسے روک کر لیا۔ ہندی برادر! اس قدر جھکنا جس سے کہ سجدہ کی شان ظاہر ہو گناہ عظیم ہے۔

ہندی نے کھڑے ہو کر کہا۔ سلام کرنے کا جو طریقہ ہمارے یہاں رائج ہے۔ میں نے اسی طریقہ سے سلام کیا ہے۔

محمد قاسم نے کہا۔ مسلمان اس طرح سے سلام کرنے کو سخت ناپسند کرتے ہیں اور اس لئے آیندہ احتیاط رکھو کسی کو اس طرح سے سلام نہ کرنا۔

ہندو خوف زدہ معلوم ہوتا تھا۔ اس نے کہا بہت اچھا۔ ایسا نہ کروں گا۔

محمد قاسم۔ تم کس لئے آئے ہو؟

ہندو۔ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔

محمد قاسم۔ معاف کرنا نماز کا وقت ہو گیا ہے اس وقت میں یا کوئی مسلمان آپ سے بات تک بھی نہیں کر سکتے۔ البتہ اگر تم اتنی دیر ٹھہرو کہ ہم نماز پڑھ لیں تو پھر تم سے باتیں کر سکتے ہیں۔

ہندو۔ مگر میں اس لشکر کے سردار سے باتیں کرنا چاہتا ہوں۔

ایک مسلمان نے کہا۔ لشکر کے سردار بھی تو یہی ہیں ۔جو کہ تمہارے سامنے کھڑے ہیں
ہندو محمد قاسم کو دیکھ کر حیران رہ گیا اور اس نے کہا۔
اس تھوڑی سی اوستھا (عمر) میں آپ سردار ہو کر آئے ہیں تعجب ہے میں نے سنا تھا کہ تو عمر سردار ہو کر آیا ہے۔ میں نے سمجھا تھا کہ کوئی نوجوان ہوگا۔ مگر آپ تو بالکل بالک (لڑکا) ہی ہیں۔
محمد قاسم نے مسکراتے ہوئے کہا۔ میری عمر سترہ برس کی ہے مسلمانوں میں اس عمر کے لڑکے میدان جنگ میں واد شجاعت دیا کرتے ہیں۔ لہذا میں بھی اپنی شجاعت و مردانگی کے جوہر دکھانے کے لئے آیا ہوں۔
ہندو۔ یہ زندہ اور ترقی یافتہ اقوام کی نشانی ہے۔ جو قوم جفاکش ہوتی ہے اس کے مرد۔ نوجوان۔ بڈھے۔ بچے اور عورتیں وغیرہ سب ہی جفاکش اور بہادر ہوتے ہیں۔
محمد قاسم۔ اگر تم مجھ سے باتیں کرنے کے خواہش مند ہو تو میرے ساتھ چلو۔ نماز پڑھ کر تم سے باتیں کر سکتا ہوں
ہندو۔ میں نہایت ضروری باتیں کرنے کے لئے آیا ہوں چلئے اور آپ پہلے نماز پڑھ لیجئے۔
یہ سب چلے اور حصار میں پہنچے۔ اذان ختم ہو چکی تھی اور تمام مسلمان محمد قاسم کا انتظار کر رہے تھے۔ محمد قاسم بھی پہنچ گیا اور اس نے جلدی جلدی سے وضو کر کے نماز پڑھانا شروع کی۔
ہندو ایک طرف کھڑا ہو کر دیکھنے لگا۔ ہزاروں مسلمان تھے جو کہ دور تک پھیلے ہوئے تھے کئی صفیں تھیں۔
جب سب کھڑے ہوتے۔ رکوع اور سجدہ میں جاتے تو عجب دلفریب منظر ہوتا۔ ہندو نہایت حیرت و استعجاب سے ان کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھتا رہا۔ جب نماز ختم ہو گئی تب محمد قاسم اسے اپنے ہمراہ لے کر اپنے خیمے پر آیا۔
ہندوستان کے راجہ ہی نہیں بلکہ عام سردار اور امیر نہایت ٹھاٹھ سے رہتے تھے۔ مسندوں پر بیٹھتے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ لباس نہ پہنتے تھے۔ مگر تمول ظاہر کرنے کے لئے جواہرات کے زیورات ضرور استعمال کرتے تھے۔ ہندو کا یہ خیال تھا کہ مسلمانوں کا سپہ سالار بھی نہایت شان و شکوہ سے رہتا ہوگا۔ لیکن جب وہ ان کے خیمے پر پہنچا۔

اور اس نے دیکھا کہ خیمے کے اندر صرف کمبلوں کا فرش ہو رہا ہے نہ مسند ہے نہ تکیہ ہے نہ روشنی ہے تو وہ حیران رہ گیا۔

محمد قاسم کے خیمے کے سامنے آگ روشن ہو رہی تھی۔ آگ کی روشنی کا عکس خیمہ میں پڑ رہا تھا۔ اس عکس سے ہی کچھ اجالا ہو رہا تھا۔

محمد قاسم ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے ہندو کو بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا اور اشارہ پاتے ہی ہندو بھی بیٹھ گیا۔

اس نے بیٹھتے ہی کہا۔ میں نے سنا تھا کہ مسلمان مالدار ہیں۔ میں سمجھتا تھا کہ آپ نہایت شان و دبدبہ سے رہتے ہوں گے۔ لیکن اب دیکھنے سے معلوم ہوا کہ معاملہ ہی برعکس ہے۔

محمد قاسم نے کہا ہمارے نبی حضرت محمد ﷺ عمر بھر کے لئے دنیا ہی سادہ طریقے سے رہتے تھے کبھی آپ نے ریشم نہ پہنا تھا اور نہ کبھی کوئی زیور استعمال کیا۔ کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا۔ کبھی گداز و نرم بستر پر نہیں سوئے۔

حالانکہ اگر آپ چاہتے تو بہترین ریشم کی پوشاکیں۔ بیش قیمت زیورات پہن سکتے تھے۔ اچھے سے اچھا کھانا کھا سکتے تھے۔ مگر آپ نے ان تمام دنیاوی تکلفات کو برا سمجھا۔ اس لئے ہم مسلمان ان کی تقلید کرتے ہیں اور مسلمان وہی ہے جو رسول خدا کے طریقہ پر چلے۔

ہندو۔ بلاشبہ ہر مذہب والے کو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر ہی چلنا چاہیئے۔

محمد قاسم۔ تم کون ہو؟

ہندو۔ میں ایک پنڈت ہوں اور میرا نام ابی ہے اور میں اس مندر کا پجاری ہوں۔ جو سب سے اونچا اور قلعہ کے باہر سے نظر آتا ہے۔

محمد قاسم۔ آپ کس لئے آئے ہیں؟

ابی۔ اس لئے کہ اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے امان حاصل کروں۔

محمد قاسم۔ آپ کو امان حاصل کرنے کا خیال کیوں ہوا؟

ابی۔ اس لئے کہ ہماری جوتش کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ملک سندھ کو مسلمان فتح کرلینگے

محمد قاسم۔ کیا تمہارا راجہ داہر اس بات کو نہیں جانتا؟

ابی۔ اچھی طرح سے جانتا ہے۔ لیکن برا وقت آنے والا ہے اور اس وجہ سے اس کی عقل جاتی رہتی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا میں تم کو اور تمہارے اہل وعیال کو نیز ہر اس شخص کو جس کی طرف تم اشارہ کرو گے امان دیتا ہوں۔

ابی یہ سن کر نہایت مشکور ہوا اور اس نے کہا۔

میں نے یہ بھی سنا تھا کہ مسلمان نہایت نیک ہوتے ہیں اور میں نے آج دیکھ لیا ہے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمد قاسم۔ کیا اور کچھ بات کہنا ہے؟

ابی۔ آپ کی خوش اخلاقی دیکھ کر میرا جی چاہتا ہے کہ میں آپ کو وہ طریقہ بتادوں جس سے کہ آپ دیبل کا قلعہ فتح کر لیں۔

محمد قاسم۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔ ہم اس صلہ میں آپ کی خدمت بھی کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ابی۔ اس کی ضرورت نہیں ہے آپ نے مجھے اور میرے بچوں کو امان دے دی ہے۔ میرے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا بتائیے: قلعہ کس طرح سے فتح ہو گا؟

ابی۔ آپ نے وہ جھنڈا دیکھا ہے جو کہ مندر کے اوپر لہرا رہا ہے اور جس کے چار پھریرے سارے قلعے پر اڑتے رہتے ہیں۔

محمد قاسم۔ ہاں دیکھا ہے۔

ابی۔ دیبل کے ہندوؤں کا اعتقاد ہے کہ جب تک وہ جھنڈا جاتی اور سالم رہے گا اس وقت دیبل کو کوئی فتح نہ کر سکے گا۔ اگر آپ کسی ذریعہ سے اس جھنڈے کو گرا دیں تو اسی وقت دیبل والے اپنی شکست مان لیں گے۔ اور قلعہ آپ کے سپرد کر دیں گے۔

محمد قاسم۔ انشاءاللہ میں کل ہی جھنڈے کو اڑا دوں گا:

ابی۔ بس توکل ہی آپ کو فتح ہو جائے گی

محمد قاسم۔ میں آپکا پھر شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کیا مہربانی کر کے آپ مجھے ایک بات بتا دیں گے۔

ابی۔ کیا؟

محمد قاسم۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک پر کیوں لشکر کشی کی ہے۔

ابی ۔ میں نے سنا ہے کہ داہر کے سپاہیوں نے چند مسلمانوں کو گرفتار کر لیا ہے اور ان کو آزاد کرانے کے لئے آپ حملہ آور ہوئے ہیں ۔

محمد قاسم ۔ آپ نے بالکل ٹھیک سنا ہے ۔ یہ لشکر ان کو ہی رہائی دلانے کے لئے آیا ہے ۔

ابی ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں بہت زیادہ الفت و محبت ہے ۔

محمد قاسم ۔ ہر مسلمان ! ہر مسلمان کا بھائی ہے ایک بھائی یہ کیسے دیکھ سکتا ہے کہ دوسرا بھائی مصیبت میں گرفتار رہے ۔

ابی ۔ بے شک بھائی کبھی اپنے بھائی کو مصیبت میں نہیں دیکھ سکتا ۔

محمد قاسم ۔ میں نے سنا ہے کہ مسلمان بھی اسی قلعہ میں ہیں ۔

ابی ۔ آپ نے ٹھیک سنا ہے کہ مسلمان مندر کے قریب ایک گنبد ہے اس کے تہ خانے میں قید ہیں اور میں ہی ان کا محافظ و خبر گیر ہوں ۔ اُن کے ہی کہنے سے مجھے حوصلہ ہوا ہے کہ میں امان مانگنے آپ کے پاس چلا آیا ۔

محمد قاسم ۔ وہ سب تو اچھی طرح سے ہیں ۔

ابی ۔ ہاں ! اچھی طرح ہیں ۔

محمد قاسم ۔ ان سے کہہ دیجئے گا کہ ہم انھیں چھڑانے کے لئے آئے ہیں ۔

ابی ۔ انہیں خود یہ بات معلوم ہے ۔

محمد قاسم ۔ بس تو آپ ان سے ہمارا اسلام کہہ دیجئے ۔

ابی ۔ بہت بہتر اچھا آپ مجھے اجازت دے دیجئے ۔

محمد قاسم ۔ چونکہ آپ ہماری امان میں آ گئے ہیں اس لئے آپ کی حفاظت ہم پر فرض ہو گئی ہے ۔ میں آپ کے ہمراہ کچھ سوار کئے دیتا ہوں ۔ تاکہ وہ آپ کو قلعہ تک پہنچا آویں ۔

ابی ۔ یہ تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں ہے میں خود ہی چلا جاؤں گا ۔

محمد قاسم ۔ آپ کی مرضی ۔

اب ابی اٹھا اور سلام کر کے چلا گیا ۔ اس کے جانے کے بعد محمد قاسم بھی آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا ۔

بائیسواں باب ۲۲

"عصمت مآب دوشیزہ"

راجہ داہر اور رانی لادی جس وقت طاہرہ کے کمرے میں سے چلے گئے تو اس نے فوراً ہی تمام زیورات، شلوکہ اور ساڑھی وغیرہ سب اتار کر رکھ دیئے اور اپنے میلے کپڑے پہن لئے۔
طاہرہ کو عزیزوں کے چھٹنے کا افسوس تھا اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ جو لوگ دیبل رہ گئے تھے۔ ان کا کیا حشر ہوا۔ جب راجہ داہر اسے زبردستی اپنے رتھ میں ڈال کر بیل سے لایا تھا۔ اس وقت اسلم فرط رنج وقلق سے بے ہوش ہو گیا تھا۔
اُسے اسلم سے محبت تھی۔ پھر اس کا حال نہ معلوم ہوا تھا۔ اس وجہ سے وہ اور بھی غم زدہ رہتی تھی۔ یہاں ابھی تک اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی تھی۔ نہایت آرام سے رہتی تھی۔ جو آسائش کا سامان رانیوں کے لئے تھا۔ وہی اس کے لئے بھی تھا۔ مگر وہ مسلم دوشیزہ تھی اس نے ان لوگوں میں پرورش پائی تھی جو نہایت سادہ طریقے پر رہتے تھے۔ معمولی کپڑے پہنتے تھے اور بہت کم زیورات استعمال کرتے تھے۔
طاہرہ کو شروع ہی سے نہ کپڑوں کا شوق تھا نہ زیورات کا۔ وہ بچپن ہی سے ان چیزوں کی طرف راغب نہ تھی۔
معمولی قسم کے کپڑے اور معمولی زیورات پہنتی تھی اور چونکہ خدا نے اسے حسن کی دولت سے مالا مال کر رکھا تھا۔ اس وجہ سے وہ ہر حالت میں حسین وجمیل معلوم ہوتی تھی۔
جو عورتیں یا لڑکیاں اچھے کپڑے۔ اچھے زیورات اور اچھے کھانوں کی خواہش مند ہوتی ہیں۔ ان کو اطمینان قلب نصیب نہیں ہوتا۔ ان کی نیتیں بھٹکتی رہتی ہیں اور بدنیتی کی وجہ سے ایمان میں خلل آجاتا ہے۔
عورتوں کا بہترین زیور ان کی عصمت وعفت اور نیکی۔ پرہیزگاری نیز عبادت گزاری ہے۔

آنحضور صلعم کی پیاری بیویوں نے جو امہات المومنین (تمام مسلمانوں کی مائیں تھیں) اور جن کے لئے اعلیٰ قسم کے زیورات اور اعلیٰ قسم کے کپڑے تیار ہو سکتے تھے۔ کبھی اچھے کپڑے اور اچھے زیورات نہیں پہنے۔

حضور کی صاحبزادی خاتون جنت حضرت فاطمہؓ نے جن کے ایک ادنیٰ اشارے پر سب کچھ مہیا ہو سکتا تھا۔ کبھی اچھے کپڑے! اچھے زیورات اور اچھا کھانا کھانے کی خواہش تک نہ کی۔ نیز اور بھی جس قدر ولی اللہ بیبیاں گزری ہیں۔ وہ سب معمولی کپڑے اور معمولی زیورات پہنتی تھیں۔

جب ایسی خواتین نہایت سادے طریقے سے رہتی تھیں تو کون مسلم خاتون اور لڑکی ہے جو سادہ رہنا پسند نہ کرے گی اور جو تکلفات کو پسند کرے ضرور اس کے ایمان میں کچھ نہ کچھ کمزوری ہوگی۔ مسلمان عورت ہو یا مرد۔ لڑکا ہو یا لڑکی! سچا مسلمان وہی ہے جو اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلے۔

طاہرہ نے لادی کے جانے کے بعد دو ہی روز بعد اپنے کپڑے تیار کر لئے اور تیسرے روز کپڑے بدل کر ایک جوڑا اور تیار کرنے لگی۔

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ طاہرہ ریشمین کپڑوں کو پسند نہ کرتی تھی لیکن وہاں اسے ریشمین کپڑے ہی ملے اور اسے مجبوراً انہی کی پوشاک سی کر پہننا پڑی۔ ان ریشمین کپڑوں میں وہ اور بھی شعلۂ جوالہ بن گئی۔ اس کا رنگ پھوٹ نکلا اور وہ رشک حور بن گئی۔

اگرچہ وہ بلا روک ٹوک نماز پڑھتی تھی۔ مگر اسے یہ افسوس تھا کہ کفرستان میں آگئی تھی۔ صبح آفتاب طلوع ہونے کے وقت اور رات کو آفتاب غروب ہونے کے کچھ دیر بعد سارے محل میں جھانجھ۔ ناقوس اور گھنٹے بجنے لگتے تھے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ محل کے چاروں طرف ہر رانی کا مندر جدا جدا بنا ہوا تھا۔ ہر مندر میں دونوں وقت ناقوس اور گھنٹے بجنے لگتے تھے یہ آوازیں طاہرہ کو ناگوار گزرتی تھیں لیکن وہ کچھ نہ کر سکتی تھی۔ دو تین روز گزرنے کے بعد اس نے ایک جوڑا اور تیار کر لیا۔ اس کے بعد تیسرا سینے لگی۔ دراصل اسے کوئی شغل چاہیئے تھا اور وہ اسی شغل میں محو تھی دن بھر اپنے کمرے میں بیٹھی سیتی رہتی اور عشا کی نماز پڑھ کر سو جاتی۔ اگرچہ راجہ داہر نے اسے بہت سے بیش قیمت زیورات دے رکھے تھے اس کے علاوہ رانی لادی کے وہ تمام زیورات اس کے پاس تھے۔

جو اس نے خود لا کر اسے پہنائے تھے۔ مگر اس روز کے بعد اس نے پھر کبھی کوئی زیور نہیں پہنا تھا۔ تمام زیورات کو نہایت احتیاط سے رکھ دیا تھا۔ راجہ داہر نے جو کنیزیں اس کی خدمت پر مامور کی تھیں وہ بے کار بیٹھی رہتی تھیں۔

طاہرہ کبھی کسی سے کام نہ لیتی تھی بلکہ ہر کام خود ہی کر لیتی تھی۔ یہ کنیزیں اگرچہ ہندو تھیں مگر ان کو طاہرہ سے بے حد محبت ہو گئی تھی۔ اور وہ ہر وقت اس کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھیں اور اسے چھیڑ چھاڑ کر ہنسانے کی کوشش کرتی تھیں۔ مگر طاہرہ کو ہنسی نہ آتی تھی۔ وہ بالکل اس طرح قید میں تھی۔ جیسے ایک خوب صورت چڑیا کو پنجرے میں بند کر دیا جائے۔

ایک روز وہ اپنے کمرے میں بیٹھی کپڑے سی رہی تھی۔ دو تین کنیزیں اس کے پاس آ بیٹھیں۔ آفتاب کو طلوع ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ نرم گرم دن تھے۔ آفتاب کی شعاعیں سامنے والے دریچوں سے آ آ کر اس کے روشن چہرے پر پڑ رہی تھیں۔ جس سے اس کے چہرے میں بجلیاں سی بھر گئی تھیں اور وہ بہت زیادہ چمکنے لگا تھا۔ کنیزیں اس کے جگمگاتے ہوئے چہرہ کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ وہ مسند پر بیٹھی سر جھکائے شلوار سی رہی تھی کہ راجہ داہر آ گیا۔ وہ دبے قدموں آ کر کھڑا ہو گیا تھا اور بوالہوسانہ نظروں سے طاہرہ کے دلفریب چہرہ کو دیکھنے لگا تھا۔ طاہرہ کو اس کے آنے کی مطلق خبر نہ ہوئی وہ برابر سر جھکائے سیتی رہی۔ اتفاق سے کنیزوں کی نظر راجہ پر پڑ گئی۔ وہ گھبرا کر جلدی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئیں۔

ان کے گھبرا کر اٹھنے سے طاہرہ کی نظریں بھی اٹھ گئیں اور اس نے بھی راجہ داہر کو دیکھ لیا۔ وہ بھی گھبرا گئی اور اس کے چہرے کا شہابی رنگ اڑنے لگا۔ نازک لبوں پر خشکی دوڑنے لگی۔ وہ بے پروائی کے عالم میں بیٹھی تھی۔ مگر اسے دیکھنے کے ساتھ ہی سمٹ کر بیٹھ گئی۔

اب راجہ داہر بڑھ کر اس کے سامنے اکھڑا ہوا۔ طاہرہ بیٹھی رہی اور سر جھکائے ہوئے کپڑے کی طرف دیکھنے لگی۔

داہر بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا اور وہ گرم نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔

تم سی رہی ہو طاہرہ ؟

طاہرہ اس سے ہم کلام ہونا نہیں چاہتی تھی لیکن خاموش رہنے سے بد اخلاقی سمجھ کر اس نے کہا۔ "ہاں میں سی رہی ہوں۔

داہر۔ ان کنیزوں سے کیوں نہ سلوا لیا؟

طاہرہ میں اپنا کام خود کرنا پسند کرتی ہوں۔

داہر مگر تم نے زیورات کیوں نہیں پہنے۔

طاہرہ اس لئے کہ مجھے زیورات سے رغبت نہیں ہے۔

داہر مگر ایک روز تم نے پہن رکھے تھے۔

طاہرہ مہارانی لاڈی نے اصرار کر کے پہنا دیئے تھے۔

داہر آج میرے کہنے سے پہن لو۔

طاہرہ نہیں میں نے اب زیورات نہ پہننے کا تہیہ کر لیا ہے۔"

داہر نے کنیزوں کی طرف ایسی نگاہوں سے دیکھا کہ جس سے پایا جاتا تھا کہ وہ انہیں وہاں سے ٹالنا چاہتا ہے۔

کنیزیں یہ دیکھ کر فوراً سمجھ گئیں اور اٹھ کر چلی گئیں۔

اب داہر ذرا اور طاہرہ کے قریب ہو گیا اور اس نے کہا۔ طاہرہ مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے ۔۔ ۔۔ ۔۔ ایسی محبت کہ آج تک کبھی کسی سے نہ ہوئی تھی۔ میں چاہتا ہوں کہ تم ملک سندھ کی مہارانی بنو اور تمہارے سامنے تمام رعایا کا سر خم کراؤں۔

طاہرہ نے کہا۔ میں اس اعزاز کے قابل ہوں تم کو شاید معلوم نہیں کہ تم کس قدر خوب صورت ہو۔۔ ۔۔ تم اس قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔ سارا زمانہ تمہارے قدموں پر سر جھکائے۔

طاہرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ داہر نے پھر کہا۔ میں نے آج تک تم سے بڑھکر تو کیا تم جیسی حسینہ بھی نہیں دیکھی اور اگرچہ میرے کئی رانیاں ہیں اور ہزاروں خوب صورت کنیزیں ہیں مگر وہ سب تمہارے سامنے ستارے۔ تم میری بن جاؤ اور میں تمہارا پرستار بن جاؤں۔

طاہرہ! اب بھی خاموش رہی۔ داہر نے بڑھکر اس کے نازک ہاتھ پکڑنے چاہے۔ مگر مگر طاہرہ فوراً پیچھے ہٹ گئی۔ اسے سخت غصہ آگیا اور اس نے تیز نظروں سے داہر کو دیکھ کر کہا

یہ کیا حرکت ۔ ۔ ۔ ۔ ؟

داہر جھجکا۔ لیکن جانتا تھا کہ طاہرہ اس کی قیدی ہے۔ لہٰذا اس نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ غصہ نہ کرو طاہرہ آخر تو تم کو میری رانی بننا ہی ہے۔

طاہرہ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔ چھوڑ دو میرا ہاتھ چھوڑ دو۔

داہر نے اسکی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ ضد نہ کرو تم تو میری قیدی ہو۔

طاہرہ۔ آہ! ہٹو ہٹو! مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔

داہر نے اُسے اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا۔ طاہرہ! بے وقوف نہ بنو۔ اگر تم میری مرضی پر چلو گی تو دنیا کی دولت۔ عزت۔ ثروت۔ حشمت تمہارے قدموں پر ہو گی۔

طاہرہ نے پیچ و خم کھاتے ہوئے کہا۔ آہ! میں کچھ نہیں چاہتی مجھے سب سے زیادہ اپنی عصمت عزیز ہے اور میں اسے ہی چاہتی ہوں۔

داہر نے بگڑتے ہوئے کہا۔ عصمت: نادان لڑکی عصمت۔ کے رہتے ہوئے عزت اور دولت نہیں مل سکتی۔

طاہرہ۔ اور مجھے ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔

داہر۔ اگر تم بخوشی رضامند نہ ہو گی تو پھر جبر کیا جائے گا۔

طاہرہ اٹھ کر کھڑی ہو گی اور اس نے جوش و غضب سے کہا۔ جبر! ۔ ۔ ۔ جبر! تم جبر کر کے میری جان لے سکتے ہو۔ مگر عصمت نہیں لے سکتے۔

داہر بھی غصہ سے بھر کر کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا مگر تیری عصمت اسی وقت تاراج کی جائے گی۔

یہ کہتے ہی اس نے طاہرہ کو پکڑ کر اپنے قابو میں کرتے ہوئے ایک ہاتھ سے اس کا منہ اوپر اٹھایا۔

طاہرہ یہ سمجھ کر کہ وہ اس کا منہ چومنا چاہتا ہے تڑپ گئی۔ اس نے اپنی پوری قوت صرف کر کے زور لگایا۔ لیکن وہ نازک اندام تھی اور داہر کی گرفت سے آزاد نہ ہو سکی۔

داہر اپنا منہ اس کے چہرے کی طرف بڑھاتا جا رہا تھا۔ اس پر شیطان سوار ہو گیا تھا اور وہ خواہشات سے مغلوب و مجبور ہو رہا تھا۔ اب طاہرہ نے بصد مشکل اپنے ہاتھ چھڑا لئے اور اس نے اپنے سینے کے پاس ہاتھ لے جا کر خنجر کھینچا۔

جونہی کہ داہر کی نظر خنجر پر پڑی۔ وہ گھبرا گیا اور اس نے جلدی سے اسے چھوڑ دیا۔ طاہرہ ایک طرف دیوار سے لگ کر کھڑی ہو گئی۔ چونکہ اس نے اپنی رہائی کے لئے جدوجہد کی تھی اس لئے اس کا سانس پھول گیا تھا اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ نتھنے پھڑک رہے تھے۔ وہ اس وقت اور بھی حسین معلوم ہونے لگی تھی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا اور وہ خنجر لئے کھڑی تھی۔ داہر کھڑا اسے نہایت غضب ناک نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور گھور رہا تھا۔

کچھ سوچ کر اس نے تلوار کھینچی اور کہا! کیا تو چاہتی ہے طاہرہ کہ میں تیرا خاتمہ کر دوں۔

طاہرہ نے کہا۔ بے عزتی کی زندگی سے موت ہزار درجہ بہتر ہے۔

داہر۔ اب ابھی سمجھ لے ایک طرف دولت ہے عزت ہے اور دوسری طرف موت ہے ذلت ہے۔

طاہرہ۔ جس کو تم ذلت کہتے ہو وہ عصمت مآب کے لئے عزت ہے اور جسے تم موت کہتے ہو وہ عزت کی زندگی ہے۔

داہر نے بگڑ کر کہا۔ اچھا! تم مرنا ہی چاہتی ہو تو تیار ہو جاؤ۔

داہر تلوار لے کر بڑھا۔ اس کا خیال تھا کہ طاہرہ ڈر جائے گی۔ لیکن وہ مطلق بھی نہ ڈری۔ اور خنجر ہاتھ میں لئے بدستور کھڑی رہی۔ داہر نے اس کے قریب جا کر اس پر تلوار کا ہاتھ مارا۔ طاہرہ جلدی سے اچھل کر وہاں سے دور جا کر کھڑی ہوئی۔ داہر پھر اس کی طرف لپکا اور اس نے پھر حملہ کرنا چاہا۔

دفعتاً آواز آئی کہ ٹھہرو راجن۔

اس آواز کو سن کر داہر اور طاہرہ دونوں آئینہ وار حیران کھڑے کے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔

تیئسواں باب ۲۳

شیرانِ اسلام کی جانبازانہ یورش

جب پنڈت آپ محمد قاسم سے رخصت ہو کر چلا گیا۔ تو وہ آرام کرنے لگا۔ تھوڑی دیر کے بعد عشاء کی نماز پڑھ کر آیا اور غلام کو بھیج کر جعوبہ کو بلایا۔ جعوبہ ایک پر جوش مجاہد تھا۔ وہ عروسک نامی منجنیق کو چلایا کرتا تھا۔

غالباً ناظرین کرام بھولے نہیں ہوں گے کہ منجنیق عروسک خلیفہ ولید کی تھی جو کہ خاص طور پر اسی مہم کے لئے بھیجی گئی تھی۔

جب جعوبہ آگیا اور سلام کر کے بیٹھ گیا۔ تب محمد قاسم نے اس سے دریافت کیا۔ تم نے وہ جھنڈا دیکھا ہے جو دیبل کے مندر پہ لہرا رہا ہے؟

جعوبہ نے جواب دیا۔ جی ہاں دیکھا ہے آپ شاید اس جھنڈے کا ذکر کر رہے ہیں جو کہ تمام قلعے پر لہراتا ہے۔

محمد قاسم۔ ہاں! میں اسی کا ذکر کر رہا ہوں۔ کیا یہ ممکن ہے کہ تم اس جھنڈے کو توڑ کر گرا دو؟

جعوبہ۔ جی ہاں! ممکن ہے۔ لیکن جھنڈے کے توڑنے سے کیا ہوگا؟

محمد قاسم۔ یہ ہندو توہم پرست ہیں ان کا یہ خیال ہے کہ جب تک یہ جھنڈا قائم رہے گا اس وقت تک کوئی طاقت بھی قلعہ کو فتح نہ کر سکے گی۔

جعوبہ۔ خوب! تو اطمینان رکھئے! انشا اللہ میں اسے کل ہی اڑا دوں گا۔

محمد قاسم۔ بس تو اسی لئے تم کو طلب کیا گیا تھا۔ آج رات رات میں تم منجنیق کو دیکھ لو اگر درستی کی ضرورت ہو تو درست کر لو۔

جعوبہ۔ میرے خیال میں منجنیق ٹھیک ہی ہے لیکن پھر احتیاطاً اسے ضرور دیکھ لوں گا۔

محمد قاسم۔ میرا مقصد یہی ہے۔

جعوبہ لیکن آپ جانتے ہیں کہ یہ منجنیق اتنی بڑی ہے کہ پانچ سو آدمی تو اس کو آگے سے دھکیلتے ہیں اور پانچ سو آدمی ہی اس کی زنجیریں کھینچ کھینچ کر اُسے چلاتے تھے۔

محمد قاسم۔ میں خوب جانتا ہوں تم کو ایک ہزار سوار دیئے جائیں گے۔

جعوبہ۔ بہتر ہے: اچھا تو مجھے اجازت دیجئے۔

محمد قاسم۔ ہاں جاؤ۔

جعوبہ سلام کر کے چلا گیا۔ محمد قاسم کھانا کھا کر سو رہا۔ صبح سویرے ہی تمام لشکر اٹھا ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور آفتاب طلوع ہونے سے پہلے ہی مسلح ہو ہو کر حصار سے باہر نکلنے لگے۔

آج محمد قاسم نے اعلان کر دیا تھا کہ ہر مجاہد پورے ساز و سامان سے اور تمام و کمال جوش و خروش سے نکلے۔ ساز و سامان میں سیڑھیاں فصیل توڑنے کے اوزار۔ کمندیں غرضیکہ تمام ضروری سامان لے لیا گیا تھا۔

آج اس نے لشکر کو چار حصوں میں تقسیم کر دیا تھا اور ان حصوں میں سے ایک پر خریم کو اور دوسرے پر محمل بن عبد الملک بصری کو۔ تیسرے پر مجاشع بن زبیر کو افسر مقرر کر کے چوتھے دستہ کو اپنے تحت میں رکھا تھا۔ نیز جعوبہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

ان افسروں میں سے مجاشع کو قلعہ کے جنوب کی طرف۔ خریم کو شمال کی۔ محمل کو مغرب کی سمت مقرر کیا تھا اور خود مشرق کی جانب رہا تھا۔

ان افسروں کو جانے سے پہلے اس نے ہدایت کر دی تھی کہ جس وقت تم دیکھو کہ مندر پر اڑنے والا جھنڈا گرا دیا گیا ہے فوراً ہی قلعہ پر حملہ کر کے فصیل پر چڑھنے کی کوشش کرنا۔

چنانچہ لشکر کے چار حصے ہو گئے اور چاروں طرف روانہ ہوئے۔ ہندوؤں نے جب مسلمانوں کو آتے ہوئے دیکھا تو وہ ان پر تیروں اور پتھروں بارش کرنے کے لئے مستعد ہو بیٹھے۔

چونکہ مسلمان قلعے کے چاروں طرف چھا گئے تھے اس لئے انہوں نے بھی فصیل پر چاروں طرف اپنے سپاہی پھیلا دیئے تھے۔ مسلمانوں نے ہر سمت اپنے دستے کھڑے کر دیئے اور جھنڈا اڑنے جانے کا انتظار کرنے لگے تھے۔

چونکہ وہ قلعے سے اتنے فاصلے پر کھڑے تھے کہ ان تک ہندوؤں کے تیر اور

پتھر نہ پہنچ سکتے تھے۔ اس لئے فصیل والے بھی کھڑے ہوئے انھیں دیکھ رہے تھے۔ بلکہ زور زور سے چیخ رہے تھے ان کا خیال تھا کہ مسلمان ان کے شور سے ان کے رعب میں آ جائیں گے۔ مگر وہ اس خیال سے اپنے آپ ہی کو فریب دے رہے تھے۔

مسلمان شور و شغب سے کہاں ڈرنے والے تھے۔ آج ایک ایک دو دو منجنیقیں بھی چاروں طرف لگا دی گئیں تھیں۔ مگر ابھی ان سے بھی سنگ اندازی شروع نہ کرائی گئی تھی۔

ہندو حیران تھے مسلمانوں کے خاموش کھڑے رہنے کی وجہ سے اور حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ مندر پر گرا ہوا جھنڈا گردش کر رہا تھا اور اس کے پھریرے چاروں طرف فصیل سے ملے ہوئے چکر لگا رہے تھے۔

یہ پھریرے اتنے عظیم الشان اور چوڑے تھے کہ ان کو دیکھنے سے ہیبت ہوتی تھی۔ ان کی سائیں سائیں کی آواز دور تک جا رہی تھی۔ حتیٰ کہ مسلمان سن رہے تھے۔

جب آفتاب کسی قدر بلند ہو گیا تو عروسک نامی منجنیق کو حرکت ہوا۔ تقریباً پانچ سو سپاہی اسے پیچھے سے دھکیلتے ہوئے چلے یہ منجنیق اچھا خاصا چھوٹا سا ایک قلعہ تھا لکڑی کا بنا ہوا۔

جس کے سامنے کی طرف اور چھت پر لوہے کی باریک چادر چڑھی ہوئی تھی۔ لوہے کے سپاٹ پہیئے تھے اور اتنے اونچے تھے کہ ان کا قطر تقریباً دو گز کے قریب تھا۔

نہایت اونچی اور مضبوط منجنیق تھی اور اتنی بھاری کہ پانچ سو آدمی بھی مشکل ہی سے اسے دھکیلتے تھے۔ کچھ آدمی اس کے پیچھے نہایت وزنی پتھروں کو لوہے کی سلاخوں سے ٹھیلتے ہوئے چلے جا رہے تھے۔

یہ پتھر دس دس۔ پندرہ پندرہ من کے وزنی تھے۔ اس منجنیق کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہندوؤں نے اور بھی زور زور سے شور مچانا شروع کر دیا اور ساتھ ہی سنگریزے بھی برسانے شروع کر دیئے لیکن سپاہی منجنیق کے پیچھے تھے۔ اس لئے ان میں سے کسی کو بھی پتھر نہ لگتا تھا۔

وہ نہایت اطمینان سے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ کچھ وقفہ کے بعد محمد قاسم نے نعرہ لگایا۔ اس کے ساتھ ہی اس کے دستے نے بھی نعرہ لگایا۔

اس کے نعرے کی آواز شمال اور جنوب والوں نے سنی تو وہ سمجھ گئے۔ حملہ شروع ہو گیا ہے لہٰذا انھوں نے بھی نعرے لگا لگا کر منجنیقوں کو بڑھانا شروع کر دیا۔ ان کا نعرہ سن کر مغرب کی جانب والوں نے بھی وہی کیا جو انھوں نے کیا تھا۔ اس طرح سے چاروں طرف سے ایک ہی ساتھ منجنیقیں بڑھیں عساکر اسلامیہ نے حرکت کی۔

ہندوؤں نے ہر طرف زور و شور سے پتھر پھینکنے شروع کئے اور مسلمان [illegible] کے سائے میں بڑھنے لگے۔

جعونہ عروسک کے اندر بیٹھے ہوئے روزنوں میں سے جھانکتے جا رہے تھے وہ موقعہ کی تلاش میں تھے۔ کچھ دور چلنے کے بعد انھوں نے منجنیق کو رکھوایا اور خود نیچے اتر آئے۔

اب انھوں نے سنگ اندازی کی مشین کو درست کیا اور اس میں پتھر رکھنے کے لئے کہا۔ پندرہ بیس آدمیوں نے مل کر ایک وزنی پتھر اٹھایا اور مشین میں رکھ دیا تقریباً پانچ آدمی زنجیروں کو لپٹ گئے اور انہیں کھینچنے لگے۔

جب انھوں نے پوری طاقت صرف کی تب جا کر کہیں مشین کو حرکت ہوئی اور وہ تختہ جس پر پتھر رکھا ہوا تھا آگے پیچھے ہٹنے اور بڑھنے لگا۔

جعونہ نے مندر کی شست کی اور تختہ کو اس طرف کر کے پھینکا۔ دس پندرہ من کا پتھر تختہ میں سے نکل کر فضا کو چیرتا ہوا۔ شور کرتا لکڑی کے تختہ کی مانند چلا۔ مسلمانوں نے دیکھنا شروع کیا اور ہندو بھی دیکھنے لگے۔

پتھر فصیل پر پہنچا اور راستے عبور کر کے مندر کی طرف لپکا۔ ہندو اور مسلمان دونوں اسے اڑ کر جاتے ہوئے دیکھنے لگے تھے۔ پتھر بڑے زور شور سے جا رہا تھا۔ آخر وہ مندر کے کلس سے نیچے بڑے زور سے ٹکرایا۔

نہایت ہولناک طریقہ پر تڑتڑاہٹ کی آواز ہوئی اور مندر کا وہ حصہ جس پر جھنڈا نصب تھا ٹوٹ کر گرا۔ اس کے گرتے ہی جھنڈا بھی اچھل کر قلعہ کے اوپر ہی گر گیا۔ کئی آدمی مندر کے ملبہ کے نیچے آ کر دب گئے اور دبتے ہی بغیر کوئی لفظ منہ سے نکالے مر گئے۔

اس اچانک واقعہ سے ہندو حیران و پریشان ہو گئے۔ جب ان کی حیرت دور ہوئی تو وہ سخت غم زدہ ہوئے۔

جب دیبل کا قلعہ بنایا گیا تھا اسی وقت یہ جھنڈا بنا تھا۔ اگرچہ اس کے پھریرے

خراب ہونے پر تبدیل کر دیئے جاتے تھے۔ مگر یہ جھنڈا کبھی نہ گرایا گیا تھا۔
نہ قلعہ فتح ہوا تھا۔ اس لئے ہندوؤں کا خیال ہو گیا تھا کہ جب تک یہ جھنڈا مندر پر گردش کرتا رہے گا اس وقت تک یہ قلعہ فتح نہ ہو سکے گا۔
آج مندر کا کچھ حصہ منہدم ہو گیا تھا اور جھنڈا گر گیا تھا۔ اس وجہ سے اوہام پرست ہندوؤں کے دل ڈوب گئے تھے اور انھوں نے سمجھ لیا تھا کہ اب قلعہ یقیناً فتح ہو جائے گا۔
حالانکہ یہ ان کا احمقانہ خیال تھا۔ ان کے پاس اس وقت اتنا لشکر تھا کہ وہ مسلمانوں کا مقابلہ کھلے میدان میں نکل کر کر سکتے تھے۔ نیز اگر ذرا بھی جرأت و ہمت سے کام لیتے تو شاید مسلمانوں کو ہی پیچھے ہٹ کر خندقوں کے حصار میں پناہ لینی پڑتی۔
ان کے پاس تقریباً بیس ہزار آزمودہ کار سپاہی تھے۔ مسلمان صرف چھ ہزار ہی تھے۔ مگر اتنی بڑی تعداد کے ہوتے ہوئے بھی انہیں قلعہ سے باہر نکل کر لڑنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔
اب جب کہ جھنڈا گر گیا تھا۔ بالکل ہی ان کے حوصلے پست ہو گئے ہمتیں ٹوٹ گئیں اور دل شکستہ ہو گئے ادھر مسلمانوں نے جھنڈے کے گرتے ہی پر شور اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اور ہر طرف سے بڑھنا شروع کر دیا اور ساتھ ہی تیروں کی باڑیں مارنے لگے۔
ہندو اور بھی سراسیمہ ہو گئے بدحواسی نے ان پر قبضہ کر لیا۔ مگر ر اتوں کے باوجود وہ فصیل پر سے نہ ہلے۔ بلکہ بدستور کھڑے تیروں اور سنگریزوں کی بارش کرتے رہے۔
سمنی فصیل پر دوڑا دوڑا پھر رہا تھا اور سپاہیوں کی ہمتیں بڑھا بڑھا کر انہیں تیر افگنی اور سنگ اندازی کی ترغیب دے رہا تھا۔ چنانچہ کچھ اس کے کہنے سننے سے۔ کچھ قلعہ کو بچانے کی غرض سے ہندو نہایت پھرتی سے تیر چلا رہے تھے اور سنگریزے پھینک رہے تھے۔
مسلمان ڈھالوں کی آڑ لئے خود کو اور گھوڑوں کو بچاتے ہوئے بڑھے چلے آ رہے تھے۔ وہ نہ تیر چلا رہے تھے اور نہ پتھر پھینک رہے تھے۔ بلکہ دونوں ہاتھوں میں ڈھالوں کو مضبوط پکڑے ہوئے بڑھ رہے تھے۔
البتہ ان کی منجنیقیں قدم قدم بڑھ رہی تھیں اور جلدی جلدی پتھر برسا رہی تھیں۔ مگر ان کے پتھر کارگر نہ ہوئے تھے۔ کچھ تو فصیل تک ہی نہ پہنچتے تھے درمیان میں ہی گر جاتے تھے اور جو فصیل تک پہنچ بھی جاتے تھے وہ دیوار سے ٹکرا کر نیچے گر جاتے تھے۔

عروسک سے جو پتھر جھوبر چلاتا تھا۔ وہ یا تو قلعہ کے اندر جاکر پڑتا تھا یا فصیل کے اوپر اور ان پتھروں کے نیچے جو شخص یا جو چیز بھی آجاتی تھی زیرہ ریزہ ہوجاتی تھی عروسک کی حشر انگیزی دیکھ کر اس طرف سے ہندو ہٹنے لگے مگر دقت یہ تھی کہ عروسک آدھ گھنٹہ میں ایک پتھر پھینکتی تھی۔ اس لئے وہ کچھ زیادہ کارآمد نہ تھی۔ مسلمان ہندوؤں کے تیروں اور پتھروں سے مجروح ہو رہے تھے۔ اکثر شہید ہو ہو کر بھی گر رہے تھے۔ مگر نہ ان کے قدم پیچھے ہٹتے تھے نہ رکتے تھے بلکہ برابر آگے ہی بڑھ رہے تھے۔

حالانکہ تیروں اور پتھروں کی بوچھاڑ اس کثرت سے ہو رہی تھی کہ ایک قدم بھی بڑھنا دشوار تھا۔ لیکن وہ بڑھ رہے تھے نہایت استقلال اور بڑے اطمینان سے۔

ہندوؤں کو انھیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر بڑا غصہ آرہا تھا۔ وہ انتہائی پھرتی سے تیر اور پتھر پھینک رہے تھے۔ چاہتے یہ تھے کہ یا تو تمام مسلمانوں کو مار ڈالیں یا ان کی پیش قدمی کو روک دیں مگر دونوں باتیں ان کے قبضے سے باہر تھیں۔

انتہائی جدوجہد کرنے کے باوجود بھی نہ مسلمان مرتے تھے اور نہ ان کی پیش قدمی رکتی تھی حقیقت یہ ہے کہ جس شان بے خوفی سے مسلمان پیش قدمی کر رہے تھے۔ وہ کچھ انہی کا حصہ تھا۔ چاروں طرف سے مجاہدین بڑھ رہے تھے اور ہر طرف والے یہ چاہتے تھے کہ وہی سب سے پہلے فصیل کے قریب پہنچ جائیں۔ آخر بہزار دشواری خریم شمالی جانب سے عجل غربی جانب سے اور مشرقی جانب سے محمد قاسم فصیل کے نیچے پہنچ گئے۔

فوراً انہوں نے برجوں کے قریب سیڑھیاں لگادیں اور موت وحیات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے کھٹ کھٹ اوپر چڑھنے لگے۔ یہ بڑے دل گردے نیز بیداری کی بات تھی۔ وہ خوب جانتے تھے کہ ہندو برجوں میں ننگی تلواریں لئے اس لئے کھڑے تھے کہ جونہی یہ سر ابھاریں وہ ان کی بھٹا سی گردن اڑا دیں مگر ان کو گویا فکر ہی نہ تھا نہ غم۔ نہایت بے خوفی سے سیڑھیوں پر چڑھ رہے تھے۔

سب سے پہلے جو شخص برج کے قریب پہنچا وہ خریم تھا۔ اس نے کہہ رکھا تھا کہ ہندو اس تاک میں ہوں گے کہ جب کوئی شخص برج کے سامنے سر ابھارے تو وہ فوراً تلواروں سے اس کا قیمہ کر کے اسے مار ڈالیں۔

اس لئے اس نے یہ ترکیب کی کہ برج کے قریب پہنچتے ہی تلوار کے کچوکے مارنا شروع کر دیئے۔ اس سے برج میں کھڑے ہوئے سپاہی پیچھے ہٹ گئے۔ وہ جلدی سے آخری سیڑھی پر پہنچ کر برج میں کود گیا اور جاتے ہی چاروں طرف تلوار کے ہاتھ چلانے لگا۔

تمام ہندو اسے مارنے کے لئے اس سے الجھ گئے وہ یہی چاہتا تھا تاکہ اور مسلمانوں کو سیڑھیوں پر چڑھ چڑھ کر برج میں کودنے کا موقعہ مل جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور مسلمان جلدی جلدی چڑھنے اور برج میں کودنے لگے۔

برج میں جاتے ہی وہ لڑائی میں مشغول ہو گئے۔ جب کہ تنہا فریم کا تار ہندو کچھ نہ بنا سکے تھے تو بہت سے مسلمانوں کا کیا کر سکتے تھے۔ اگرچہ وہ لڑے اور مقدور بھر لڑے مگر کچھ تو مسلمانوں کی تلواروں کا ذائقہ چکھ چکھ کر لیٹ گئے اور کچھ زخمی ہو ہو کر چلاتے ہوئے بھاگے۔ جو باقی رہے تھے۔ وہ ڈر کر دم بھاگ نکلے۔ اس طرح سے اس طرف کا برج دشمنوں سے خالی ہو گیا اور مسلمانوں نے اس پر قبضہ کر لیا۔

قبضہ کرتے ہی وہ برج سے نکل کر فصیل پر پھیلنے لگے اور فصیل پر کھڑے ہوئے دشمنوں سے لڑنے لگے۔ مسلمانوں کے آنے کا تانتا لگا ہوا تھا۔ جلد جلد سیڑھی چڑھ چڑھ کر برج اور برج سے فصیل پر آ رہے تھے اور آتے ہی جنگ شروع کر دیتے تھے۔

ادھر مغرب کی جانب سے سیڑھیاں لگا دی گئیں اور عجل برج کے قریب پہنچ گیا۔ اس نے اپنے آدمیوں کو برج والوں پر تیر برسانے کا حکم دیا۔ انھوں نے ذرا پیچھے ہٹ کر برج کے دروازوں میں کھڑے ہونے والوں پر تیر پھینکنا شروع کئے۔

ان تیروں سے ہندوؤں کے کئی آدمی مجروح ہو گئے اور باقی ماندہ پیچھے ہٹ گئے۔ ان کے پیچھے ہٹتے ہی عجل نے تیر اندازی موقوف کرنے کا اشارہ کر کے جست لگائی اور برج کے اندر جا پہنچا۔

اس کے ساتھ ہی کئی مسلمان بھی کود کود کر پہنچ گئے اور تلواریں سونت سونت کر دشمنوں پر جا ٹوٹے۔ پہلے ہی حملے میں انھوں نے بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔ یہ کیفیت دیکھ کر ہندو گھبرا گئے اور برج سے باہر نکل گئے۔

مسلمان ان کے تعاقب میں فصیل پر پہنچ پہنچ کر لڑنے لگے۔ جب کہ شمال اور

اور مغرب کے دونوں برجوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا تو ٹھیک اسی وقت ہی محمد قاسم بھی برج کے نیچے مشرق کی طرف پہنچ گیا تھا۔

اس نے بھی سیڑھیاں لگوائیں اور سب سے پہلے خود ہی چڑھنا شروع کیا۔ وہ نہایت جوشیلہ اور دلیر نوجوان تھا۔ جب وہ برج کے پاس پہنچا تو ہندوؤں نے اس پر تلواروں کا مینہہ برسا دیا۔

اس نے تمام تلواریں ڈھال پر روکیں اور خود بھی تلوار سے حملے کرتا رہا۔ یہ بڑی جیداری اور بڑی جرأت کا کام تھا۔ کیونکہ برج زمین سے قریباً ۴۰ فٹ اونچا تھا۔ اتنی بلندی پر سیڑھی کے ڈنڈے کے اوپر کھڑے ہو کر بلا کسی چیز کو پکڑے ہوئے لڑنا معمولی بات نہ تھی۔ ذرا سی غلطی سے سیڑھی سے پھسل کر گر جانا ممکن اور گرتے ہی مر جانا یقینی تھا۔ لیکن محمد قاسم کو موت وحیات کی پرواہ نہ تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ یا تو برج میں داخل ہو جائے یا اسی جدوجہد میں اپنی جان دے دے۔ کچھ وقفہ کے بعد اسے ذرا سا موقعہ ملا۔ جب اس نے حملہ کیا تو ہندو پیچھے ہٹ گئے ان کے پیچھے ہٹتے ہی اس نے زقند لگائی اور برج میں پہنچ گیا۔ برج میں پہنچتے ہی تلوار لے کر ہندوؤں پر برس پڑا اور اس پھرتی سے حملے کرنے لگا کہ دشمن حیران وششدر رہ گئے۔

اس تھوڑے ہی عرصہ میں کئی ہندوؤں کو مار ڈالا۔ بہادر مسلمان بھی کود کود کر برج میں آنے اور لڑنے لگے۔ ہندوؤں کے قدم اکھڑ گئے اور سر پر پیر رکھ کر بھاگے۔ مسلمان ان کے پیچھے انہیں مارتے کاٹتے چلے گئے۔ اس طرف سے مسلمان نہایت پھرتی سے کود کود کر آ رہے تھے اور آتے ہی برج سے گزر کر فصیل پہ پہنچتے اور لڑائی شروع کر دیتے تھے۔

اس طرح تین طرف سے تین برجوں پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اور فصیلوں پر جنگ ہونے لگی۔ محمد قاسم شیر نر بنا ہوا حملے کر رہا تھا۔ اس کی تلوار جس کے اوپر پڑتی تھی اسے کاٹ کر ڈال دیتی تھی۔ وہ جس طرف حملہ کرتا تھا پرے کے پرے صاف کرتا چلا جاتا تھا۔ اس نے چشم زدن میں بیسیوں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا اس مجاہد اعظم کی ہندوؤں پر ایسی ہیبت طاری ہو گئی کہ وہ اس کے سامنے آنے سے کترانے لگے اور ادھر اس کے دستہ کے سپاہیوں نے بھی بڑی پھرتی۔ بڑے جوش اور بڑی جانبازی سے حملے کر کر کے ہندوؤں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہندو اگرچہ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے۔ مسلمانوں کو شہید اور زخمی کر رہے تھے۔

مگروہ ان کو پیچھے ہٹانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ چنانچہ جب مسلمانوں کی کافی تعداد فصیل پر پہنچ گئی اور ان شیران اسلام نے انہیں چن چن کر قتل کرنا شروع کر دیا اور ان کی لاشوں سے فصیل پٹنے لگے۔ تو ان پر ہراس طاری ہو گیا اور وہ بے تحاشہ بھاگ کھڑے ہوئے مسلمان ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور قتل کرتے ہوئے ان کے تعاقب میں سایہ کی طرح لگے چلے گئے انھوں نے قدم قدم پر ان کی لاشیں بچھا دیں۔ فصیل اور زینوں پر ان کے پشتے لگا دیئے۔

جب محمد قاسم اور اس کے ساتھی فصیل سے نیچے قلعے کے اندر اترے تو انہوں نے دیکھا کہ سارے قلعہ میں افراتفری پڑی ہوئی ہے۔ وہ قلعہ کے اندر پھیل گئے اور ہر اس شخص کو قتل کرنے لگے جو تلوار لئے ہوئے تھا۔ ادھر خریم اور عجل بھی فصیل کے ہندو سپاہیوں کو قتل کر کے انھیں پسپا کر چکے تھے اور فصیل سے نیچے اتر کر لڑنے لگے تھے۔ اس طرح سے تین اطراف سے مسلمان برجوں پر چڑھ کر فصیلوں پر پہنچے اور فصیلوں کے اوپر سے دشمنوں کو مار مار کر بھگاتے ہوئے اندر جا داخل ہوئے۔



چوبیسواں باب ۲۴

نعرۂ توحید

عام ہندوؤں نے جب مسلمانوں کو قلعہ کے اندر دیکھا تو وہ سخت بدحواس ہو کر چیختے ہوئے اُدھر سے ادھر بھاگنے لگے۔ مردوں کو خوف زدہ دیکھ کر عورتیں اور بچے بھی دہشت سے کانپنے وہ بھاگ کر گھروں میں گھس گھس کر دروازے بند کر کے بیٹھ گئے اور تمام دیوی دیوتاؤں کے نام لے لے کر ان سے رحم اور کرم کی التجائیں کرنے لگے سارے قلعہ میں عجیب افراتفری مچی ہوئی ہوئی تھی گروہ کے گروہ ادھر ادھر بھاگے پھر رہے تھے۔ ہندو شور زیادہ کر رہے تھے۔

چنانچہ وہ اس قدر غل مچا رہے تھے کہ نہ صرف قلعہ ہی گونج رہا تھا بلکہ قلعہ سے باہر میلوں دور تک آواز پہنچ رہی تھی۔ اگرچہ لڑنے والے ہندو بھی اپنی جانیں بچانے کی فکر میں تھے لیکن ابھی ان کے سردار للکار للکار کر انہیں لڑنے مرنے پر آمادہ کر رہے تھے اور جہاں جہاں مسلمانوں کی صاف وشفاف تلواریں بلند ہو ہو کر ان کے سروں کے فیصلے کر رہی تھیں۔ ہندو جلد جلد قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔ دراصل ہندوؤں کے دل ٹوٹ چکے تھے۔ محض جھنڈا ٹوٹ کر گر جانے کی وجہ سے وہ ہر بات سے شگون لینے کے عادی تھے۔ اوہام پرست تھے انہیں بالکل اس پر اعتماد تھا کہ جب تک جھنڈا قائم رہے گا دیبل ہرگز فتح نہ ہو سکے گا۔ آج جھنڈا ٹوٹ کر گر گیا تھا اور اس لئے ان کی ہمتیں بھی ٹوٹ گئی تھیں۔

اگر وہ اس وہم میں نہ پڑتے اور مردانہ وار لڑتے تو اب بھی مسلمانوں سے دگنے تھے۔ ان کا مقابلہ کر سکتے تھے اور اگر انہیں شکست بھی نہ دے سکتے۔ تو باعزت صلح کی سبیل نکال سکتے۔ لیکن تھکا ہوا مسافر دل شکستہ سپاہی کچھ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ ان سے بھی کچھ نہ ہو رہا تھا۔ وہ لڑ رہے تھے بے ہمتی کے ساتھ اور قتل ہو ہو کر گر رہے تھے۔

مسلمانوں میں جوش تھا۔ غصہ تھا اور بڑھ بڑھ کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

ادھر ہر شخص ہر حملے میں ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا۔ چونکہ ہندوؤں کا لشکر سارے قلعے میں پھیل گیا۔ تھا۔ اس لئے مسلمان بھی ہر طرف چھا گئے تھے اور نظریں جھکائے دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔

سمنی اس وقت مندر کے قریب کھڑا تھا۔ اس کے گرد ڈھائی ہزار مسلح سپاہی کھڑے تھے وہ جوش وغضب سے بل کھا رہا تھا اس کو اس لئے ہندوؤں پر غصہ آ رہا تھا کہ وہ اچھی طرح سے نہیں لڑ رہے تھے بلکہ دبے ہوئے جنگ کر رہے تھے اور اس لئے وہ قتل ہو رہے تھے اس نے للکار کر کہا۔ بہادر ہندو یہ کیا بزدلی ہے تم اب بھی مسلمانوں سے دگنے ہو اگر مل کر جوش وخروش سے لڑو تو ان کے ٹکڑے اڑا سکتے ہو۔ یہ لوگ اپنے اسیروں کو چھڑانے آئے۔ میں تم ان کا خاتمہ کر کے ان کے بھائیوں کو جو ہماری قید میں ہیں دیوتاؤں کی نذر کر کے قربانی کر ڈالو۔ سنو اگر تم نے بزدلی کی تو مسلمان تم سب کو قتل کر کے تم سب کا دھرم بھرشٹ (خراب) کر دیں گے تمہاری عورتوں کو اپنی بیویاں اور تمہارے بچوں کو اپنے غلام بنا لیں گے کیا تم اس بات کو گوارا کر لو گے؟

آخر تم ہندو ہو تم میں جوش ہے مذہبی غیرت ہے بڑھو اور پاپی (گنہگار) مسلمانوں کا خاتمہ کر دو۔

اس کی اس جوشیلی تقریر سے ہندوؤں میں بھی حرارت پیدا ہو گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ ان پر مسلمانوں کا رعب طاری ہو گیا تھا اور وہ ان کے سامنے جاتے ہوئے ڈرتے تھے۔

اتفاق سے محمد قاسم اس طرف آنکلا۔ جس طرف سمنی مع فوجی دستوں کے کھڑا تھا۔ اس کے ساتھ صرف اس کے خاص رسالہ کے پانچ سو سپاہی تھے اس نے اور اس کے سپاہیوں نے نہایت جوش سے سمنی کے لشکر پر حملہ کر دیا اور ایسا سخت حملہ کیا کہ ہندو حیران رہ گئے۔

مسلمانوں کی تلواروں نے کاٹ چھانٹ شروع کر دی ہر مسلمان شیر کی طرح سے جست لگا لگا کر حملے کرنے اور ہر حملے میں ہندوؤں کے پرخچے اڑانے لگا۔ چونکہ یہ جنگ سمنی کے سامنے شروع ہوئی تھی اس لئے ہندو بھی کسی قدر جوش سے لڑنے لگے۔ لیکن ان میں اتنی جرأت نہ رہی تھی کہ وہ بڑھ کر حملے کرتے صرف مسلمانوں کے حملے روک رہے تھے۔ لیکن مسلمان بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ صفوں پر صفیں گرا دیتے تھے۔ تلواریں جھک جھک کر نہایت سرعت سے اٹھ رہی تھیں۔ سر اور ہاتھ کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ خون بہ رہا تھا مردوں کے ڈھیر لگتے جاتے تھے۔ محمد قاسم نہایت جوش سے لڑ رہا تھا اس

اسے اپنے تن بدن کا ہوش نہ تھا وہ تلوار لئے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا وہ جس طرف دوڑ کر حملہ کرتا تھا ایک دو سپاہی مار کر ہی لوٹتا تھا۔ ہندو دیکھ رہے تھے کہ وہ کم سن بچہ تھا مگر آزمودہ کار نوجوان کی طرح لڑ رہا تھا۔ نہایت جوش اور بڑی دلیری سے اس کی تلوار گویا پیغام اجل یا فرشتہ موت بن گئی تھی۔ جسے اس کی ہوا بھی لگ جاتی تھی وہ ہی سردہ ہو کر گر پڑتا تھا۔

ایک مرتبہ بیس ہندوؤں نے ہمت کر کے اس تنہا پر حملہ کر دیا اور اسے چاروں طرف سے گھیر کر اس پر تلواروں کا مینھہ برسا دیا۔ محمد قاسم ان کے حملہ سے ڈرا نہیں بلکہ وہ نہایت اطمینان و استقلال سے ان کے حملے روک کر اپنے حملے کرتا اور ہر ایک حملے میں ایک دو کو موت کی آغوش میں پہنچا دیتا تھا۔ اس وقت اس دستہ کا ہر سپاہی ہندوؤں سے الجھ رہا تھا۔ چونکہ ہندوؤں کی تعداد زیادہ تھی اس لئے ایک مسلمان کو دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی۔ ہر مسلمان اپنے مدمقابل سے لڑ رہا تھا یہی وجہ تھی کہ محمد قاسم کو کمک نہ پہنچ سکی اور تنہا ہی اس قدر ہندوؤں میں گھرا ہوا تھا اور نہایت جانبازی سے لڑ رہا تھا۔

سمنی قریب ہی کھڑا تھا وہ محمد قاسم کو لڑتے ہوئے دیکھ دیکھ کر حیران رہا تھا۔ اس کی حیرانی کی وجہ یہ تھی کہ سترہ سال کا لڑکا نہایت بے جگری ہندوؤں کے نرغہ میں گھسا ہوا جنگ کر رہا تھا اور بڑی سرعت سے پینترے بدل بدل کر دشمنوں کے وار بچاتا تھا اُسے رشک ہوا کہ اس کی فوج کے نوجوان ایسے بہادر کیوں نہیں جیسے کہ مسلمان ہیں وہ محمد قاسم کو نہ جانتا تھا۔ اگرچہ اس نے یہ سن رکھا تھا ایک اسلامی لشکر کا سردار ایک نو عمر لڑکا ہے وہ سمجھتا تھا کہ پچیس تیس برس کا نوجوان ہوگا۔ اس نے کسی سے پوچھا کہ یہ کون نوجوان ہے جو لڑ رہا ہے کسی نے اس سے کہہ دیا کہ یہ اسلامی لشکر کا سردار محمد قاسم ہے یہ سنتے ہی فرط حیرت سے اس کا منہ کھلا ہی رہ گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد اس نے کہا۔ تعجب ہے اتنی عمر کا لڑکا اور اسلامی لشکر کا سردار ہے اس وقت اس کے پاس ابی آگیا۔ اس نے کہا دیکھ لیجئے یہ لڑکا ہی ہے مگر کس جوش و خروش سے لڑ رہا ہے۔

ابی۔ میرے خیال میں اگر آپ اس وقت مسلمان اسیروں کو چھوڑ دیں تو شاید قلعہ بچ جائے۔

سمنی نے جوش میں آکر کہا۔ قیدیوں کو چھوڑ دوں مسلمانوں سے ڈر کر؟

میں کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ میں محمد قاسم پر حملہ کر کے اس کا خاتمہ کئے دیتا ہوں۔

یہ مرا اور مسلمان سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔

ابی نے سنجیدگی سے کہا اس بھروسہ پر نہ رہئے میں نے سنا ہے کہ مسلمان سرداروں کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے جب ان کا کوئی افسر مارا جاتا ہے تو فوراً ہی وہ دوسرے کو منتخب کر لیتے ہیں ہماری طرح نہیں کہ جب سردار مارا جائے تو تمام لشکر ہتھیار ڈال دے یا بھاگ جائے۔

سمنی۔ تم ابھی دیکھ لو گے کہ محمد قاسم کے مارے جاتے ہی تمام مسلمان کس طرح سے پسپا ہوتے ہیں۔

ابی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ آپ اس شیر پر حملہ نہ کریں۔

سمنی نے بُرا سا منہ بنا کر کہا۔ یہ شیر ہے؟ ممکن ہے کہ تم اسے شیر سمجھ رہے ہو۔ میں تو اسے گیدڑ کے برابر بھی نہیں سمجھتا تم کھڑے ہوئے دیکھو میں اسے کس قدر جلد قتل کئے دیتا ہوں۔ یہ کہتے ہی سمنی محمد قاسم کی طرف چلا اور ابی وہاں سے بڑبڑاتا ہوا ہٹ کر مندر کی طرف چل دیا۔

ادھر سمنی نے محمد قاسم پر حملہ کیا اگرچہ محمد قاسم عرصے سے جنگ کر رہا تھا۔ بہت کچھ جدوجہد کر چکا تھا مگر ابھی تک اس کے حملوں میں کمزوری نہ آئی تھی۔ جونہی سمنی نے اس پر حملہ کیا اس نے پینترا بدل کر اس کا وار روکا اور شیر کی طرح جست لگا کر اس پر جا ٹوٹا اور تلوار کا ایک بھرپور ہاتھ مارا کہ سمنی مرتے مرتے بچ گیا۔ سمنی نے بھی جوابی حملہ کیا۔ محمد قاسم نے ڈھال سامنے کر دی۔ تلوار سمنی کی ڈھال پر پڑ کر اچٹ گئی۔ اب محمد قاسم نے لپک کر پھر حملہ کیا۔ سمنی کی آنکھ جھپک گئی۔ آنکھ جھپکتے ہی تلوار اس کی گردن پر پڑی اور سر کٹ کر دور جا گرا۔ بے چارہ سمنی آہ بھی نہ کر سکا اور اس کا دھڑ تناور درخت کی طرح چکر کھا کر زمین پر آ رہا اسے مارتے ہی محمد قاسم نے ان ہندوؤں پر حملہ کر دیا جو نرغے میں لئے ہوئے تھے۔ اور جلدی جلدی حملہ کر کے انہیں بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا اب دوپہر ڈھل گئی تھی اور ظہر کی نماز کا وقت آ گیا تھا۔ مگر اس وقت جنگ ہو رہی تھی اور کسی مسلمان کو بھی سوائے لڑنے کے اور کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ اس وقت تقریب قریب تمام قلعہ میں تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں۔ ہندوؤں کے شور اور مجروحین کی پکار سے تمام قلعہ گونج رہا تھا ہر مسلمان جہاں کہیں تھا جنگ کر رہا تھا اگرچہ ہندو مقدور بھر زور سے لڑ رہے تھے مگر مسلمان ایک انچ

پیچھے نہ ہٹتے تھے بلکہ نہایت بے خوفی سے اور بڑی جرأت سے لڑلڑ کر دشمنوں کو قتل کر رہے تھے۔ بلکہ سارے قلعہ میں یہ ہنگامہ دار وگیر بلند تھا۔ اس وقت مندر کے احاطہ کے قریب سے اللہ اکبر کے پر زور نعرہ کی آواز آئی۔ مسلمان کچھ ایسے جنگ میں معروف تھے کہ نعرہ لگانا ہی بھول گئے تھے۔ اس نعرہ کی آواز سن کر سب چونکے اور سب نے اس نعرہ کی تکرار کی اور اس زور سے نعرہ لگایا کہ تمام قلعہ ہلنے لگا۔ ہندو تھرا گئے۔

محمد قاسم اور ان کے ہمراہیوں نے مندر کی طرف دیکھا۔ ادھر سے مسلمان مرد عورتیں اور بچے تلواریں لئے آتے نظر آئے۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ یہ وہی مسلمان ہیں جنھیں بے رحم داہر کے سنگدل سپاہیوں نے قید کیا تھا اور جن کی وجہ سے مسلمانوں کو ہندوستان پر حملہ کرنا پڑا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ دوڑ کر ان مسلمانوں سے بغلگیر ہو کر ملیں مگر ابھی ان کا موقعہ نہ تھا کیونکہ جنگ ہو رہی تھی اور ہر مسلمان مصروف جنگ تھا۔ مندر کے اندر سے آنے والے مسلمانوں نے بھی حملہ کر دیا۔ ان کے مرد، عورتیں اور بچے سب ہی نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ اور ہر تمام مسلمانوں نے نعرہ لگا کر حملہ کیا کہ ہندوؤں کے پیر اکھڑ گئے اور وہ ہر محاذ سے جانیں بچا بچا کر بھاگنے لگے۔ مسلمان ان کے پیچھے دوڑ پڑے اور بے دریغ ان کو قتل کرنے لگے۔ جو ہتھیار بند ہندو جہاں کہیں ملا قتل کر دیا گیا اب چونکہ ہندوؤں میں لڑائی کی ہمت باقی نہ رہی تھی۔

اس لئے انہوں نے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیئے اگرچہ مسلمانوں کو اس پر غصہ آ رہا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ ہندو ہتھیار نہ ڈالیں بلکہ لڑیں لیکن جب وہ ہتھیار ڈالنے لگے تو مسلمانوں نے جنگ سے ہاتھ روک لئے اور انہیں اسیر کرنے لگے اس عرصہ میں محمد قاسم کے گرد جو ہندو لڑ رہے تھے وہ بھی یا تو قتل ہو گئے یا بھاگ گئے یا ہتھیار پھینک کر کھڑے ہو گئے۔ محمد قاسم نے چند مسلمانوں سے کہا۔ ظہر کی نماز کا وقت تنگ ہوا جا رہا ہے جلدی سے کچھ آدمی اذان کہیں مندر کے قریب ہی کنواں تھا۔

کئی مسلمان کنوئیں پر پہنچے اور وضو کرنے لگے اور باقی مسلمانوں نے ان ہندوؤں کو گرفتار کر لیا جنھوں نے ہتھیار ڈال دیئے تھے اب پانچ آدمیوں نے مل کر اذان کہی۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دیبل میں توحید کا نعرۂ بلند ہوا اور نہ خدائے یکتا

کا نام پکارا گیا۔ مسلمانوں نے اذان کی آواز سنی۔ وہ ہر طرف سے سمٹ کر اور قیدیوں کو حراست میں لے کر اس جگہ آنے لگے جہاں محمد قاسم اور اس کے ساتھی جمع تھے۔ انہوں نے جلدی جلدی وضو کیا اور محمد قاسم کے ساتھ نماز پڑھنے لگے۔



پچیسواں باب ۲۵

مسلمانوں کا بے نظیر لطف و کرم

جب مسلمان نماز سے فارغ ہو گئے تب وہ ان مظلوم مسلمانوں سے ملے۔ جنہیں اسیر کر کے قید کر لیا گیا تھا۔ یعنی جو دیبل کے تہ خانہ میں رکھے گئے تھے۔

یہ سب مسلمان بھائیوں کی طرح آپس میں بغل گیر ہو کر ملے اور مل کر نہایت خوش ہوئے۔ محمد قاسم نے ان سے دریافت کیا تمہیں کس نے رہا کر دیا۔ کس کے دل میں اتنا رحم آیا۔ اسلم نے کہا۔ اس نے جو ہمارا محافظ ہے۔

محمد قاسم۔ کون محافظ تھا۔

اسلم۔ ابی جو اس مندر کا پجاری تھا۔

محمد قاسم۔ نہایت اچھا آدمی ہے ابی۔ میں نے اس سے وعدہ کیا تھا کہ اس کے اہل و عیال کو اور جس کو وہ کہے گا اسے امان دوں گا۔ لیکن اس نے تم کو رہا کر کے تمام مسلمانوں پر نہایت زبردست احسان کیا ہے اس لئے اس کے اس احسان کے صلے میں سے اسے انعام دے کر مالا مال کر دوں گا۔ لیکن ابھی باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے ابھی بہت سے سپاہی ہندوؤں کے گھروں میں گھسے ہوئے ہیں انہیں تلاش کر کر کے قتل کرنا ضروری ہے۔ اس لئے سب چاروں طرف پھیل جاؤ اور ہر ہتھیار بند سپاہی کو قتل کر ڈالو لیکن اگر وہ ہتھیار ڈال دیں تو انہیں گرفتار کر لو اور تمام شہریوں کو بھی گرفتار کر لاؤ۔ چلو پہلے اس کام سے فراغت کر لو۔ فوراً سب اٹھے اور سو سو آدمیوں کے گروہ بن بن کر قلعہ میں پھیل گئے اور گھروں میں گھس گھس کر تمام لوگوں کو اسیر کر کے باہر کھینچ کھینچ کر لانے لگے۔ جنگ کے وقت قلعہ میں اس قدر ہنگامہ آرا نہ ہو رہا تھا جس قدر کہ اب ہو رہا تھا۔ ہندو مرد عورتیں اور بچے رونے لگے۔ لیکن کسی مسلمان نے کسی بچہ اور عورت

کو ہاتھ نہ لگایا۔ تاریخیں اس بات کی شاہد ہیں ہاں مردوں میں سے کسی کو نہ چھوڑا۔ سب کو ایک سرے سے اسیر کرنا شروع کر دیا اور ہتھیار بند ہندوؤں کو جنگ پر آمادہ کر کے لڑ لڑ کر قتل بھی کرنے لگے۔ لیکن اب جس قدر بھی سپاہی تھے انہوں نے ہتھیار پھینک پھینک کر امان مانگنا شروع اور اب انہیں بھی گرفتار کیا جانے لگا۔ محمد قاسم بھی سو ا سپاہیوں کو ہمراہ لے مندر کے احاطہ میں جا گھسا۔

اس نے وہاں پہنچتے ہی دیکھا کہ مندر کے سامنے سینکڑوں من سوختہ ڈال کر آگ لگا دی گئی اور اس میں گھی ڈال ڈال کر آگ کو بھڑکایا جا رہا ہے۔ کچھ پاندھے اس کے چاروں طرف آنکھیں بند کئے کھڑے کچھ پڑھ رہے ہیں۔ پاندھیوں کے پیچھے تقریباً چار سو نازک اندام ہوشربا اعلیٰ قسم کے ریشم کے شلوکے پہنے ساڑھیاں باندھے سونے کے زیورات سے لدی کھڑی ہیں ان کے عقب میں تین سو عورتیں جن میں جوان ادھیڑ اور بوڑھیاں سب ہی تھیں وہ بھی اچھے کپڑے اور زیورات پہنے تھیں یہ بھی داسیاں ہی تھیں لیکن چونکہ ان کی عمریں زیادہ تھیں اس لئے اب ان کی ایسی قدر و منزلت باقی نہ رہی تھی۔ جیسی نوجوان اور شیریں ادا لڑکیوں کی تھی۔

محمد قاسم اور تمام مسلمان اس نظارہ کو دیکھ کر حیران ہوئے اور ان کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیوں اس قدر آگ روشن کی گئی ہے کیوں آگ میں گھی ڈالا جا رہا ہے کیوں پنڈت اور داسیاں کھڑی ہیں مسلمانوں کو دیکھتے ہی تمام پاندھے اور وہ سب خوف زدہ نگاہوں سے ان فاتح مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ خصوصاً ماہوش لڑکیاں بہت زیادہ سہم گئیں اور ان کے چہروں سے سرخی غائب ہو گئی اور آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا۔ نازک لبوں پر خشکی سے پپڑیاں جم گئیں۔

وہ مسلمانوں کو بالکل اس طرح دیکھنے لگیں جس طرح کوئی صیاد کو دیکھنے لگتی ہے جس وقت محمد قاسم اور اس کا دستہ ان لوگوں کے پاس پہنچے ٹھیک اسی وقت مندر سے نکل کر وہاں آ گیا اور اس نے محمد قاسم کو سلام کر کے کہا۔ حضور کیا میں اور میرے اہل و عیال امان میں ہیں؟ محمد قاسم نے کہا ہاں امان میں ہیں۔ محترم پنڈت تم نے تمام مسلمانوں پر نہایت زبردست احسان کیا تمام مسلمان آپ کے مشکور ہیں۔

ابی۔ اور میں تمام مسلمانوں کا مشکور ہوں۔ اس وقت اگرچہ تمام قلعہ کے لوگوں کو

گرفتار کیا جا رہا ہے ہر گھر والے پریشان ہیں لیکن میرا گھر بالکل محفوظ ہے اور یہ کیا کچھ تھوڑی بات ہے۔

محمد قاسم۔ میں نے پہلے ہی مسلمانوں کو ہدایت کر دی تھی تم نے کس قدر وفاداری کا ثبوت دیا ہے کہ مسلم قیدیوں کو رہا کر دیا۔

ابی۔ میں جو کچھ کر سکتا تھا کیا۔

محمد قاسم۔ اور اب جو میرے دل میں ہے وہ کروں گا یہ مثال قائم کروں گا کہ مسلمان احسان فراموش نہیں ہیں بلکہ احسان ماننے والے ہیں!

ابی۔ اس کا مجھے یقین ہے دنیا جانتی ہے کہ مسلمان وعدہ کو ایفا کرتے ہیں۔

محمد قاسم۔ یہ آگ کیسی روشن ہے اور یہ پنڈت و لڑکیاں یہاں کیا کر رہی ہیں۔

ابی۔ انہوں نے چتا روشن[1] کی ہے اور اس میں ان داسیوں کو جلایا جانے والا ہے۔

یہ سن کر محمد قاسم اور تمام مسلمان نہایت حیران ہوئے۔ محمد قاسم نے کہا یہ حماقت ہے۔

ابی۔ ہم ہندوؤں کا یہ خیال ہے کہ جب ہمارے مرد مارے جاویں یا ہمیں شکست ہو جاوے تو ہماری عورتوں کو زندہ جل جانا چاہیے۔

محمد قاسم۔ کس قدر بے رحمی کی بات ہے۔

ابی۔ لیکن ہماری عورتیں اسے زیادہ پسند کرتی ہیں۔

محمد قاسم۔ لیکن ابھی تو مرد ہیں بھی زندہ اور مرد کیوں نہیں جلائے جاتے۔

ابی۔ اس لئے کہ ہر قوم کی عزت عورتوں سے ہے ہم نہیں چاہتے کہ ہماری عورتیں غیر قوم کے لوگوں کے ہاتھوں میں پڑ کر اپنے ننگ و ناموس کے ساتھ قوم کی شرافت کو بٹہ لگائیں۔

محمد قاسم۔ کیا مرد غلام بن کر قوم کے ناموس کو دھبہ نہیں لگاتے۔

ابی۔ ہاں قوم کی اس میں تذلیل ہے۔

محمد قاسم۔ پھر کیوں عورتوں کے ہمراہ مرد بھی نہیں جل جاتے۔

---

[1] جس وقت جنگ ہو رہی تھی اس وقت یہ چتا روشن کی گئی تھی اور اس میں سات سو داسیوں کو جلایا جانے والا تھا۔ جو بیش قیمت کپڑے اور زیورات پہنے تھیں (از فاتح ہند صفحہ ۱۲۶)

ابی۔ اس لئے کہ ہماری مذہبی کتابوں میں عورتوں کے ستی ہونے کا ہی تذکرہ ہے مردوں کا نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ یہ شاید اس لئے کہ کتابوں کے مصنف مرد ہیں انہوں نے اپنی بچت تو کر لی اور عورتوں کا مطلق خیال نہ رکھا اگر عورتوں کی طرح مرد بھی زندہ جلائے جاتے تب انہیں معلوم ہوتا کہ زندہ جلنے والوں کو کس قدر تکلیف ہوتی ہے۔ کس قدر بیرحمی کی بات ہے کہ عورتیں جو بے زبان مخلوق ہیں جن پر مرد حکومت کرنے میں زندہ جلا دی جائیں اور مرد خواہ کچھ بھی کریں زندہ نہ جلائے جائیں یہ وحشیانہ قانون ہے کوئی مذہب اسے پسند نہیں کر سکتا!

ابی۔ یہ قانون جیسا بھی ہے لیکن ہم ہندو اس پر عمل کرتے ہیں۔

محمد قاسم۔ مگر میرے سامنے یہ بیرحمی نہ کی جائے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ ان عورتوں میں سے ایک عورت کو بھی نہ جلایا جائے یہ پنڈت جس قدر بھی کھڑے میں آگ میں ڈال دیئے جائیں۔

ابی نے پنڈتوں کو محمد قاسم کے اس حکم سے مطلع کیا تمام پنڈت بدحواس ہو کر رونے لگے محمد قاسم نے کہا۔ بدبختو تم عورتوں کے جلانے کے لئے آمادہ تھے مگر خود جلنے کے لئے تیار نہیں ہوئے کیا عورتوں میں جان نہیں ہے بیرحمو آج تم جلنے کا مزہ چکھو۔

محمد قاسم کو جوش آ رہا تھا۔ جوش آنے کی بات بھی تھی۔ ہندو اپنی عورتوں کو زندہ جلا دیتے اور مرد نہ جلتے تھے۔ پنڈت زار و قطار رو رہے تھے اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر رحم کی درخواست کر رہے تھے۔ آخر جب وہ روتے روتے بے حال ہو گئے تو محمد قاسم کو رحم آ گیا اور اس نے انہیں معاف کر دیا۔ وہ دعائیں دیتے ہوئے چلے گئے اب تمام داسیوں کو حراست میں لے لیا گیا اور مندر کے جس قدر سیم و زر جواہرات تھے سب نکال لئے گئے یہ تمام سامان اور داسیوں کو لے کر یہ مندر سے باہر آئے اور محمد قاسم نے چند سپاہیوں کو سمنی کے محل کی طرف بھیج دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ جو سامان اس کے محل میں ملے اور جس قدر آدمی ملیں سب لے آویں یہ دستہ روانہ ہو گیا ادھر مسلمانوں نے قلعہ کے تمام باشندوں کو حراست میں لے لیا اور سب کو لا کر محمد قاسم کے سامنے پیش کیا۔ جس قدر مال غنیمت ہاتھ آیا تھا اس کے بھی انبار لگا دیئے گئے جب

سمنی کے محل سے دستہ واپس آیا تو رات ہو گئی تھی وہاں بہت کچھ زر نقد بیش قیمت سامان اور عورتیں اور مرد نیز سمنی کی دو لڑکیاں اسیر کر کے لائی گئیں۔ محمد قاسم نے سمنی کے رسد خانے کھول کر تمام قیدیوں میں رسد تقسیم کرائی اور انہیں حکم دے دیا کہ وہ کھانا تیار کر کے کھالیں۔ اسلامی لشکر بھی کھانا تیار کرنے لگا۔ کچھ رات گئے سب کھانا کھا کر فارغ ہوئے اور رات کو آرام کرنے لگے۔ صبح بیدار ہوتے ہی مسلمانوں نے ضروریات سے فراغت کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر محمد قاسم معہ لشکر کے اسی مندر کے سامنے والے میدان میں پہنچا۔ جہاں اس نے سمنی کو مارا تھا ابھی تک وہاں لاشیں پڑی تھیں۔ سب سے پہلے محمد قاسم نے ہندوؤں کے قیدیوں کو حکم دیا کہ وہ لاشوں کو اپنے مذہب کے مطابق جلادیں۔ چنانچہ انہوں نے تمام لاشیں اٹھا اٹھا کر ایک جگہ جمع کر لیں اور پھر ایک بڑی چتا تیار کر کے لاشوں کو اس میں ڈال دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں آگ میں لاشیں جلنے لگیں۔ اب محمد قاسم نے اپی سے مخاطب ہو کر کہا۔

معزز پنڈت بتاؤ اب تمہاری کیا آرزو ہے اور تم کیا چاہتے ہو؟ اپی نے کہا صرف اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لئے امان!!

محمد قاسم۔ وہ تو تم کو دی جا چکی ہے کچھ اور مانگو

اپی۔ بس میں اور کچھ نہیں چاہتا۔

محمد قاسم۔ مگر میں تم کو دینا چاہتا ہوں یہ عورتیں اور لڑکیاں جس قدر تمہارے سامنے کھڑی ہیں ان میں سے جس قدر چاہو رہا کرا دو۔ سونے چاندی اور جواہرات کے انبار لگے ہوئے ہیں ان میں جو کچھ چاہو لے لو۔

اپی نے مشکورانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں کچھ نہیں چاہتا حضور۔

محمد قاسم۔ تمہاری خوشی اب میں ایک بات تم سے عرض کرنا چاہتا ہوں۔

اپی۔ فرمایئے۔

محمد قاسم۔ تم نہایت نیک اور خلیق انسان ہو میری خواہش ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ میں دباؤ ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ دوستانہ انداز سے کہتا ہوں کیونکہ ہمارے مذہب میں جبر کرنا منع ہے اللہ تعالےٰ نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (مذہب کے معاملے میں زبردستی نہیں ہے یہ خوشی کا سودا ہے اگر تم مسلمان ہو جاؤ گے تو تمام دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جاؤ گے۔ پھر جو حقوق مسلمانوں کو حاصل ہیں وہی

تم کو حاصل ہوں گے۔ جب اور جہاں تم جاؤ گے۔ مسلمان تمہاری عزت کریں گے۔

ابی۔ میرا خود ارادہ تھا میں خوشی سے مسلمان ہوتا ہوں۔

تمام مسلمان نہایت خوش ہوئے اور انہوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

محمد قاسم نے اسے مسلمان کر لیا اس کے بعد اور بھی چند عورتیں اور مرد مسلمان ہو گئے انہیں فوراً رہا کر دیا گیا اب محمد قاسم نے تمام عورتوں اور مردوں کو جزیہ لے کر رہا کر دیئے جو غریب تھے وہ جزیہ نہ دے سکے ان کو ویسے ہی رہا کر دیا گیا۔ لیکن سپاہیوں داسیوں اور سمنی کی دو لڑکیوں کو رہا نہ کیا گیا وہ جنگی قیدی تھے اور ان کو رہا کرنا یا تو حجاج کے اختیار میں تھا۔ جو وائسرائے تھا اور یا خلیفہ ولید کو مجاز تھا اب محمد قاسم نے چار حصے تمام لشکر میں اعلیٰ قدر مراتب تقسیم تقسیم کر دیئے۔ لیکن وہ زیورات جو داسیاں اور سمنی کی بیری نما لڑکیاں پہنے ہوئے تھیں بدستور ان کے پاس ہی رہنے دیئے گئے اور ان کا فیصلہ حجاج یا خلیفہ پر منحصر رکھا گیا۔ اسی دن مال غنیمت کا حصہ داسیاں۔ سمنی کی دونوں لڑکیاں اور قیدی سو آدمیوں کی حراست میں حجاج کے پاس روانہ کر دیئے گئے۔ چونکہ سمنی حاکم دیبل مارا گیا تھا۔ اس لئے محمد قاسم نے ابی کو مسلمان ہو گیا دیبل کا حاکم بنا دیا گیا۔ وہ اس اعزاز کو پا کر نہایت خوش ہوا۔ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی محمد قاسم نے معہ لشکر کے نیرون کی طرف کوچ کر دیا۔



چھبیسواں باب

نصیحت

طاہرہ اور داہر دونوں آواز سن کر حیران رہ گئے اور حیرت بھری نظروں سے اس طرف دیکھنے لگے جس طرف سے آواز آئی تھی۔ یہ دونوں دیکھ رہے تھے کہ سامنے سے جوگنی نمودار ہوئی اس کے خاک آلودہ الجھے ہوئے سر کے بال بڑی ہی بے ترتیبی سے بکھرے ہوئے تھے۔ چہرہ سے کچھ پریشانی کے آثار ظاہر تھے۔ آنکھیں چمک رہی تھیں اس کے دیکھتے ہی داہر نے بُرا سا منہ بنالیا۔ اس کی شان کہہ رہی تھی کہ اسے اس کا آنا ناگوار گزرا ہے۔ لیکن جس طرح وہ اس کی طرف مخاطب ہوا اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ اس سے ظاہر ہے چنانچہ اس نے کہا آہاہا ماتا جوگنی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یا تو جوگنی کا رعب پڑ گیا اور ہر شخص اسے ماتا کہتا تھا۔ وہ ضعیف العمر تھی اس لئے ماتا کہا جاتا ہے یا ہندو اسے جادوگرنی سمجھ کر ڈرتے تھے اور ڈر کے مارے اُسے ماتا کہتے تھے۔ راجہ سے پرجا تک ادنے سے اعلیٰ تک سب اسے ماتا کہتے تھے۔ جوگنی نے شکستہ دل ہوتے ہوئے کہا۔ ہاں میں جوگنی ہوں۔

داہر۔ آپ نے بڑی کرپا (مہربانی) کی آیئے پدھاریئے (تشریف رکھئے)

جوگنی ان دونوں کے قریب جا کھڑی ہوئی۔ اس نے کہا راجن تم کو اس وقت میرا آنا ناگوار گزرا ہے اگرچہ اس نے بالکل صحیح بات کہی تھی۔ راجہ داہر کو اس کا آنا سخت ناگوار گزرا تھا مگر اس نے کہا نہیں ماتا مجھے تمہارا آنا کیوں ناگوار گزرتا۔

جوگنی۔ مگر تمہاری آنکھیں یہی بتا رہی ہیں حقیقت میں زبان سے زیادہ آنکھیں صاف گوئی کیا کرتی ہیں۔

داہر۔ لیکن میری زبان آنکھوں سے زیادہ راست گوئی کرتی ہے۔

جوگنی۔ ایک راجہ کو سچ بولنا چاہیے۔

داہر۔ اور میں ہمیشہ سچ بولتا ہوں۔

جوگنی۔ اسے پرماتما ہی جانتا ہے۔

داہر۔ میری تمام رعایا جانتی ہے آپ بھی جانتی ہوں گی۔

جوگنی۔ رعایا کی بابت میں کہہ سکتی ہوں۔

داہر۔ رعایا مجھے کیا سمجھتی ہے۔

جوگنی۔ تمام رعایا کا یہ خیال ہے کہ جو راجہ عیاش ہوتا ہے وہ کبھی سچ نہیں بولتا۔

داہر کو یہ سن کر بڑا غصہ آیا لیکن وہ خوب جانتا تھا کہ اگر ذرا بھی نفرت یا غصہ کا اظہار ہوا تو جوگنی اسے جادو کے زور سے جلا کر بھسم کر دے گی اس لئے اس نے غصہ ضبط کر کے کہا یہ خیال میری رعایا کے بے وقوف لوگوں کا ہے۔

جوگنی۔ خیر کیسے ہی لوگوں کا ہو لیکن حقیقت بھی یہی ہے۔

داہر۔ کیا آپ بھی مجھے ایسا ہی سمجھتی ہیں۔

جوگنی نے ذرا ترشروئی سے کہا۔ مجھ سے مت پوچھو کہ میں تم کو کیا سمجھتی ہوں۔ داہر کو غصہ آیا لیکن پھر اس نے ضبط کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ بزدل انسان کو بہت جلد غصہ آتا ہے اور جلدی ہی دور بھی ہو جاتا ہے۔ داہر بزدل ہی تھا اس کا بھی یہی خیال تھا اس نے کہا ماتا۔ بتاؤ تم مجھے کیا سمجھتی ہو۔

جوگنی۔ جو شخص اپنی سگی ہمشیرہ سے شادی کرے تم ہی سوچو وہ کیا ہو سکتا ہے۔

داہر یہ سن کر بے حیائی سے ہنس پڑا۔ ماتا تم ہی بتاؤ کہ ہماری پستکوں دھرم کی کتابوں میں یہ لکھا ہی کہاں ہے کہ سگی ہمشیرہ سے شادی مت کرو۔

جوگنی یہ سن کر جل گئی۔ اس نے کہا یہ بھی نہیں لکھا کہ کوئی اپنی ماتا سے شادی نہ کرے۔ لیکن کیا کوئی شخص ایسا بے حیا بن سکتا ہے کہ اپنی ماتا سے شادی کرے۔

داہر۔ اور اگر کوئی کرے تو اسے الزام نہیں دیا جا سکتا۔ کیونکہ مذہب وہی ہے جو تمام باتوں کو کھول کر بتا دے یہ نہیں کہ صرف یہ بتائے کہ کس کس دیوتا کی پوجا کریں اور کس وجہ سے کریں۔

جوگنی۔ اب تم مذہب کو الزام دینے لگے ہو؟

داہر۔ تم ہی بتاؤ کہ میرا الزام درست ہے یا نہیں کیا تم نے کسی مذہبی کتاب میں یہ دیکھا

ہے کہ کس سے شادی کرو اور کس سے نہ کرو۔

جوگنی۔ مگر دنیا کا دستور کیا ہے۔

داہر۔ بہترین دستور یہ ہے کہ جو عورت پسند آئے اس سے شادی کر لی جائے۔

جوگنی۔ چاہے وہ ماں ہی کیوں نہ ہو۔

داہر۔ ہاں وہ کوئی بھی ہو!

جوگنی۔ کس قدر ناپاک اور بوالہوسانہ خیالات ہیں تمہارے

داہر نے غصہ کے لہجہ میں کہا تم پھر میرے خیالات کو بُرا کہتی ہو لیکن مذہبی کتب کے مصنفوں کو بھی کچھ کہئے۔

جوگنی۔ میں کسی کو کچھ بھی نہیں کہتی مگر ہاں تم سے ایک بات کہنے آئی ہوں۔

داہر۔ فرمائیے کیا۔

جوگنی۔ جو تم اپنی شامت اعمال سے اپنی جنم بھومی (پیدائش کی جگہ) کے دشمن کیوں بن رہے ہو۔

داہر نے حیرت سے دیکھ کر کہا میں یہ کیسے؟

جوگنی۔ تم نے مسلمانوں کو کیوں چھیڑا۔

داہر نے قہقہہ لگا کر کہا میں نے چھیڑا؟ میں کب ان پر لشکر کشی کرنے گیا تھا۔

جوگنی۔ اور وہی کب تم پر لشکر کشی کرنے آ رہے ہیں۔

داہر۔ مگر ایک لونڈا اس ملک کو فتح کرنے کے ارادہ سے آ رہا ہے۔

جوگنی۔ وہ لونڈا شیر ہے ایسا شیر جو اس بھومی (زمین) کے ایک ایک بچہ کو کھا پھاڑ کھائے گا۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا خوب بات کہی یہ تم نے عنقریب تم سن لو گی کہ وہ طفل شیر خوار (دودھ پینے والا بچہ) مارا بھی گیا۔

جوگنی۔ کاش میں ایسا سن سکتی راجن اپنے ملک کے اپنی رعایا کے دشمن نہ بنو!

داہر۔ میں کیسے دشمن بن رہا ہوں۔

جوگنی۔ تم مسلم قیدیوں کو کیوں نہیں چھوڑ دیتے۔

داہر۔ وہ سرحد میں کیوں بغیر اجازت کے آئے میں کبھی انہیں نہ چھوڑوں گا بلکہ

دو چار ہی روز میں انہیں یہاں بلوا کر ایک ایک کو قتل کر ڈالوں گا۔

جوگنی۔ قتل کر چکے اب کس کو قتل کرو گے تم؟

داہر۔ قیدیوں کو!

جوگنی۔ قیدی ہیں کہاں؟

داہر۔ دیبل میں۔

جوگنی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ دیبل تباہ ہو چکا۔ سمنی مارا گیا۔ مندر تاراج کر دیا گیا۔ داسیاں اور سمنی کی دو لڑکیاں مع ہزاروں، دیروں (بہادروں) کے خلیفہ کی خدمت میں بھیج دی گئیں اور وہ مسلمان جن پر یہ جھگڑا اٹھا تھا آزاد کر دیئے گئے۔ داہر یہ باتیں سن سن کر غم والم سے آزردہ ہو رہا تھا۔ اس نے پوچھا کس نے یہ حرکت کی۔

جوگنی۔ اس نے جسے تم طفل شیر خوار کہہ رہے ہو۔

داہر۔ کیا محمد قاسم نے؟

جوگنی۔ ہاں

داہر نے سخت غم زدہ ہو کر اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔ افسوس میں کس خیال میں تھا اور یہاں کیا ہوا لیکن کچھ پرواہ نہیں میں بھی جب تک ان مسلمانوں سے انتقام نہ لے لوں گا آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ جوگنی نے افسردہ لہجہ میں کہا انتقام تم نہ لے سکو گے۔ جو عیش و عشرت میں ڈوبا ہوا ہو جس کے راج محل میں کئی رانیاں ہوں اور پچاسوں داشتہ لڑکیاں ہو جو لہو و لعب ہی کو سب کچھ سمجھتا ہو کیا انتقام لے سکتا ہے میں اس زمین میں پیدا ہوئی ہوں مجھے اس زمین سے محبت ہے میں چاہتی ہوں کہ تم ہوش میں آؤ اور دانشمندی کر کے ملک کو تباہی سے بچا لو ورنہ جو دیبل کا حشر ہوا ہے وہی تمام ملک کا ہو گا۔

داہر۔ تم جس قدر بھی مجھے برا کہو حق بجانب ہو واقعی آج تک میں آرام اور عشرت میں ڈوبا رہا۔ مگر اب مطلق بھی اس طرف رغبت نہ کروں گا۔ اب میں اس قدر لشکر اور اتنے ہاتھی میدان جنگ میں بھیجوں گا کہ وہ ایک مسلمان کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے۔

جوگنی۔ تم جانتے ہو مسلمانوں نے کیوں حملہ کیا ہے؟

داہر۔ اپنے بھائیوں کو چھڑانے کے لئے۔

جوگنی۔ یہی بات ہے انہوں نے اور تو سب کو چھڑا لیا ہے صرف ایک یہ لڑکی (طاہرہ

کی طرف اشارہ کر کے) باقی رہ گئی ہے۔ عقلمندی اور مصلحت اسی ہی میں ہے کہ اسے محمد قاسم کے پاس بھیج دو اور اس سے استدعائے صلح کرو۔

داہر نے بگڑ کر کہا۔ میں دب کر کبھی صلح نہ کروں گا یہ لڑکی مجھے پسند ہے اور یہ سندھ کی مہارانی بنے گی۔

جوگنی نے غضب ناک ہو کر کہا راون سیتا کو بھگا کر لے گیا تھا آخر اس کا ناش ہو گیا تم اس کینا (دوشیزہ) کو لائے ہو کہیں تمہارا بھی راون جیسا حشر نہ ہو۔

داہر۔ اطمینان رکھو میں مسلمانوں کو مسل کر رکھ دوں گا۔

جوگنی۔ یہی راون کا خیال تھا کہ رام چندر جی کو مسل ڈالے گا مگر کچھ بھی نہ کر سکا۔

داہر۔ مگر میں راون نہیں ہوں۔

جوگنی۔ راون تم سے زیادہ طاقت ور تھا تم سے زیادہ اس کے ہمراہ سپاہ تھی۔

داہر۔ نہیں ماتا اس سے زیادہ میرے پاس فوج ہے۔

جوگنی۔ افسوس تمہاری آنکھیں نہیں کھلتیں اچھا تم جانو مگر ایک بات مان لو۔

داہر۔ کیا۔

جوگنی۔ اگر اپنی بہتری چاہتے ہو تو اس کنیا (طاہرہ) کو اس وقت تک کچھ نہ کہو جب تک مسلمانوں سے لڑائی کا فیصلہ نہ ہو جائے۔

داہر۔ میں منظور کرتا ہوں۔

طاہرہ کچھ خوشی اور کچھ غم۔ کچھ غصہ اور کچھ خوف بھری نظروں سے جوگنی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دیوار سے لگی کھڑی تھی۔ اس کے ہاتھ میں خنجر تھا اب جوگنی ۔ اور کمرہ میں چلی اور پراسرار طریقہ سے غائب ہو گئی داہر اس کے چلے جانے کے بعد کچھ سوچتا رہا۔ آخر اس نے سر اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ طاہرہ مجھ سے غلطی ہوئی کہ میں نے تم کو ستایا میں معافی چاہتا ہوں کہ آیندہ تم کو کچھ نہ کہوں گا۔ تم اطمینان سے رہو۔ اچھا اب میں جا رہا ہوں۔

یہ کہتے ہی وہ چلا گیا اور طاہرہ نے اطمینان کا دم لیا وہ بیٹھ گئی اپنی حالت داہر کی کیفیت جوگنی کے فرمودہ واقعات پر غور کرنے لگی۔

ستائیسواں باب ۲۷

پیکر غرور

داہر طاہرہ والے کمرہ سے باہر نکل آیا اُسے جوگنی نے بتایا تھا کہ دیبل کا قلعہ مسلمانوں نے فتح کرلیا ہے لیکن اسے یقین نہ آتا تھا اس لیے کہ دیبل کا قلعہ اس قدر مضبوط تھا کہ اس کے خیال میں اس کا فتح ہونا قریب قریب ناممکن تھا اور اس کے علاوہ وہاں لشکر بھی کافی تھا اسے معلوم تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کل چھ ہزار ہی ہے اسے خیال نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا کہ اہل دیبل مسلمانوں کو ہزیمت دے کر بھگا دیں گے۔ مگر آج جوگنی نے بتایا کہ دیبل فتح ہوگیا اسے حیرت تھی اور افسوس بھی۔ وہ وہاں چل کر اپنے خاص کمرہ میں پہنچا۔ یہاں اس کی سگی ہمشیرہ لادی جس سے اس نے شادی کرلی تھی اور جو رانی کہلاتی تھی بیٹھی تھی اس نے راجہ کا چہرہ اداس دیکھا تو اسے تعجب ہوا اسے یہ معلوم تھا کہ راجہ ایک مسلم دوشیزہ کو لایا ہے اور اسے اپنی مرضی پر چلنے کی ترغیب دے رہا ہے یہ کوئی نئی بات نہ تھی اس نے کئی لڑکیوں کو اسی طرح ہموار کر کے اپنی نفس پرستی کا شکار بنایا تھا اور یہ سب کچھ تمام رانیوں کے سامنے ہوا تھا۔ چونکہ رانیاں ایسے واقعات کی عادی ہوگئی تھیں اس لئے اب انہیں رشک یا حسد نہ رہا تھا۔ چنانچہ رانی لادی نے بھی باوجود سمجھنے کے کہ راجہ مسلم دوشیزہ کے پاس سے آرہا ہے۔ کسی کبیدگی کا اظہار نہ کیا بلکہ اسے پریشان حال اور افسردہ خاطر دیکھ کر وہ بھی افسردہ ہوگئی اور جب داہر آکر بیٹھ گیا۔ تب اس نے کہا۔ ناتھ کیسی طبیعت ہے؟ داہر نے کہا اچھی ہے۔

لادی۔ مگر بشرہ سے تو قدرے پریشانی ظاہر ہے۔

داہر۔ ماتا جوگنی نے ایک ایسی ہی خبر سنائی ہے۔

لادی۔ وہ خبر مجھے بھی سناؤ گے سوامی؟

داہر۔ اس نے بتایا ہے کہ مسلمانوں نے دیبل کا قلعہ فتح کرلیا ہے۔

اس وقت رانیوں کو سیاسی معاملات سے کچھ بھی تعلق نہ ہوتا تھا وہ یہ بھی نہ جانتی تھیں کہ اگر جنگ ہو کر ملک کا کچھ حصہ بھی نکل جائے تو اس سے کیا نقصان ہوتا ہے۔ چنانچہ لادی بھی ایسی ہی رانی تھی اس نے کہا کہ اگر ایک قلعہ جاتا رہا تو کیا نقصان ہو گیا۔ آپ کے پاس تو سینکڑوں قلعے ہیں۔

داہر۔ لیکن ممکن ہے کہ جس طرح مسلمانوں نے ایک قلعہ فتح کر لیا ہے اسی طرح اور بھی کر لیں گے

لادی۔ کر لینے دو۔ دو چار قلعے قبضے میں کر کے لوٹ جائیں گے۔ سارے قلعوں پر قبضہ کرنے سے تو وہ رہے۔

داہر۔ تم مسلمانوں کو نہیں جانتیں وہ انسان نہیں شیطان ہیں ان میں ضرور اتنی طاقت ہے کہ ایک ایک کر کے تمام قلعوں پر قبضہ کر سکتے ہیں۔

لادی یہ سن کر کچھ خوف زدہ ہو گئی۔ اس نے کہا کیا اس اور کے قلعہ کو بھی فتح کر لیں گے۔

داہر۔ ہاں اگر ان کو روکا نہ گیا تو وہ اسے بھی فتح کر لیں گے۔

لادی۔ جب تو روکئے پھر انہیں سوامی۔

داہر۔ روکوں گا اور صرف روکنے ہی کا نہیں بلکہ انہیں شکست دے کر ان کے ملک پر چڑھائی کروں گا اور جب ان کے خلیفہ کو اسیر کر لوں گا تب واپس آؤں گا۔

لادی کچھ گھبرا گئی۔ اس نے کہا نہیں ناتھ وہاں جانے کا ارادہ نہ کیجیے وہ تو سمندر پار رہتے ہیں میں نے بزرگوں سے سنا ہے کہ سمندر پار شیطانوں بھوتوں اور جادوگروں کی آبادی ہے جو وہاں جاتا ہے زندہ واپس نہیں آتا اس زمانہ میں ہندوستان کے تمام ہندوؤں کے یہی خیالات تھے اس لئے وہ سمندر میں سفر کرنا خلاف مذہب بتاتے تھے گویا انہوں نے سمندر پار نہ جانے کے لئے مذہب کا ایک بہانا بنا لیا تھا ورنہ وہ اس خوف سے کہ سمندر پار شیطان بھوت۔ دیو۔ جن اور جادوگر رہتے ہیں وہاں جاتے ڈرتے تھے داہر نے کہا مگر مسلمان بھی تو سمندر پار ہی میں رہتے ہیں۔

لادی۔ مگر آپ کہہ رہے ہیں کہ مسلمان شیطان ہیں شیطانوں میں ہی رہ سکتے ہیں۔

داہر۔ لیکن مسلمان دیکھنے میں تو انسان معلوم ہوتے ہیں۔

لادی۔ کچھ ہی ہوں مگر میں آپ کو وہاں نہ جانے دوں گی

لادی۔ اچھا خود نہ جاؤں گا کسی سردار کو بھیج دوں گا۔

لادی ۔ ہاں کسی اور کو بھیج دو۔ اس وقت آپ کی طبیعت کچھ بدمزہ ہو رہی ہے ناچنے اور گانے والیوں کو بلا لیجئے!

داہر نے قطع کلام کر کے کہا خوب یاد دلایا تم نے اچھا کسی داسی کو بھیج دو۔ فوراً لادی نے ہتھیلی بجائی۔ ایک خادمہ اندر آئی اور دونوں ہاتھ جوڑ کر ماتھے سے لگا کر سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔ لادی نے کہا جاؤ ناچنے اور گانے والیوں کو بھیج دو۔ خادمہ چلی گئی اور تھوڑی ہی دیر میں کئی حسین دوشیزہ لڑکیاں مع ساز کے آئیں اور سلام کر کے مودبانہ بیٹھ گئیں یہ تمام لڑکیاں خوب صورت تھیں اور ایک ایک انگیا جس سے صرف سینہ کا کچھ حصہ ڈھکا ہوا تھا پہنے تھیں ساڑھیاں باندھتے تھیں مگر اس لباس سے ستر پوشی نہ ہو رہی تھی بلکہ جسم کا اکثر حصہ نظر آ رہا تھا۔ لادی نے ان سے کہا کوئی اچھا گانا سناؤ۔ انہوں نے ساز اٹھائے اور سر ملا کر گانا شروع کیا۔ جیسی وہ حسین تھیں ویسی ہی خوش آواز تھیں۔

ان کے مل کر گاتے سے سماں بندھ گیا اور داہر اور لادی کی روحیں موسیقی کے بحر ناپید میں تیرنے لگیں۔ کچھ دیر کے بعد گانا بند کر دیا گیا اور داہر باغیچہ میں جا بیٹھا۔ دراصل دیبل کی فتح نے اس کے دل پر بڑا اثر کیا تھا۔ اس کے دل کا سکون جاتا رہا اور وہ کچھ پریشان رہنے لگا۔ مگر جب کوئی اس کے پاس آتا تو وہ خوش رہنے کی کوشش کرتا تاکہ کسی کو یہ معلوم نہ ہو کہ راجہ غم زدہ رہنے لگا ہے! ایک دن اسے معلوم ہوا کہ محمد قاسم کا قاصد آیا ہے اس نے دربار منعقد کیا تمام درباریوں کو طلب کیا جب وہ آ گئے تب وہ بھی دربار میں آ بیٹھا اور اس نے قاصد کو حاضر ہونے کا حکم دیا قاصد ایک مسلمان تھا اس نے سنگھاسن کے قریب جا کر مراسلہ بڑھایا۔ بڈھی من وزیر نے مراسلہ لے کر پڑھنا شروع کیا۔ اس میں تحریر تھا۔

از جانب محمد قاسم ثقفی بندہ خدا سالار لشکر اسلامیہ بجانب راجہ داہر والئی ہند و سندھ افسوس ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو قید کر کے فرزندان اسلام کو سندھ پر حملہ کرنے کی دعوت دی۔ کاش آپ قیدیوں کو اسی وقت رہا کر دیتے جبکہ پہلی مرتبہ آپ کی خدمت میں قاصد بھیجا گیا تھا اب دیبل فتح کر لیا گیا ہے اور وہاں جو قیدی تھے ان کو چھڑا لیا گیا ہے صرف ایک لڑکی طاہرہ الور میں آپ کے پاس ہے مناسب یہ ہے کہ آپ اسے باعزت ہمارے پاس روانہ کر دیں اگر آپ ایسا کریں گے تو وجہ مخاصمت ختم ہو جائے گی چونکہ میں

خونریزی کو پسند نہیں کرتا اس لئے دوستانہ مشورہ دیتا ہوں۔

(از محمد قاسم)

داہر اس خط کو سن کر آگ بگولہ ہو گیا اس نے کہا شاید محمد قاسم دیبل کی فتح پر کچھ مغرور ہو گیا ہے اور اسی لئے اسے یہ خط لکھنے کی ہمت ہوئی ہے مگر وہ میری طاقت سے واقف نہیں ہے۔ اس سے کہدو کہ طاہرہ میرے پاس ہے اور میرے ہی پاس رہے گی کوئی طاقت اسے مجھ سے چھین کر نہیں لے جا سکتی۔ اس کی یہ لایعنی گفتگو سن کر قاصد کو غصہ آ گیا اس نے کہا۔ مغرور محمد قاسم نہیں آپ ہیں آپ کو اپنی طاغوتی قوت پر غرہ ہے مگر آپ خدا کو بھول گئے ہیں نہیں جانتے کہ وہ فرعونی حکومت کا منٹوں میں خاتمہ کر دیا کرتا ہے ہمیشہ کمزوروں کا ساتھ دیتا ہے اگر وہ کمزوروں کا ساتھ نہ دے تو زورآور انہیں مسل ڈالیں آپ زورآور سہی لیکن ہم کمزوروں کا خدا مددگار ہے اور اس لئے ہمیں اطمینان اور اعتماد ہے کہ اگر آپ نے ہماری صلح کی درخواست کو ٹھکرا دیا تو خدا ہماری مدد کرے گا اور جس طرح سے ہم نے دیبل فتح کر لیا ہے اسی طرح آپ کی تمام اور راجدھانی فتح کر لیں گے۔ داہر غصہ سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اس نے کہا۔ تمہارا یہ حوصلہ؟ تم کو معلوم نہیں کہ دیبل میں بزدل لوگ تھے اب جن بہادروں سے مقابلہ ہو گا وہ شیروں کے گلے چیر ڈالتے ہیں اس لئے میں تم کو متنبہ کرتا ہوں کہ دیبل سے آگے قدم نہ بڑھانا ورنہ تم میں سے ایک بھی زندہ بچ نہ جائے گا۔

قاصد۔ آپ ہم مسلمانوں سے بالکل واقف نہیں ورنہ صلح کو غنیمت جانتے ہم وہ ہیں جو۔ بجز خدا کے اور کسی سے نہیں ڈرتے اور جس کام کو شروع کرتے ہیں اسے پورا کئے بغیر نہیں چھوڑتے ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ یا تو طاہرہ کو رہائی دلائیں گے یا اسی کی کوشش میں خود شہید ہو جائیں گے۔

داہر۔ ہاں یہ دوسری بات ممکن ہے۔

قاصد۔ نہیں وہ ممکن نہیں بلکہ ممکن یہ ہے کہ ہم تمہاری حکومت کا تختہ ہی الٹ دیں گے۔

داہر۔ اچھا دیکھوں گا منتری جی (وزیر جی) مغرور محمد قاسم کو جواب لکھ دو اور اس گستاخ قاصد کو دے دو۔

بدھی من نے جواب لکھا۔ داہر کو دکھایا اور مہر لگا کر قاصد کے حوالے کر دیا۔ قاصد روانہ ہو گیا اس کے جانے کے بعد داہر نے وزیر اعظم سے کہا تم نیرون کے راجہ ساہنی، سوستان

کے راجہ بھیرا۔ بدیہہ کا راجہ کاکا۔ بیت کے راجہ موکہ کو ہماری طرف سے فرمان لکھو کہ محمد قاسم کو اپنی اپنی سرحد پر روکیں اس طرف نہ بڑھنے دیں اور اگر وہ لڑے تو اسے شکست دے کر بھگا دیں اور کوشش کریں کہ اس مغرور کو قتل کر کے اس کا سر ہمارے حضور میں بھیجدیں۔ اسی وقت یہ فرماں روانہ کر دو۔ بہتر ہے وزیر اعظم نے کہا اور اپنے نائب وزیر سلیساگر کو بلا کر اس سے فرمان لکھوانے لگا۔ جب فرامین تیار ہو گئے تب قاصد کے حوالہ کر کے اسی وقت روانہ کر دیا گیا۔ اب داہر نے دربار برخاست کر دیا اور اٹھ کر راج محل میں چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی تمام درباری بھی ایک ایک کر کے چلے گئے۔

اٹھائیسواں باب ۲۸

غازیانِ اسلام

محمد قاسم مع لشکر کے دیبل سے نیرون کی طرف چل پڑا۔ نیرون دیبل سے پینتالیس ۴۵ فرسنگ[1] یعنی تقریباً چونسٹھ میل تھا۔ دس میل روزانہ کے حساب سے چھ دن میں یہ لشکر نیرون پہنچا۔ محمد قاسم جس قدر پر جوش اور بہادر تھا اسی قدر رحم دل تھا اور اس رحم دلی کی ہی وجہ سے نہیں چاہتا تھا کہ فضول خونریزی ہو اور خلق اللہ ماری جائے۔ چونکہ یہ مہم ان مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے بھیجی گئی تھی جو کہ سراندیپ سے آتے وقت راجہ داہر کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے تھے دیبل فتح ہونے سے اور تمام قیدی رہا ہو گئے تھے۔ صرف ایک طاہرہ رہ گئی تھی۔ محمد قاسم چاہتا تھا کہ داہر طاہرہ کو بھی رہا کر دے تو وجہ نزاع مٹ جائے اور یہ مہم ختم ہو جائے۔ چنانچہ اس نے نیرون پہنچنے سے پہلے ہی راجہ داہر کو ایک خط لکھا تھا اور اس میں مطالبہ کیا کہ وہ طاہرہ کو چھوڑ دے۔ جب حجاج کو معلوم ہوا کہ محمد قاسم نے اس قسم کا خط راجہ داہر کو لکھا ہے تو اس نے فوراً ناراض ہو کر ایک تہدید نامہ لکھا جس کا اقتباس یہ ہے۔

> فرزند من میں اس بات کو سن کر خوش نہیں ہوا کہ تم نے راجہ داہر کو مصالحت کے لئے لکھا ہے تم نے اپنی نیک دلی سے ایسا لکھا لیکن داہر اسے تمہاری کمزوری پر محمول کرے گا اور وہ ہرگز صلح پر آمادہ نہ ہوگا۔ تم ہندوستان کے راجاؤں سے واقف نہیں ہو یہ خود سر مغرور، نیم وحشی اور نہایت سنگ دل ہوتے ہیں۔ میں نے یہ تمہیں ہدایت کی ہے کہ جو خود تم سے مصالحت کی درخواست

---

[1] ایک فرسنگ تین میل کا ہوتا ہے اور ایک میل سترہ سو ساٹھ ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے اور ایک گز چھ مٹھی کا ہوتا ہے اس طرح ایک فرسنگ اڑھائی میل اور پینتالیس فرسنگ تقریباً چونسٹھ میل ہوئے (صادق صدیقی)

کرے اس سے فوراً صلح کرلو ان جن شرائط پر صلح کرو ان کی پوری پابندی کرو۔ لیکن اپنی طرف سے ہرگز تحریک صلح نہ کرو۔ میں سمجھتا ہوں کہ تمہارے پاس لشکر کم ہے اور غنیم کے پاس بے شمار ہے مگر مسلمان کبھی دشمنوں کی کثرت سے نہیں گھبراتا اس لئے کہ وہ خدا پر بھروسہ کرتا ہے اور اسی سے امید کی اعانت رکھتا ہے۔ ہندو نہ خدا کو مانتے ہیں نہ اس سے امید رکھتے ہیں اس لئے تم اندیشہ نہ کرو انشاء اللہ خدا تم کو فتح دے گا آج تمام اسلامی قلمرو کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں اور ہر مسلمان مرد عورت اور بچے تمہاری فتح یابی کی دعائیں مانگ رہے ہیں جب دشمن ہاتھیوں کو لے کر حملہ کرے تو تم اپنے گھوڑوں کے مہمیزیں لگا دو یا پیدل ہو کر تیروں سے حملہ کر دو۔ جب دریائے سندھ پر پہنچو تو اس کا ایک نقشہ میرے پاس بھیج دو نیز تمام مسلمانوں کو میرا سلام کہہ دو۔

حجاج از بصرہ

جب یہ خط محمد قاسم کے پاس آیا تو اس نے فوراً تمام لشکر کو سنا دیا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حجاج نے ڈاک بٹھادی تھی اور پانچ پانچ میل کی ایک منزل مقرر کر دی اور ہر منزل پر دو دو سوار مقرر کر دیئے تھے جو خط ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر لاتے اور لے جاتے تھے یہ انتظام بدستور قائم تھا اور جوں جوں اسلامی لشکر بڑھتا جاتا تھا ڈاک کی منزلیں بھی بڑھتی جاتی تھیں اور قریب قریب ہر تیسرے دن خطوط آتے جاتے تھے۔ جب یہ لشکر نیرون پہنچا تو سامنی حاضر ہوا۔ غالباً ناظرین کو یاد ہوگا کہ سامنی نے حجاج سے مصالحت کر لی تھی اور اس کی اطلاع محمد قاسم کو مل چکی تھی۔ اس نے آتے ہی بیان کیا کہ وہ قاصد جسے محمد قاسم نے داہر کے پاس بھیجا تھا۔ جواب لے کر آ گیا ہے اور سامنی نے اسے روک لیا ہے اس نے یہ بھی کہا کہ داہر کا ایک فرمان اس کے نام آیا ہے جس میں لکھا ہے کہ محمد قاسم کو ایک قدم بھی آگے نہ بڑھنے دو اسے سرحد پر روکو اور جنگ شروع کر دو اس نے یہ بھی بتایا کہ داہر نے اسی قسم کے فرامین تمام راجاؤں کے نام بھیجے ہیں۔ محمد قاسم نے سمجھ لیا کہ داہر مصالحت کرنے پر آمادہ نہیں ہے اس کی سمجھ میں یہ بات آ گئی کہ حجاج نے بالکل درست لکھا ہے کہ میری درخواست مصالحت میری کمزوری پر محمول کی جائے گی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ آئندہ کبھی کسی راجہ سے مصالحت کی تحریک نہ کروں گا اس نے قاصد کو بلایا۔ قاصد نے آ کر داہر کا ایک مراسلہ پیش کیا۔ محمد قاسم نے مراسلہ کھول کر پڑھا

اس میں تحریر تھا:۔ از جانب راجگان داہر فرمانروائے بحروبر بجانب۔ مغرور و سرکش محمد قاسم۔

اے شیر خوار بچہ تو دیبل کو فتح کر کے اترا گیا ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ دیبل کی طرح سے اور قلعوں کو بھی فتح کرلے گا حالانکہ تجھے معلوم نہیں ہے کہ دیبل میں تجار اور پیشہ ور لوگ رہتے تھے لڑنے والے بہت کم تھے اسی لئے تم نے اسے فتح کرلیا اور اب اتنی جرأت ہوگئی ہے کہ تو ہم کو دھمکی دینے لگا کہ یا تو ہم طاہرہ کو چھوڑ دیں ورنہ ہمارا حشر دیبل والوں کا سا ہوگا۔ بے وقوف بچے اس خیال خام کو اپنے دل سے نکال دے اور اگر تو اپنی اور اپنے لشکر کی زندگی چاہتا ہے تو واپس چلا جا ورنہ ایک مسلمان بھی زندہ نہ رہے گا تو میرے بیٹے راجہ جے سیاہ[1] کے زور و قوت سے واقف نہیں ہے کہ اس سے ہند و سندھ کے تمام فرمانروا کانپتے اور اس کے آستانہ پر ماتھا رگڑتے ہیں۔ مکران اور توران کے بہادر لوگ اس کے حلقہ بگوش اطاعت ہیں۔ ہمارے پاس اس قدر ہاتھی ہیں کہ ان کا ایک ہی ریلہ تیرے تمام لشکر کو مل کر رکھے گا۔ عقل مندی اسی میں ہے کہ میرے بہادروں کو پہنچنے سے پہلے ہی لوٹ جا۔

محمد قاسم اس خط کو پڑھ کر ہنسا اس نے کہا داہر کو غرہ ہے اپنے لشکر پر اپنے بیٹے کی بہادری پر اپنی رعایا کی کثرت پر۔ ہاتھیوں کی ہنگامہ خیزی پر مگر ہم کو زعم ہے خدا پر اور خدا پرستی پر۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ہم خدا ہی کے ہیں جس نے ہمیں پیدا کیا ہے جس کی ہم پرستش کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہم مسلمانوں کی مدد کرتا رہا ہے اور اب بھی کرے گا اس نے اپنے کلام پاک میں ارشاد فرمایا ہے وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ (ہم پر (خدا کو) مسلمانوں کی مدد کرنا لازمی ہے یہ ظاہر ہے کہ جس کی مدد خدا کرے اس کی فتح یقینی ہے اس لئے ہمارا اعتقاد ہے کہ فتح ہماری

---

[1] جے سیاہ راجہ داہر کا بیٹا تھا۔ تاریخوں میں اس کی پیدائش کا افسانہ اس طرح لکھا ہے کہ اس کی ماں حاملہ تھی۔ داہر شکار کے لئے گیا تھا۔ اتفاق سے شیر سامنے آگیا سپاہی ڈر کر بھاگ گئے۔ راجہ داہر نے شیر مار ڈالا۔ سپاہی جب شہر میں پہنچے تو انہوں نے یہ واقعہ بیان کیا۔ اس نے بھی سنا۔ وہ بے ہوش ہو کر مر گئی۔ جب راجہ نے واپس آکر سنا تو اس نے رانی کو دیکھا اس کے پیٹ میں بچہ زندہ تھا چنانچہ پیٹ چیر کر بچہ نکالا گیا اور اس کا نام جے سیاہ رکھا گیا (صادق صدیقی)

ہو گی راجہ داہر کے ہاتھی۔ اس کا بے شمار لشکر اس کا بیٹا اس کے بہادر لوگ سب دھرے جائیں گے اس میں شبہ نہیں کہ میں خونریزی کو پسند نہیں کرتا اور اس لئے چاہتا تھا کہ داہر سے مصالحت ہو جائے لیکن وہ ایسا مغرور اور جابر ہے کہ اس نے میری صلح کی پیش کش کو میری کمزوری پر محمول کر کے ٹھکرا دیا اب انشاءاللہ اس سے صلح ہرگز نہ کروں گا اور یا تو اسے قتل کر کے دم لوں گا یا خود شہید ہو جاؤں گا۔

سامنی نے کہا راجہ داہر نے جو فرامین جاری کئے ہیں ان میں یہ لکھا ہے کہ آپ کو زندہ گرفتار کر کے یا آپ کا سر اسکے حضور میں پیش کیا جائے۔

محمد قاسم۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مجھ سے ڈرتا ہے لیکن اگر خدا نے چاہا تو میں اس کا سر حجاج کے پاس بھیجوں گا۔

نیرون میں محمد قاسم نے اس لئے قیام کر دیا تھا تاکہ لشکر آرام کرے اور رسد کا انتظام کر لیا جائے لیکن اسلم کو ایک ایک گھنٹہ بلکہ ایک ایک منٹ ناگوار گزر رہا تھا جب تک وہ خود اسیر تھا اور تہ خانہ میں مقید تھا اس وقت تک مجبور تھا اور طاہرہ کی خبر نہ لے سکتا تھا۔ مگر اب وہ آزاد ہو گیا تھا کہ جلد سے جلد طاہرہ کو رہا کرانے کا متمنی تھا۔ لہذا دو دن گزرنے پر اس نے محمد قاسم سے کوچ کرنے کو کہا محمد قاسم کو اسلم سے محبت ہو گئی تھی وہ اسے پرجوش بہادر سمجھتا تھا اس نے پانصد سواروں پر اُسے مقرر کر کے اس کے لئے ایک علم بنا دیا تھا ہر دستہ کا علم جداگانہ تھا اور ہر شخص اپنے علم کی کمال عزت کرتا تھا لیکن محمد قاسم کے علم کو سب پر ترجیح دی جاتی تھی۔ چنانچہ محمد قاسم نے لشکر کو تیاری کا حکم دے دیا اور اگلے دن کوچ کی ٹھہر گئی۔ نیرون سے آگے بڑھکر سوستان کی ولایت تھی۔ سوستان کا دارالسلطنت بھرج تھا جو کہ سوستان کے قلعہ کے قریب ہی تھا۔ سوستان کا حاکم بجھرا راجہ داہر کا بھتیجہ تھا۔ چنانچہ دوسرے دن لشکر اسلام نے اس طرح کوچ کیا کہ سب سے پہلے اسلم کا دستہ پھر عبدالرحمٰن پھر سفیان البرک کا۔ پھر عجل کا۔ پھر خریم کا اور پھر محمد قاسم اور مجاشع کا دستہ سب کے آخر میں اس روز روانہ نہ ہو سکا بلکہ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھکر روانہ ہوا۔ سامنی نیرون میں ہی رہ گیا لیکن اس نے اس اسلامی لشکر کے لئے رسد کا انتظام یہ ہو گیا کہ غلہ کے تاجروں کو ہدایت کر دی کہ ہر منزل پر رسد پہنچا دیں اور یہ انتظام سوستان تک جاری رہا۔

اُنتیسواں باب ۲۹

"حسین رانی"

رانی لادی محمد قاسم سے وداع ہوکر اپنے لشکر میں چلی گئی تھی۔ چونکہ ابھی رات زیادہ نہیں آئی تھی۔ اس لئے تمام سپاہی جاگ رہے تھے اور آگ کے الاؤ کے گرد بیٹھے خوش فعلیاں کر رہے تھے۔ لیکن رانی کو دیکھتے ہی وہ اٹھ اٹھ کر ہاتھ اٹھا اٹھا کر اور سروں کو جھکا جھکا کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ رانی ان کے سامنے سے گزر کر اپنے خیمہ میں پہنچی اس کی کنیزیں ابھی تک بیٹھی اس کا انتظار کر رہی تھیں لادی کو دیکھتے ہی وہ بھی کھڑی ہو گئیں اس وقت خیمہ میں چاندی کے کئی قندیل سوز تھے اور ان میں چراغ روشن ہو رہے تھے۔ ان کی روشنی سے خیمہ اور خیمہ کی ہر چیز جگمگا رہی تھی۔ لادی کو دیکھتے ہی تمام کنیزیں اٹھ کر سرو قد کھڑی ہو گئیں جب رانی بیٹھ گئی تب انہوں نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اس کا گلابی رنگ قدرے پھیکا پڑا ہوا تھا اس کی داسیاں یا کنیزیں اس کی نیکی یا بھولے پن کی وجہ سے قدرے گستاخ ہو گئی تھیں ان میں سے ایک کنیز نے کہا۔ مہارانی جی کیا بات ہو گئی ہے چہرہ کا رنگ کیوں اڑا ہوا ہے؟

لادی اپنی کیفیت چھپانا چاہتی تھی۔ مگر نہ چھپا سکی راز دار کنیزوں نے معلوم کر لیا لیکن اس نے فوراً ہی کہا کوئی خاص بات ہو گئی ہو اب رات زیادہ آ گئی ہے۔ میں آرام کرنا چاہتی ہوں۔ کنیزوں نے جلدی جلدی اس کے کپڑے تبدیل کرائے اور خیمہ سے نکل نکل کر چلی گئیں کنیزوں کے جاتے ہی رانی مسہری آرا چارپائی پر جا پڑی اور خیالات کے سمندر میں غوطے کھاتے لگی کبھی اسے خیال ہوتا کہ چندر نے کس قدر دغابازی کی کہ اسے اور راجہ کو فریب دے کر یہاں لایا اور اس آبرو ریزی کے درپے آزار ہو گیا کبھی محمد قاسم کا خیال آتا اور اس کی نیکی بہادری اور خوش خلقی کی تعریف کرتی کبھی کہتی کہ کس قدر کمسن لڑکا ہے اور فوج کا سپہ سالار بن کر آیا ہے۔ یہ کس قدر ہوشیار ہے کہ رات کو آرام نہیں کرتا بلکہ دشمنوں کا سراغ لگاتا پھرتا ہے الغرض اس قسم کے خیالات میں آدھی رات تک پڑی

الجھتی رہی آدھی رات کے بعد سوگئی اس نے خواب میں بھی محمد قاسم ہی کو دیکھا تو اس کی آنکھ کھل کھل گئی۔ آنکھ کھلتے ہی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی اور جب کسی کو بھی وہاں نہ پائی تو کچھ اپنے اس نازیبا خیال پر غصہ اور افسوس کر کر کے بن بن کر پڑ جاتی اور کچھ دیر کے بعد سو جاتی۔ اس طرح سے سوتے جاگتے صبح ہو گئی اٹھتے ہی اس نے ضروریات سے فراغت کر کے اور اسی وقت لشکر کو واپس کوچ کرنے کا حکم دے دیا یہ کس کی مجال تھی کہ رانی لادی کے حکم کو ٹال سکے فوراً تمام لشکر کیل کانٹے سے لیس ہو گیا لادی رتھ میں بیٹھ گئی اور لشکر کے ساتھ الور کی طرف روانہ ہو گئی۔

الور وہاں سے بہت دور تھا۔ یہ لشکر منزل بمنزل کوچ و قیام کرتا چلا جا رہا تھا۔ لشکر والوں نے راستہ میں سن لیا تھا کہ مسلمانوں نے دیبل فتح کر لیا ہے یہ سن کر ان پر ہراس طاری ہو گیا تھا اسے اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں مسلمان ان پر اچانک حملہ نہ کر دیں اس لئے وہ دُومنزلہ اور سہ منزلہ کر کے جلد سے جلد الور پہنچنا چاہتے تھے۔ لیکن ایک رانی لادی دھان پان تھی۔ وہ اس قدر سفر کی مشقت برداشت نہ کر سکتی تھی۔ دوسرے اس طرح بھاگ کر چلنے سے ان پر بزدلی کا الزام عائد ہوتا تھا اس لئے وہ بظاہر اطمینان سے چل رہے تھے۔ حالانکہ ان کے دل خوف اور دہشت سے کانپ رہے تھے ایک دن اس لشکر کے سردار نے لادی سے کہا بھی کہ اگر آپ اجازت دیں تو رات اور دن سفر کو جاری رکھا جائے مگر رانی نے نہ مانا اور صاف طور کہہ دیا کہ شاید تم لوگ مسلمانوں سے ڈرتے لگے ہو لیکن میں نہیں ڈرتی میں جس طرح آرام و اطمینان سے آئی تھی اسی آرام و اطمینان سے جاؤں گی۔ بڑی بزدلی ہوگی میں مسلمانوں سے ڈر کر رات دن بھاگم بھاگ چلی جاؤں۔

افسر رانی کی یہ بات سن کر چپ ہو گیا اور سفر بدستور جاری رہا۔ چونکہ رانی لادی سے رعایا کو عام طور پر محبت تھی اس لئے وہ جن گاؤں یا قصبہ یا شہر سے گزرتی اس کی رعایا آ کر اس کے سامنے جھکتی اور اس کے قدموں پر نذر و عقیدت کے پھول چڑھاتی چلی گئی آخر یہ لشکر بخیر بت الور پہنچ گیا۔ رانی راج محل میں داخل ہوئی۔

چونکہ وہ اتنا لمبا سفر کرنے سے تھک گئی تھی اس لئے اس نے اپنے کمرہ میں جا کر آرام کیا اور تمام شب آرام سے سوتی رہی۔ صبح کو بیدار ہو کر ضروریات سے فراغت کر کے غسل کیا اور غسل کرتے ہی سفید ریشمین ساڑھی اور سفید شلوکہ پہن کر کنیزوں کے ساتھ مندر کی طرف روانہ ہوئی۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہر رانی کا مندر علیحدہ تھا اور رانی اپنے ہی مندر میں پوجا پاٹھ کے لئے جایا کرتی تھی۔ چنانچہ رانی لادی اپنے مندر میں پہنچی۔ مندر کی عمارت نہایت خوب صورت

تھی۔ اندر اور باہر ہر طرف سفیدہ استاکاری ہو رہی تھی مندر کے برآمد میں دو تین پنڈت گھٹنوں سے اونچی دھوتیاں کئے کھڑاویں پہنے جنیو ڈالے تھے۔ لادی ان کے پاس پہنچتے ہی ہاتھ جوڑ کر جھکی اور ان کے قدموں کو چھو چھو کر سر دقد کھڑی ہوگئی۔ آج جس طرح لکھے پڑھے۔ جاہل مسلمان مرد عورتیں دغاباز پیروں کے قدم چھو کر گناہ گار ہوتے ہیں اور پیروں سے ڈرتے ہیں اس سے زیادہ ہندو عورتیں اور مرد پنڈتوں سے ڈرا کرتے ہیں اور ڈر کر ان کی تعظیم کے لئے ان کے سامنے جھک جاتے ہیں۔
چنانچہ رانی لادی بھی پنڈتوں سے ڈرتی اور ڈر کر ان کی تعظیم کرتی تھی جب وہ کھڑی ہوئی تو ایک بڈھے برہمن نے کہا۔ سندر رانی (حسین رانی) ایک آپ کے نہ ہونے سے یہ مندر سونا ہو گیا تھا۔ چلیے درشن دکھلا دیجئے لادی کے ساتھ جو کنیزیں آتی تھیں ان میں سے دو کے پاس پھولوں کے چنگیر دان تھے۔ جن میں پھولوں کی مالائیں (ہار) تھیں اور باقی کنیزیں متفرق اشیاء لئے ہوئے تھیں۔
لادی مندر کے اندر گئی اس میں ایک سونے کا بت رکھا تھا۔ رانی اس کے سامنے ہاتھ جوڑ کر سر جھکا کر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئیں دیر تک بیٹھی رہیں کچھ دیر کے بعد اس نے آنکھیں کھولیں۔ کنیزوں کی طرف دیکھا فوراً کنیزوں نے پھولوں کے چنگیر دان پیش کئے اس نے ہار لے کر مورتی کے گلے میں ڈالے اور زمین مرتبہ کے پیروں کو ہاتھ لگا لگا کر اپنی پیشانی سے لگایا پھر سیدھے قدموں واپس ہوئی اور مندر سے باہر نکل کر پنڈتوں کو خیرات دی اب وہ وہاں سے چلی اور اپنے کمرہ میں آگئی ان کا ارادہ کپڑے بدلنے کا تھا کہ دو تین داسیاں گھبرائی ہوئی آئیں اور انہوں نے آتے ہی کہا مہاراج پدھارتے (تشریف لاتے) واسے ہیں لادی سفید پوشاک میں تھی۔ اس کے سر کے بال کمر تک لمبے اور کندھوں پر بکھرے ہوئے تھے اس نے جلدی سے ساڑھی درست کی اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ فوراً ہی راجہ داہر آگیا۔ لادی دوڑ کر اس کے قدموں چومنے کے لئے جھکی۔ راجہ نے اسے اٹھا کر اپنے سینہ سے لگا اور کہا پریہ (پیاری) تم آگئیں۔ لادی نے کہا واتھ بھاگ (قسمت) ہیں آپ کے درشن (زیارت) کرنا لکھے تھے آگئی ورنہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔
راجہ حیران ہو کر اسے دیکھتے ہوئے کہا ورنہ کیا؟
لادی۔ ظالم چندر نے دھوکہ دینے میں کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔
داہر نے کہا۔ دھوکہ۔ چندر نے دھوکہ دیا ؟
لادی۔ جی ہاں،
داہر۔ کیا دھوکہ دیا اس نے ؟
لادی۔ وہ پاپی مجھے اس لئے لے گیا تھا تاکہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

. . . . لادی نے شرما کر آنکھیں جھکا لیں راجہ کو غصہ آرہا تھا اس نے کہا شرماؤ پریہ (پیاری) مجھے سب کچھ صاف صاف سناؤ لادی نے اپنی ہوشربا آنکھیں اس کی طرف اٹھا کر دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ پاپی میری آبرو لینا چاہتا تھا۔ راجہ غصہ اور حیرت سے چونک پڑا اس نے دانت پیستے ہوئے کہا بدکار کہاں گیا پاپی۔

لادی۔ اسے محمد قاسم نے گرفتار کر لیا۔

داہر کی حیرت کی کچھ انتہا نہ رہی محمد قاسم نے کیسے اسے اسیر کیا؟ اب رانی لادی نے تمام واقعات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کرنا شروع کئے اس نے محمد قاسم کی شرافت کی داستان بڑے مؤثر طریقہ پر بیان کی داہر سنتا رہا اس نے کہا کیا تم نے محمد قاسم کو دیکھا ہے؟

لادی۔ جی ہاں دیکھا ہے۔

داہر۔ کیا وہ نوجوان ہے؟

لادی۔ جی نہیں نو عمر لڑکا ہے سترہ سال سے زیادہ اس کی عمر نہیں ہے۔

داہر۔ تعجب ہے اتنی تھوڑی عمر کا لڑکا سپہ سالار بن کر آیا ہے۔

لادی۔ ہر ایک کو حیرت ہے۔

داہر۔ حیرت کی بات ہی ہے جی تو یہ چاہتا ہے کہ میں اس لڑکے محمد قاسم سے صلح کر کے اسے اس کی بہادری کی داد دوں مگر راجپوتی آن روکتی ہے۔

لادی۔ سوامی میری بات اگر مانو تو صلح ہی کر لو۔

داہر۔ نہیں میں صلح کر کے راجپوتوں کی قوم کو دھبہ نہ لگاؤں گا میں اس سے لڑوں گا اور اسے اسیر کر کے چھوڑوں گا کہ اس نے میری رانی کو ایک پاپی کے ہاتھ سے چھڑایا تھا۔

لادی۔ لیکن ناتھ اچھا تو یہی تھا کہ آپ صلح کر لیتے

داہر۔ نہیں میں صلح نہیں کر سکتا میں نے تمام راجاؤں کو لکھ دیا ہے کہ وہ محمد قاسم کو گرفتار کر کے میرے سامنے پیش کریں۔

لادی۔ مگر محمد قاسم آسانی سے گرفتار ہونے والا نہیں۔

داہر۔ تم دیکھو گی کہ کس آسانی سے وہ گرفتار کیا جاتا ہے اچھا تم کپڑے بدل لو!

داہر چلا گیا رانی نے کنیزوں کو کپڑے لانے کے لئے کہا اور جب کپڑے آگئے تو وہ بدلنے لگی۔

تیسواں باب ۳۰

راجہ بجھرا

اسلامی لشکر کے سوستان کی طرف بڑھنے کا غلغلہ تمام سندھ میں پھیل گیا۔ ہندوؤں پر عام ہراس طاری ہوگیا اور وہ آبادیاں چھوڑ چھوڑ کر کچھ برہمن آباد کی طرف بھاگ گئے، کچھ الور چلے گئے اور کچھ راجپوتانہ کے ریگستان میں جا گھسے۔

ہم پہلے بیان کر آئے ہیں کہ سوستان کا دارالخلافہ بہرج تھا اور وہاں کا راجہ بجھرا تھا۔ وہ داہر کا بھتیجہ تھا۔ جب اس نے سنا کہ محمد قاسم اور اس کا لشکر سیلاب کی طرح سے اس کے ملک کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں تو وہ بڑا متفکر اور پریشان ہوگیا اس نے فوراً اپنے وزیر اور سپہ سالار کو بلاکر مشورہ کیا اس نے کہا منتری جی (وزیر اعظم) تم نے سن لیا کہ ملیکش محمد قاسم چنڈالوں کا لشکر لئے بڑھا چلا آرہا ہے۔

وزیر اعظم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا ہاں میں نے سنا ہے اور یہ بھی سن لیا کہ نیرون کے راجہ سامنی نے اس سے صلح کر لی ہے۔

بجھرا۔ اس نے ملک و قوم کے ساتھ غداری کی ہے معلوم ہوا ہے کہ راکشش مسلمانوں کے لئے اس نے ہر منزل میں رسد کا انتظام بھی کر دیا ہے۔

وزیر اعظم۔ اور یہ بالکل صحیح ہے؟

بجھرا۔ آخر کس چیز نے اسے مسلمانوں کی امداد پر آمادہ کیا۔

وزیر اعظم۔ اسے تو ایشور ہی جانتا ہے۔

بجھرا۔ شاید وہ مسلمانوں سے ڈر گیا۔

وزیر اعظم۔ یہی کہا جا سکتا ہے۔

بجھرا۔ اس نے بڑی بزدلی کی۔ اب مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے ہوں گے۔

وزیر اعظم۔ اس نے ہی کیا بزدلی کی سوستان والے بھی بزدلی کر رہے ہیں۔

بجھرا نے حیرت بھری نظروں سے وزیر اعظم کو دیکھتے ہوئے کہا وہ کیا بزدلی کر رہے ہیں۔

وزیر اعظم۔ مسلمانوں کے آنے سے پہلے ہی آبادیاں چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔

بجھرا۔ بلاشبہ یہ ان کی بزدلی نہیں ہے۔

بجھرا نے ایسی نظروں سے جن میں غصہ اور حیرت کی ملی جلی جھلک تھی سپہ سالار کو دیکھتے ہوئے کہا اگر یہ کاٹرپن (بزدلی) نہیں ہے تو کیا ویرتائی (بہادری) ہے۔

سپہ سالار۔ حضور وہ مجبور رہے۔

بجھرا۔ کیا مجبوری تھی؟

سپہ سالار۔ ان کی ڈھارس بندھانے اور ان کی حفاظت کرنے کے لئے لشکر نہیں بھیجا گیا

بجھرا۔ لیکن کیا وہ خود مقابلہ نہیں کر سکتے تھے۔

سپہ سالار۔ ہندوؤں پر مسلمانوں کا کچھ ایسا رعب چھا گیا ہے کہ ان کے سامنے آنا تو درکنار ان کے آنے کی خبر سنتے ہی لرز جاتے ہیں۔

بجھرا۔ ایسے بزدلوں کو تیروں سے اڑا دینا چاہیئے۔

سپہ سالار۔ لیکن اگر حضور دیہاتی ہندوؤں کی مدد کی جائے تو وہ ہمارے قوت و بازو بن کر مسلمانوں کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

بجھرا۔ بیکار ہے میں ایسے ایک ہندو کی بھی امداد نہیں کر سکتا جو مسلمانوں سے ڈرتا ہو۔

وزیر اعظم۔ مگر مہاراج؟

بجھرا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تم کیا کہتے ہو۔

وزیر اعظم۔ اگر ہم ہندوؤں کی مدد نہ کریں گے تو وہ بھاگ کر تمام سوستان کو ویران کر دیں گے۔

بجھرا۔ کرنے دو میں بہادر ہندوؤں کو چاہتا ہوں ایسے بہادروں کو جو مسلمانوں کا خاتمہ کر دیں۔

سپہ سالار۔ ایسا ہندو تو شاید تمام سندھ میں ڈھونڈھے سے ایک بھی نہ ملے گا۔

بجھرا نے پھر حیرت اور غصہ کی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا کیا ہندو بزدل ہو گئے ہیں یا کہ مسلمان ہی بہادر ہیں؟

سپہ سالار۔ دونوں ہی باتیں ہیں حضور!

وزیر اعظم۔ مہاراج آپ نے مسلمانوں کے کارنامے نہیں سنے۔

بجھرا نے قہقہہ لگا کر حقارت بھری نظروں سے وزیراعظم کو دیکھتے ہوئے کہا کارنامے اور مسلمانوں کے قہر قہر ۔۔۔۔۔۔۔۔

منتری جی آپ کیا کہنے لگے دنیا کے اندر ہندوؤں سے زیادہ بہادر کوئی قوم نہیں ہے کارنامے ہندوؤں کے ہیں نہ کہ مسلمانوں کے ؟

وزیراعظم کو بجھرا کی طفلانہ ہنسی بُری معلوم ہوئی۔ اس کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ بجھرا جوان تھا پچیس تیس سال کی عمر تھی۔ رنگ رلیوں میں مصروف رہتا تھا اس کے یہاں بھی کئی رانیاں تھیں اور اس کے ہی کیا قریب قریب ہر راجہ مہاراجہ کے پانچ پانچ سات سات رانیاں تھیں ان رانیوں کے علاوہ تمام راجے نو عمر و حسین کنیزیں سوسو اور دو دو سو رکھے تھے۔ ان حسین عورتوں سے ہر وقت ان کے محل راجہ اندر کا اکھاڑہ بنے رہتے تھے۔ چونکہ رام چندر جی کے باپ راجہ دسرتھ کے کئی رانیاں تھیں اس لئے وہ بھی کئی رانیاں رکھتے تھے۔ اکثر ایسے بھی تھے جو حسین عورتوں کو اغوا کرتے تھے۔ چنانچہ راجہ داہر ہی ایک ایسا راجہ تھا۔ جس نے اپنی سگی ہمشیرہ سے اس لئے شادی کی تھی کہ وہ حسین تھی۔ بجھرا کے لیل و نہار حسین عورتوں میں گزرتے تھے اسے معلوم ہی نہ تھا کہ بہادری کسے کہتے ہیں اور حکومت کس طرح سے کی جاتی ہے لیکن ایک بات اس میں ضرور تھی اور وہ یہ کہ جو کچھ وہ جس کسی سے کہہ دے اسے مان لیا جائے اس کی تعریف کی جائے اور کوئی ذرا بھی اس کی مخالفت کرتا تو وہ اس کا دشمن ہو جاتا۔ اس کے وزیراعظم اور سپہ سالار ہمیشہ اس کی ہاں میں ہاں ملاتے اور رجا و بے جا اس کی تعریف کرتے رہتے تھے اور اس سے اس کی خود نمائی اور خود ستائی کی عادت اور بڑھ گئی تھی۔ مگر اس وقت اس لئے تائید نہ کر سکتے تھے کہ مسلمانوں کا ذکر تھا ان مسلمانوں کا جنھوں نے ریگ زار عرب سے نکل کر یمن، مصر، عراق، شام ایران، افغانستان، آرمینیا اور دیگر جیسے ممالک کو دم کے دم میں فتح کر لیا تھا۔ جن کی شجاعت کے کارنامے دنیا بھر میں زبان زد خلق ہو گئے اور جن سے ہر قوم ڈرنے لگی تھی وزیراعظم نے ذرا تیز لہجہ میں کہا حقیقت یہی ہے جو حضور فرما رہے ہیں۔ یعنی ہندوؤں سے زیادہ کوئی قوم بہادر نہ تھی مگر بجھرا ۔۔۔۔۔۔۔۔

بجھرا۔ مگر کیا؟

وزیراعظم۔ مسلمانوں نے عملی طور پر بتا دیا ہے کہ اب مسلمانوں کی قوم بہادر ہے۔

بجھرا۔ پھر وہی کہا تم نے ایسا مت کہو مجھے رنج بھی ہوتا ہے اور غصہ بھی آتا ہے۔

وزیر اعظم۔ البا اس لئے کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں کا مقابلہ کرنے کی اپنی قوم میں طاقت نہیں دیکھتا!

بجھرا نے اکڑ کر کہا میں مقابلہ کروں گا ان کا سیناپتی جی (سپہ سالار) بتا دو کہ آپ کی سینا لڑنے کے لئے تیار ہے۔

سپہ سالار۔ بظاہر تو تیار ہے۔

بجھرا۔ لیکن حقیقت میں تیار نہیں۔

سپہ سالار۔ خیال ایسا ہی ہوتا ہے۔

بجھرا۔ کیوں؟

سپہ سالار۔ اس لئے کہ بہادر ہندو میدان میں نکل کر مسلمانوں سے لڑنے کے تیار نہیں۔

بجھرا۔ تو وہ کیا قلعہ بند ہو کر لڑنا چاہتے ہیں۔

سپہ سالار۔ جی ہاں۔

بجھرا نے جوش وغضب سے بھر کر کہا۔ میرے لشکر میں اور ایسے بزدل؟ میں ان بزدلوں کو موت کے گھاٹ اتار دوں گا اور اپنے رسالہ کے ویروں (بہادروں) کو ہمراہ لیجا کر مسلمانوں سے لڑوں گا اور اس وقت تک واپس نہ آؤں گا جب تک ایک ایک مسلمان کو چن چن کر نہ مار ڈالوں گا۔ اس وقت کچھ شور وغل کی آواز بلند ہوئی بجھرا نے حیرت سے دریافت کیا کہ یہ کیسا شور ہے سپہ سالار نے اٹھتے ہوئے کہا اگر اجازت ہو تو میں دیکھ آؤں۔

سپہ سالار۔ ہاں دیکھ آؤ مگر جلدی آنا

سپہ سالار چلا اور محل سے باہر آیا اس نے دیکھا کہ دروازہ پر ہزاروں آدمیوں کا مجمع ہے اور سب کے سب غل مچا رہے ہیں سپہ سالار نے دریافت کیا تم لوگ کیوں آئے ہو اور کیا کہنا چاہتے ہو؟ ایک بڈھے آدمی نے کہا ہم مہاراج سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

سپہ سالار۔ اچھا ٹھہرو میں مہاراج کو اطلاع دیتا ہوں

وہ چلا اور بجھرا کے سامنے پہنچا بجھرا نے دریافت کیا کیا بات ہے۔

سپہ سالار۔ پرجا (رعایا) آپ سے کچھ کہنے کے لئے جمع ہو کر آئی ہے۔

بجھرا نے اٹھتے ہوئے کہا۔ چلو میں سنوں گا وہ کیا کہنا چاہتی ہے وہ چلا اس کے پیچھے سپہ سالار اور وزیر اعظم دونوں چلے تینوں محل سے باہر نکل کر آئے اور راج محل کے دروازہ

کے چبوترہ پر کھڑے ہو گئے رعایا راجہ کو دیکھتے ہی سجدہ میں گر گئی اور اس طرح جب سلام کر کے اٹھی تو بجھرا نے کہا۔ میرے وفادارو تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

اس بڈھے نے جس سے سپہ سالار نے گفتگو کی تھی کہا۔ مہاراج ہم اس لئے آئے ہیں کہ مسلمانوں کا لشکر بہرج کے سامنے آگیا ہے بجھرا یہ سن کر بڑا حیران رہ گیا۔ اس نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ بہرج کے سامنے آگیا ہے؟

بڈھا۔ جی ہاں حضور

بجھرا۔ تعجب ہے

بڈھا۔ تعجب نہ کیجئے انداتا یہ مسلمان انسان نہیں ہیں دیو یا بھوت ہیں دم کے دم میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں۔

بجھرا۔ اچھا پھر تم کیا چاہتے ہو۔

بڈھا۔ ہم آپ کی پرجا (رعایا) صرف اس لئے آئے ہیں کہ آپ مسلمانوں سے صلح کر لیں[1]

بجھرا یہ سن کر سخت ناخوش ہوا اس نے بگڑتے ہوئے کہا۔ صلح کر لوں۔ کن سے بزدل مسلمانوں سے کبھی نہیں میں اپنی زندگی میں کبھی ان سے صلح نہ کروں گا۔ بڈھے نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔ مہاراج ذرا سن لیجئے۔

بجھرا۔ سناؤ۔

بڈھا۔ آپ نے سن لیا ہو گا کہ مسلمانوں نے دیبل کا قلعہ فتح کر لیا ہے۔ جب وہ وہاں سے نیرون کی طرف بڑھے تو وہاں کے راجہ سامنی نے ان سے صلح کر کے اپنے ملک اور اپنی رعایا کو بچا لیا۔ ہماری قدیمی پستکوں (کتابوں) میں لکھا ہے کہ مسلمان سندھ پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے مہاراج اپنی رعایا پر آیا (مہربانی) کیجئے اور اسے تباہ ہونے سے بچا لیجئے مسلمانوں کا سردار محمد قاسم ہے اور اسے حجاج نے جو کہ بلاد شرقیہ کا وائسرائے ہے یہ حکم دیا ہے کہ جو تم سے صلح کرنا چاہے اس سے صلح کرے انداتا یہ مسلمان عہد کے پورے ہیں جو اقرار کر لیں گے اسے پورا کریں گے بجھرا جوش و غضب سے بل کھا رہا تھا وہ غیظ بھری نظروں سے بڈھے کو دیکھ دیکھ کر دانت پیس رہا تھا جب بڈھا چپ ہوا تو اس نے غضبناک ہو کر کہا تم مسلمانوں

---

[1] قریب قریب تمام رعایا یہ مشورہ کر کے آئی تھی کہ عافیت اسی میں ہے کہ راجہ مسلمانوں سے صلح کر لیں۔ (از تاریخ ہند صفحہ نمبر ۱۲۸)

کی تعریف کر رہے ہو۔ بڑے شرم کی بات ہے یہ ایک ہندو جو حقیقت میں ہندو ہے کبھی ایک مسلمان کی تعریف نہیں کر سکتا۔ سنو میں ہندو ہوں راجپوت ہوں میں عہد کرتا ہوں کہ کبھی مسلمانوں سے صلح نہ کروں گا ان سے لڑوں گا یا تو ان کو مار کر بھگا دوں گا یا لڑتے ہوئے خود مارا جاؤں گا میں تم سب سے بھی کہوں گا کہ تم سب اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے مذہب کو بچانے کے لئے سینہ سپر ہو جاؤ۔ بہادری سے میدان میں نکل آؤ صلح کا خیال چھوڑ دو بولو تم کو یہ منظور ہے ابھی کسی نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی۔ تمام رعایا۔ سپہ سالار وزیر اعظم اور سپہ سالار نے مخاطب ہو کر کہا افسوس ہم غافل ہی رہے اور مسلمان آ گئے جاؤ جلدی جاؤ فی الحال قلعہ کا دروازہ بند کرا دو۔ فصیل پر لشکر بھیج دو جلدی کرو میں بھی تمہارے پیچھے ہی آ رہا ہوں سپہ سالار اور وزیر اعظم دونوں چلے گئے۔ اب بجھرا نے رعایا سے خطاب کر کے کہا میرے وفادارو یہ وقت باتیں کرنے کا نہیں ہے۔ دشمن سر پر آ گیا ہے اگر فوراً ہی صلح کی سلسلہ جنبانی کی گئی تو شاید وہ نہ ملنے اس لئے ابھی انتظار کرو اور اس قلعہ کو بچانے کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم بہادر ہو۔ بہادروں کی اولاد ہو۔ بہادری کو دھبہ نہ لگاؤ۔ لوگوں کی سمجھ میں یہ بات آ گئی۔ وہ راجہ بجھرا کی جے کے نعرے لگاتے ہوئے چلے گئے۔ اب راجہ نے گھوڑا طلب کیا اور جب گھوڑا آ گیا تو اس پر سوار ہو کر چند سواروں کے ہمراہ قلعہ کی فصیل کی طرف روانہ ہو گیا۔

اکتیسواں باب ۳۱

مُبلّغ حسینہ

اگرچہ داہر نے طاہرہ سے رخصت ہوتے یہ کہدیا تھا کہ وہ اب اسے نہ ستائے گا لیکن اسے اس کے کہنے کا یقین نہ ہوا تھا۔ وہ خوب جانتی تھی کہ داہر خدا پرست نہیں ہے بلکہ منکر اور خدا پرست ہے اور مشرک لوگ کبھی سچ نہیں بولا کرتے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ جو لوگ عبادت کرتے ہیں وہ اپنے معبود (خدا) سے ڈرتے ہیں اس ڈر کی یہ وجہ ہے کہ وہ خوب جانتے ہیں کہ ایک دن خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ خدا نیکیوں اور بدیوں کا حساب کرے گا اعمال تولے جائیں گے۔ نیکی کرنے والے جنت میں داخل ہوں گے اور بدی کرنے والے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے اسلیئے خدا پرست ہمیشہ سچ بولتا ہے ڈرتا ہے کہ مبادا دروغ گوئی کی پاداش میں دوزخ میں نہ ڈال دیا جاؤں لیکن جو لوگ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ خدا کو کیا جانیں اور جو خدا کو نہ جانتے ہوں وہ جھوٹ اور سچ میں کیا تمیز کر سکتے ہیں اس لئے طاہرہ کو داہر کی اس بات کا یقین نہ آیا تھا بلکہ وہ اس کی طرف سے مشکوک رہی لیکن وہ اس کے محل میں بھی مشکوک رہنے پر کیا کر سکتی تھی۔ سوائے اس کے کہ خدا سے حفظ ناموس کی دعا کرتی رہے۔

چنانچہ وہ ہر نماز کے بعد گڑگڑا کر دعا مانگتی کہتی یا الہ العالمین میرے ناموس کو بچانا بے آبرو ہونے سے پہلے مجھے اٹھا لینا۔ احتیاطاً وہ سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے اپنے پاس خنجر رکھتی تھی۔ اس نے ایک دن لاڈی کو دیکھا اس کا کمرہ لاڈی کے کمروں کے قریب ہی تھا اسے افسوس ہوا کہ رانی لاڈی آبھی گئی اور اس سے نہیں ملی۔ چونکہ وہ ہر وقت اپنے کمرہ میں رہتی تھی اس لئے اسے یہ نہ معلوم ہوا کہ کب رانی آئی۔ حالانکہ رانی ایک دن پہلے ہی آئی تھی۔ جب وہ دوپہر کا کھانا کھا کر بیٹھی تو لاڈی آئی۔ اس وقت وہ بہترین آبدار موتیوں کی مالائیں اس قدر پہنے ہوئے تھی کہ تمام سینہ اور سارا گلا بھرا ہوا تھا۔ ایک تو وہ تھی ہی حسین دوسرے

ان چمکدار موتیوں نے اس کے حسن کو اور جگمگا دیا تھا۔ لادی مسکراتے ہوئے طاہرہ کی طرف بڑھی۔
طاہرہ بھی مسکرا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ دونوں نہایت تپاک سے بغل گیر ہو کر ملیں۔
لادی نے کہا طاہرہ اچھے کپڑے پہننے سے تم کس قدر خوب صورت معلوم ہوتے لگی ہو۔
طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا:۔ اور تم
لادی۔ میں اس قدر خوبصورت کہاں ہوں۔
طاہرہ۔ خوب راجہ تم پر فریفتہ ہے رعایا تم کو پیار کرتی ہے جو تم کو دیکھ لیتا ہے تمہارا ہی گرویدہ ہو جاتا ہے اور پھر تم اپنے آپ کو خوبصورت نہیں سمجھتیں۔
لادی نے ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ کاش میں ایسے ہی ہوتی۔ طاہرہ نے حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔ تم نے ٹھنڈا سانس کیوں لیا رانی!!
لادی۔ کچھ نہیں طاہرہ میرے پیچھے کوئی نیا واقعہ تو نہیں ہوا۔
طاہرہ۔ اور تو مجھے کچھ خبر نہیں کیونکہ میں اپنے کمرہ سے باہر نکلتی ہی نہیں اور نہ کوئی میرے پاس آتا ہے مگر ایک دن ۔۔۔
لادی طاہرہ کی طرف دیکھ رہی تھی۔ طاہرہ کے چپ ہونے سے اس نے دریافت کیا۔ ہاں ایک دن کیا ہوا۔ طاہرہ نے شرماتے ہوئے کہا۔ راجہ میرے کمرہ میں آگھسے تھے..
لادی۔ ضرور آئے ہوں گے پھر کیا ہوا۔
طاہرہ۔ وہ زیادتی کرنے اتر آئے لیکن ایک جوگن آگئی۔
لادی۔ جوگن یا ماتا جوگنی۔
طاہرہ۔ ہاں وہی جوگن اس نے آکر مجھے بتایا۔
لادی نے افسوس کرتے ہوئے کہا۔ ایشور جانے میرے سوامی کو کیا ہو گیا ہے۔ شاید دیوتاؤں نے انہیں چھوڑ دیا ہے وہ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ جو کسی کے ساتھ جیسا سلوک کرتا ہے اس کے ساتھ ویسا ہی پیش آتا ہے۔
طاہرہ۔ یہ تو قدرت کا قانون ہے کہئے آپ دعا مانگ آئیں۔
لادی۔ نہیں
طاہرہ۔ کیوں
لادی۔ اس لئے کہ دعا کا بہانہ بنا کر مجھے یہاں سے لے جایا گیا تھا۔

طاہرہ۔ یہ کس لئے۔

اب لادی نے چندر کے ہمراہ جانے اور اس کے زیادتی کرتے محمد قاسم کے آکر بچانے کا تمام واقعہ سنایا۔ طاہرہ نے کہا چندر کو کبھی یہ جرأت نہ ہوتی اگر وہ راجہ کو سیاہ کار نہ دیکھتا۔

لادی۔ یہی بات ہے۔

طاہرہ۔ محمد قاسم نے آپ سے کچھ کہا ہے۔

لادی۔ ہاں کہا ہے۔

طاہرہ۔ کیا؟

لادی۔ انہوں نے کہا ہے کہ طاہرہ سے میرا اور تمام مسلمانوں کا سلام کہکر کہدینا کہ ہم مسلمانوں کے اور اسے چھڑانے کے لئے آئے ہیں اور جب تک چھڑا نہ لیں گے واپس نہ جائیں گے۔

طاہرہ نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ مجھے اطمینان ہے کہ وہ مجھے رہائی دلاکر ہی آرام سے بیٹھیں گے لادی نے مسکرا کر کہا مگر تم نے تو یہ سنا ہی نہیں کہ محمد قاسم کی عمر ہے؟

طاہرہ۔ کتنی عمر ہے؟

لادی۔ ابھی بالکل لڑکا ہے داڑھی اور مونچھیں کچھ بھی نہیں نکلیں زیادہ سے زیادہ سترہ سال کی عمر ہے۔

طاہرہ۔ کافی عمر ہے مگر آپ نے یہ بات کیوں کہی۔

لادی۔ اس لئے کہ وہ ابھی بچہ ہے میدان کارزار میں نکل کر لڑنے کی اس کی عمر نہیں ہے

طاہرہ نے لادی کے روشن چہرہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کس قابل ہے؟

لادی۔ ابھی تو وہ اس قابل ہے کہ وہ محلوں میں کھیلے کودے!

طاہرہ۔ مسلمان کا بچہ اور کھیلے کودے ان کا کھیل کود جنگ وجدل ہے۔ مسلمان کے ہر بچہ میں جوش جہاد کا جذبہ ہوتا ہے مسلم بچے تیغوں کے سائے میں پل کر جوان ہوتے اور پروان چڑھتے ہیں جس دن مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کا جذبہ جاتا رہے گا اسی دن ان میں بزدلی پیدا ہو جائے گی اور اب تو ان سے دنیا ڈرتی ہے پھر وہ دنیا سے ڈرنے لگیں گے۔

شاید تم میں بھی جوش جہاد کا جذبہ ہے۔

طاہرہ۔ کیوں نہیں مسلم قوم کے لڑکے لڑکیاں مرد اور عورتیں سب کے سب اس کے جذبے سے سرشار ہوتے ہیں۔

لادی۔ گویا اگر موقعہ آئے تو تم بھی لڑنے کے لئے آمادہ ہو جاؤ گی۔

طاہرہ۔ ضرور اسلام کی تعلیم ہی یہ ہے کہ افضل العبادت جہاد ہے جو جنگ میں شہید ہو جاتے ہیں وہ جنت میں داخل ہوں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمایا ہے۔

وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنفُسِكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسَاكِنَ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتِ عَدْنٍ ذَٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝

ترجمہ۔ اور اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کرو اگر تم سمجھتے ہو تو یہ تمہارے لئے بہت اچھا ہے اگر تم ایسا کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ اور وہ جگہ رہنے کی پاک ہے عدن کی بہشتوں میں یہ بڑا مرتبہ پانا ہے۔

جس وقت طاہرہ نے آیتیں پڑھیں لادی حیرت سے اس کا منہ تکنے لگی۔ طاہرہ نے کہا سوچو کونسا مسلمان ہے جو ان صاف اور صریح آیات کے ہوتے ہوئے جہاد سے جی چرائے اور لڑائی کی موت کو زندگی پر ترجیح نہ دے۔ دنیا اور تمام دنیا کی دلفریبیاں چند روزہ ہیں آخرت باقی رہنے والی ہے مسلمانوں کا یہی عقیدہ ہے۔ اس لئے مسلمانوں کا بچہ بچہ جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہتا ہے لادی نے کہا طاہرہ کیسا شیریں کلام پڑھا ہے تو نے یہ کیا چیز تھی۔

طاہرہ۔ یہ قرآن شریف کی آیات ہیں۔

لادی۔ قرآن شریف کیا ہے۔

طاہرہ۔ خدا کا وہ کلام جو رسول خدا حضرت محمد صلعم پر نازل ہوا۔

لادی۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ یہ کلام خدا ہی کا کلام ہے۔

طاہرہ۔ خدا نے خود کلام اللہ میں ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (ترجمہ) یعنی ہم نے نازل کیا ہے ذکر کو (قرآن شریف) اور ہم ہی (خدا) ان کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

رانی لادی کچھ سوچنے لگی۔ طاہرہ نے کہا کیا سوچنے لگیں رانی؟ لادی نے سر اٹھا کر کہا۔ جو تم

پڑھ رہی تھیں اس کا میرے دل پر اثر ہونے لگا ہے۔

طاہرہ۔ یہ خدا کا کلام ہے ناممکن ہے انسان توجہ سے اسے سنے اور پھر اس کے دل پر اثر نہ ہوا۔

لادی۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو لیکن کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ محمد قاسم اس تھوڑی عمر میں فتحیاب ہو جائے گا۔

طاہرہ۔ اسے صرف خدا ہی جانتا ہے لیکن یہ ضرور کہوں گی کہ یا تو وہ فتحیاب ہو گا یا شہید ہو جائے گا۔

رانی لادی نے ٹھنڈا سانس بھرا۔ طاہرہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا آپ نے ٹھنڈا سانس کیوں بھرا۔

لادی۔ اس لئے کہ محمد قاسم نوعمر خوبصورت لڑکا ہے اگر مارا گیا تو کیا کیا اُرمان اور حسرتیں اس کے دل میں رہ جائیں گی۔

طاہرہ۔ مسلمان کی شہید ہونے سے بڑھ کر کوئی حسرت نہیں ہے۔

لادی۔ تعجب ہے کہ مسلمان لڑائی کے کس قدر شائق ہوتے ہیں۔

طاہرہ۔ جس دن ہم میں سے یہ جذبہ جاتا رہے گا ہم بزدل ہو جائیں گے۔

لادی۔ کاش ہندوؤں میں بھی ایسا جذبہ ہوتا۔

طاہرہ۔ اگر ہندو خدا کو مانتے تو ان میں بھی یہ جذبہ ہوتا۔

لادی۔ طاہرہ جب تو مذہبی گفتگو کرتی ہے تو تیرا چہرہ سرخ ہو کر بڑا ہی پیارا معلوم ہونے لگتا ہے۔

طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے دیکھ کر کہا اور آپ؟

لادی۔ میرا؟ اچھا پھر بتاؤں گی کھانے کا وقت ہو گیا ہے آیئے چل کر پہلے کھانا کھالیں۔

طاہرہ۔ مگر میں ابھی آپ سے باتیں کرنا چاہتی ہوں۔

لادی۔ پھر کرنا!

یہ کہتے ہی وہ اٹھی طاہرہ بھی اٹھ کھڑی ہوئی اور وہ دونوں ہی اس کمرہ سے نکل کر دوسرے کمرہ کی طرف چلی گئیں۔

تینیسواں باب ۳۲

پہلی شکست

جب راجہ بجھرا فصیل کے اوپر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ اس کے تمام سپاہی فصیل پر بکھر گئے ہیں اور سوراخوں میں سے جھانک جھانک کر دیکھ رہے ہیں مسلمانوں کی طرف وہ بھی ایک برج میں جا کھڑا ہوا اس نے دیکھا کہ بہت تھوڑا سا اسلامی لشکر سامنے سے آرہا تھا۔ بجھرا اتنا تھوڑا لشکر دیکھ کر نہایت خوش ہوا اور اس نے کہا وہ مٹھی بھر مسلمان ہیں ان کو ختم کر دینا کون سی بڑی بات ہے انہیں آرام نہ کرنے دو۔ فوراً لشکر کو قلعہ سے باہر لے چلو اتفاق سے سپہ سالار بھی وہاں آگیا تھا: بجھرا نے اس سے دریافت کیا۔ کیا تم نے میرا حکم سنا۔ سپہ سالار نے ہاتھ جوڑ کر کہا ہاں سنا مہاراج۔

بجھرا۔ بس تو جاؤ اور فوراً میرے حکم کی تعمیل کرو میں بھی آرہا ہوں۔

سپہ سالار۔ لیکن انداتا یہ مسلمان بڑے غضب کے آدمی ہیں۔

بجھرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔ اس سے کیا مطلب ہے تمہارا!

سپہ سالار۔ حضور کہیں ان کا کچھ اور لشکر ادھر ادھر نہ چھپا ہو۔

بجھرا نے جوش میں آکر کہا چھپا رہنے دو۔ میں نے جو حکم دے دیا ہے تم اس کی تعمیل کرو۔

سپہ سالار نے سر تسلیم خم کیا اور چلا اور اس نے دیکھ لیا تھا کہ اسلامی لشکر ایک ہزار سے بھی کم ہے مگر اس خیال سے کہ مبادا اسلامی لشکر ادھر ادھر نہ چھپا ہو اس لئے اس نے دس ہزار لشکر ہمراہ لیا۔ اور قلعہ سے باہر نکلا جس وقت یہ لشکر قلعہ کی فصیل کے نیچے صف بستہ ہو رہا تھا۔ اس وقت مسلمان خیمے نصب کر رہے تھے۔ انہوں نے جلد جلد خیمے نصب کئے اور مسلح ہو کر خیموں کے آگے ہندوؤں کے لشکر کے سامنے ذرا فاصلے پر کھڑے ہوئے اس وقت راجہ بجھرا بھی مسلح ہو کر آگیا تھا۔ اس نے آتے ہی لشکر بڑھنے کا اشارہ کیا۔ ہندی سپاہیوں کے دستے جوش شجاعت سے جھومتے چلے لیکن ابھی وہ تھوڑی ہی دور چلے تھے کہ اللہ اکبر کے پرجوش نعرہ کی آواز آئی۔

تمام ہندی سپاہی سپہ سالار اور خود بھرا ابھر ابھر کر دیکھنے لگے انہیں سامنے سے ایک اور اسلامی دستہ آتا نظر آیا۔ یہ عبدالرحمٰن کا لشکر تھا وہ سب سے آگے علم اٹھائے گھوڑے پر سوار نہایت شان سے آ رہے تھے اس لشکر کو دیکھتے ہی سپہ سالاروں کا دل ڈوب گیا اس نے بھرا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

حضور میں نے نہ کہا تھا کہ اسلامی لشکر ضرور کہیں چھپا ہوا ہو گا دیکھئے آخر وہی ہوا۔ بھرا آنے والے لشکر کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے دیکھ لیا تھا کہ عبدالرحمٰن کے ہمراہ کچھ زیادہ لشکر نہ تھا زیادہ سے زیادہ ایک ہزار سوار تھے اس نے خوش ہو کر کہا پرواہ نہ کرو ان کا سارا لشکر بھی پورا دو ہزار نہیں ہے یہ سفر کئے چلا آ رہا ہے تھکا ہوا ہے بڑھو اور حملہ کر کے سب کو مار ڈالو۔ ہندی لشکر برابر بڑھتا رہا اسلم کا دستہ اپنی جگہ پر کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ ایک تیر کے فاصلے پر آ گیا تو بھرا نے بھی تیر اندازی کا حکم دے دیا۔ فوراً ہندوؤں نے کمانیں شانوں پر سے اتار اتار کر ترکشوں میں سے تیر نکال نکال کر چلے چڑھائے اور تیر افگنی شروع کی۔ اسلم نے بھی اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگایا تیر چلے میں کھینچکر چھوڑا۔ فوراً ہی تمام مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ بلند کر کے ایک ساتھ اس طرح تیر چھوڑے جیسے کہ وہ ایک ہی کمان سے نکلے ہوں۔ مسلمانوں کے ان تیروں نے اکثر ہندوؤں کو مجروح کر دیا ان میں سے مجروح سپاہی پیچھے ہٹا دیئے گئے اور نئے سپاہی آگے بڑھائے گئے۔ چونکہ ہندو ایک ساتھ تیر نہ چلا رہے تھے اس لئے ان کے تیروں سے مسلمانوں کو زیادہ نقصان نہیں پہنچ رہا تھا۔ مگر مسلمانوں کے تیر اس طرح سے چل رہے تھے جیسے کہ وہ ایک ہی کمان سے نکلے ہو اس لئے ان سے ہندوؤں کا زیادہ نقصان ہو رہا تھا۔ ساتھ ہی اسلم نے مسلمانوں کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا اور وہ تیروں کو روکتے اپنے تیر چلاتے قدم قدم بڑھنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ ہندوؤں کی صفوں کے قریب پہنچ گئے۔ اب تیر اندازی موقوف کر دی گئی اور فریقین نے تلواریں نکال لیں صاف اور شفاف تلواریں دھوپ میں جگمگاتی ہوئی بلند ہوئی اور ایک طرف سے مسلمان اور دوسری طرف سے ہندوؤں کا لشکر ایک سیلاب عظیم کی مانند بڑھا۔ جونہی دونوں لشکر بڑھے فوراً ہی تلواریں انسانوں کے سروں پر جھکیں اٹھیں اور پھر جھکیں جھک کر پھر اٹھیں اور سیاہ ڈھالوں سے ٹکرا گئیں اب جنگ شروع ہو گئی۔ ہندو دلیر اور مسلمان بہادر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے تلواریں اپنا کام کر گئیں۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ خون کے فوارے ابلنے لگے۔ چیخ و پکار شروع ہو گئی مار دھاڑ نہایت زور سے ہونے لگی۔ ہندو جیکارے لگانے لگے۔ زخمی چلانے لگے

میں آ آکر بڑھے اور اس شدت سے حملہ آور ہوئے کہ باوجود ہندوؤں کی پوری مدافعت کے ہندوؤں کو ہی پیچھے ہٹنا پڑا۔ مسلمانوں کا یہ حملہ ایسا سخت تھا کہ سینکڑوں ہندو لقمہ اجل بن گئے اور سینکڑوں زخمی ہو کر بلبلاتے ہوئے پیچھے ہٹے ان پیچھے ہٹتے ہی مسلمانوں نے ایک حملہ اور اسی شدت سے کیا جس شدت سے پہلے کیا تھا اس حملہ میں بھی انہوں نے دشمنوں کی کئی صفیں الٹ دیں بہت سے سرفروشوں کو مار ڈالا اور اب وہ اسلم کے برابر پہنچ گئے۔ ہندوؤں کو پھر غصہ آیا انہوں نے پھر جوش میں آکر حملہ کیا۔ مگر اس مرتبہ مسلمان ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے بلکہ نہایت جوش سے لڑتے رہے اسلم نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر پر زور حملہ کیا۔ اس کا سمجھدار گھوڑا رانوں کے اشارہ سے چلتا تھا اور اس نے جلد جلد حملہ کر کے لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ جس طرف حملہ کیا اس طرف کی صف الٹ دی۔ جن لوگوں کے تلوار ماری ان کے سر اڑا دیئے۔ اسلم نوجوان تھا۔ اسے غصہ آ گیا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور وہ نہایت جوش سے بڑھ بڑھ کر حملہ کر رہا تھا۔ اس کی تلوار موت کا پیغامبر بنی ہوئی تھی۔ جس کے اوپر بلند ہوتی تھی اسے قتل کئے بغیر نہ چھوڑتی تھی۔ اس نے اپنے گرد مردوں کے انبار لگا دیئے تھے۔ ہندوؤں نے پھر جوش میں آکر حملہ کیا۔ لیکن ابھی ان کی تلواریں فضا میں بلند ہو ہی رہی تھیں کہ اللہ اکبر کے پر زور نعرہ کی آواز آئی اور گھبرا کر دیکھنے لگے۔ اس وقت عبدالرحمن کا لشکر قریب آ گیا تھا اور اس کے سرفروش مجاہدین تلواریں سونتے سیلاب کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے۔

ابھی ہندو انہیں کھڑے دیکھ ہی رہے تھے کہ انہوں نے آتے ہی حملہ بھی کر دیا۔ اور اس زور سے حملہ کیا کہ ہندوؤں کی پہلی صف پچھلی صف سے جا ملی اور پچھلی صف بہت کچھ پیچھے ہٹ گئی۔ راجہ بھرا نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ غصہ سے دیوانہ ہو گیا۔ اس نے جوش میں آکر کہا۔ بزدلو یہ کیا کرتے ہو۔ ان مٹھی بھر مسلمانوں کے مقابلہ سے جی چراتے ہو۔ لعنت ہے تم پر بڑھو اور ان سب کا خاتمہ کر دو۔ ہندو اس کی آواز سن کر سنبھلے اور انہوں نے نہایت جوش سے بڑھ کر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے ڈھالیں بڑھا کر ان کا حملہ روکا اور پھر خود بھی حملہ کر دیا۔ اس جوش سے حملہ کیا کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں ہندو قتل ہو گئے۔ سینکڑوں سر گیندوں کی طرح اچھل اچھل کر دور جا گرے کشتوں کے پشتے لگ گئے اور خون کا دریا بہ گیا۔ ہندو گھبرا گئے اور پیچھے ہٹنے لگے لیکن ان کے پیچھے بھرا کھڑا تھا اس لئے پھر رکے مگر ان کے رکتے ہی پھر مسلمانوں نے آگے بڑھ کر حملہ کیا پھر ان کی خاصی تعداد قتل ہو گئی۔ اب ہندو بدحواس ہو گئے ان کی صفیں چیر کر راجہ بھرا پر حملہ آور ہوا۔ جونہی راجہ کی نظر اسلم کی خون آشام تلوار پر پڑی وہ گھبرا گیا اور

فصیل کے اوپر کھڑے ہوئے ہندو شور مچا مچا کر اپنی قوم کے سپاہیوں کے دل بڑھانے لگے ان مختلف آوازوں سے تمام میدان گونج اٹھا۔ چونکہ جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی اس لئے ہر طرف خون آلودہ تلواریں اٹھتی اور جھکتی نظر آ رہی تھیں۔

سرفروش نہایت جوش سے لڑ رہے تھے جانباز کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ لاشوں کے ڈھیر لگتے چلے جاتے تھے خون پانی کی طرح سے بہ رہا تھا۔ چونکہ ہندو دس ہزار تھے اس دور تک پھیلے ہوئے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ مٹھی بھر مسلمانوں کو جلد سے جلد ختم کر دیا جائے۔ اس لئے وہ بڑھ کر جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔

مسلمان بہت تھوڑے تھے گویا صرف پانچسو لیکن اس دلیری اور بے جگری سے لڑ رہے تھے کہ حیرت ہوتی تھی۔ وہ نہایت صبر و استقلال سے سر جھکائے ہوئے جنگ میں مصروف تھے۔ وہ آنکھیں اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے کہ کس قدر لشکر سے مصروف پیکار ہیں البتہ نہایت جوش اور بڑی پھرتی سے دوڑ دوڑ کر حملے کر رہے تھے اور ہر شخص ہر حملہ میں ایک ایک دشمن کو زخمی یا قتل کر ڈالتا تھا۔ ہندوؤں کو مسلمانوں پر بڑا غصہ آ رہا تھا وہ ان کے مقابلہ میں بیسواں حصہ تھے لیکن پھر بھی ڈٹے ہوئے تھے اور نہ صرف مقابلہ کر رہے تھے۔ بلکہ نہایت بے دردی سے قتل کر رہے تھے اور لطف یہ کہ خود زخمی بھی نہ ہو رہے تھے۔

چنانچہ انہوں نے جوش میں آکر نہایت شدت سے حملہ کیا اگرچہ مسلمان سد سکندری کی طرح ڈٹ گئے تھے مگر دشمنوں کے سیلاب کو نہ روک سکے اور باوجود انتہائی طاقت صرف کرنے کے چند قدم پیچھے ہٹ گئے اسلم اسی جگہ کھڑا رہا تھا جس جگہ وہ پہلے سے جا کھڑا ہوا تھا۔ اسکے ایک ہاتھ میں علم تھا اور ایک ہاتھ میں تلوار وہ گھوڑے کو پیروں کے اشارہ سے ادھر ادھر چلاتا تھا اور جس طرف جاتا تھا حملہ کر کے ایک نہ ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ مسلمان اس سے پیچھے ہٹ گئے ہیں اور ہندوؤں نے اسے نرغہ میں لے لیا ہے تو اس نے بلند آواز سے کہا۔ مسلمانو! پیچھے ہٹ کر بدنامی کا ٹیکہ ماتھے پر نہ لگاؤ۔ خدا کا غضب مول نہ لو کیا تم موت سے ڈرتے ہو کیا عاقبت پر دنیا کو ترجیح دیتے ہو کیا دوزخ کو تم نے جنت سے اچھا سمجھا۔ ایک مسلمان کبھی ایسا نہیں سمجھ سکتا آؤ بڑھو حملہ کرو اور بتا دو کہ تم ان شیران اسلام کی اولاد ہو جو تنہا ایک ایک ہزار سے لڑتا ہے۔

یہ کہتے ہی اس نے نہایت زور سے حملہ کیا۔ ساتھ ہی مسلمان ہر طرف سے جوش و غیرت

اس نے جلدی سے گھوڑے کی باگ پھیر کر اسے سرپٹ چھوڑ دیا۔ اسلم بھی اس کے پیچھے دوڑا لیکن اس کی خوش قسمتی سے بہت سے ہندو درمیان میں آگئے اور اسلم انہیں قتل کرنے میں مشغول ہوگیا۔ اسلم چاہتا تھا کہ جلد سے جلد ان کا خاتمہ کر کے بجھرا کا تعاقب کرے مگر وہ اتنی تعداد میں تھے کہ بآسانی یا جلد تر قتل نہ ہو سکے اور جب وہ انہیں قتل و پسپا کر کے فارغ ہوا تو بجھرا اس وقت دور نکل چکا تھا اور اب اس کا تعاقب لاحاصل تھا۔ اسلم کو ہندوؤں پر بڑا غصہ آرہا تھا کہ انہوں نے درمیان میں آکر اپنے راجہ کو بچ جانے کا موقعہ دیا۔ وہ غصہ اتارنے کے لئے ان پر پل پڑا اور نہایت شدومد سے جلد جلد حملے کر کر کے انہیں قتل کرنے لگا۔ ادھر تمام مسلمان ہر طرف سے دشمنوں کو گھیر گھیر کر قتل کرنے لگے۔ ہندو کچھ ایسے بدحواس ہو گئے تھے کہ وہ حملہ کرنا بھول گئے تھے صرف مسلمانوں کے حملے روک رہے تھے آخر مسلمانوں نے ایک پر زور حملہ کر کے ان کی صفیں الٹ دیں اور کھیرے ککھڑی کی طرح انہیں کاٹ کاٹ کر ڈال دیا۔ اب باقی ماندہ ہندو بھاگے۔ مسلمان ان کے پیچھے انہیں قتل کرنے بڑھے اور دور تک ان کی لاشیں بچھاتے چلے گئے۔ مگر جب وہ فصیل کے قریب پہنچے تو اوپر سے ان پر تیروں کی بارش شروع ہو گئی۔ یہ دیکھ کر اسلم رک گیا اور اس نے مسلمانوں کو واپس لوٹنے کا حکم دے دیا۔ اب مسلمانوں کا آگے بڑھنا بھی لاحاصل تھا کیونکہ ہندو قلعہ میں داخل ہو چکے تھے اور انہوں نے دروازہ بند کر لیا اس طرح سے مسلمانوں نے مغرور متکبر راجہ بجھرا کو قلعہ بھرج کے سامنے پہلی شکست دی اور کس حالت میں جبکہ وہ صرف ڈیڑھ ہزار تھے اور بجھرا کے ساتھ دس ہزار لشکر تھا۔ مسلمان مظفر و منصور ہو کر واپس لوٹے اور اپنے کیمپ میں آکر اسلحہ اتارنے اور مجروحین کی مرہم پٹی کرنے لگے اس جنگ میں مسلمان ایک سو چار شہید ہوئے اور ہندو تقریباً ساڑھے چار ہزار مارے گئے۔



تینتیسواں باب ۳۳

خطرناک کوشش

بجھراراجہ داہر کا بھتیجا تھا۔ جو خود داہر کی مثل دماغ کی ہی اس کی۔ رعایا نے اس کے سپہ سالار نے اس کے وزیراعظم نے اسے سمجھایا۔ مسلمانوں سے صلح کر لینے کی ترغیب دی مگر جوں جوں اسے سمجھایا گیا۔ اس کا غصہ بڑھتا گیا اور اس غصہ ہی میں وہ دس ہزار لشکر لے کر مسلمانوں سے لڑنے کے لئے میدان میں نکل آیا۔ اس کا حوصلہ اس وجہ سے بڑھ گیا کہ مسلمان تھوڑے تھے سمجھا تھا کہ جاتے ہی ان کا خاتمہ کر ڈالے گا مگر جب جنگ شروع ہوئی تب اسے معلوم ہو گیا کہ مسلمانوں سے لڑنا کچھ ہنسی کھیل نہیں ہے اور وہ جب شکست کھا کر اور ساڑھے چار ہزار ہندوؤں کو کٹوا کر واپس قلعہ میں آیا تھا تو اس کا غصہ اور بھی بڑھ گیا تھا اس نے آتے ہی تمام فصیل پر لشکر پھیلا دیا۔ تیروں کے گٹھوں اور پتھروں کے ٹکڑوں کے ڈھیر جگہ جگہ لگوا دیئے۔ ہر برج میں رات کو روشنی کا کافی انتظام کر دیا اور سپاہیوں کو رات بھر بیدار رہنے کا حکم دے دیا۔ چنانچہ زیادہ تر سپاہی جاگتے رہنے کا ثبوت دیتے تھے۔ مسلمان نہایت اطمینان سے اپنے کیمپ میں فروکش ہو گئے تھے۔ چونکہ ان کا لشکر تھوڑا تھوڑا آ رہا تھا۔ اس لئے عشاء کے بعد تک آتا رہا۔ سب کے بعد محمد قاسم اپنا دستہ لے کر آیا اسے آتے ہی جنگ کا تمام حال سنا دیا گیا۔ وہ نہایت خوش ہوا اور اس نے اسلم کی بڑی تعریف کی۔ اسلم کے ہمراہیوں کو بھی خوب سراہا۔ دوسرے دن صبح ہوتے ہی مجاہدین نے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر محمد قاسم۔ اسلم۔ عبدالرحمٰن۔ سفیان البروک۔ حریم۔ عجل حنظلہ۔ نبانہ اور عبدالقیس کو ہمراہ لے کر قلعہ کا معائنہ کرنے چلے۔

یہ تمام لوگ جن کو ہمراہ لیا بڑے بہادر۔ مدبر اور ذی عقل تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہو کر یہ تمام چلے اور ہندوؤں نے انہیں فصیل کے اوپر سے دیکھا وہ سمجھے کہ غالباً وہ قاصد ہیں اور کوئی پیغام پہنچانا چاہتے ہیں۔ محمد قاسم اپنے ساتھیوں کو ہمراہ لے کر قلعہ کے چاروں طرف پھرا۔ چونکہ قلعہ کی فصیل

نہایت بلند اور مضبوط تھی اس لئے کسی طرف بھی کوئی ایسا موقعہ نظر نہ آیا جس سے فصیل پر چڑھ جانا ممکن ہوتا۔ دوپہر تک یہ لوگ گھومتے رہے۔ دوپہر کے بعد لوٹ آئے۔

دوسرے دن محمد قاسم نے لشکر کو مسلح ہو کر حملہ کرنے کا حکم دیا۔ تمام لشکر ہر سردار کے پاس اس کے علم کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ ہر سردار نعرہ لگا کر اپنے اپنے دستہ کو لے کر بڑھا لیکن جونہی وہ فصیل کے نزدیک پہنچا۔ ہندوؤں نے فصیل کے اوپر سے تیروں اور سنگریزوں کی بارش اس کثرت سے کی کہ انہیں ایک قدم بھی بڑھنا دشوار ہو گیا تھا۔ تمام دن دور ہی کھڑے ہوئے لڑتے رہے آخر شام کے وقت جنگ بند کر کے واپس لوٹ آئے اس سے اگلے دن بھی ایسا ہی ہوا مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ اگر اس طرح جنگ کی گئی تو مدتوں تک محاصرہ جاری رہے گا اور نتیجہ کچھ نہ ہو گا چنانچہ محمد قاسم نے عشاء کی نماز پڑھ کر صرف اسلم اور نبانہ کو اپنے خیمہ میں بلایا۔ جب وہ دونوں آ گئے تب اس نے کہا۔ میرے دوستو تم نے دیکھا کہ ہمیں کئی دن حملہ کر کے ناکام واپس لوٹتے ہو گئے ہیں قلعہ نہایت مضبوط اور اونچا ہے دوسرے ہندو اس کثرت سے تیروں اور پتھروں کی بارش کرتے رہے کہ فصیل کے قریب پہنچنا دشوار ہو جاتا ہے اور یہ امر واقع ہے کہ جو جوش و جذبہ نوجوان میں ہوتا ہے وہ عمر رسیدہ لوگوں میں نہیں۔ نوجوان ہی کسی حکومت کا تختہ الٹ دیا کرتے ہیں اس وقت میں اور تم دونوں نوجوان ہیں سوچو کہ کس طرح سے اس قلعہ پر رسائی ہو سکتی ہے؟

اسلم نے کہا اگر آپ اجازت دیں تو میں کوشش کروں

محمد قاسم۔ کیا کوشش کرو گے تم؟

اسلم۔ میں چاہتا ہوں کہ پچھلی شب کو جب چاند چھپ جائے اور ہر طرف اندھیرا پھیل جائے اپنے لشکر کے کچھ آدمی لے کر فصیل کے قریب پہنچنے کی سعی کروں۔

محمد قاسم۔ اچھا اگر تم فصیل کے قریب پہنچ بھی گئے تو کیا کرو گے؟

اسلم۔ بلاشبہ اگر صبح ہونے سے پہلے تمہارے کچھ آدمی فصیل کے اوپر پہنچ جائیں تو ممکن ہے کہ قلعہ فتح ہو جائے۔

اسلم۔ اچھا تو اجازت دیجئے

محمد قاسم۔ کیوں نہ میں تمہارے ہمراہ چلوں۔

اسلم۔ یہ مناسب نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ کیوں؟

اسلم۔ اس لئے کہ مجھے اگر کوئی چشم زخم پہنچا تو میں ایک معمولی مجاہد ہوں۔ کچھ نقصان نہ ہوگا لیکن اگر خدانخواستہ آپ کو کوئی اذیت پہنچی تو آپ سپہ سالار ہیں مسلمانوں کو افسوس ہوگا اور ہندوؤں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔

بنانہ نے کہا۔ بے شک یہ صحیح ہے بلکہ مجھے اور بھائی اسلم کو اجازت دیجیئے۔ ہم دونوں کوشش کریں گے۔

محمد قاسم۔ اچھا تم کوشش کرو۔ مگر اپنے ہمراہ زیادہ لشکر نہ لے جانا۔ اس بات کا خیال رکھنا کہ دشمن تمہاری نقل و حرکت سے خبردار نہ ہوں۔

اسلم۔ ایسا ہی ہوگا۔

محمد قاسم۔ رات کو میں سونے کا بھی نہیں بلکہ بیدار رہوں گا اگر تم فصیل کے اوپر پہنچ جاؤ تو نعرہ لگانا میں فوراً لشکر لے کر تمہاری امداد کو پہنچوں گا۔

اسلم۔ بہتر ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا جاؤ خدا آپ کی امداد اور حفاظت کرے۔

دونوں اٹھ کر چلے اور اسلم کے خیمہ پر پہنچے دونوں نے قرآن شریف کی تلاوت شروع کردی اور اس وقت تک پڑھتے رہے جب تک کہ چاند نہ چھپ گیا۔ جب اندھیرا ہوگیا۔ تب دونوں نے نہایت خلوص دل سے فتح کی دعا مانگی دعا مانگ کر اٹھے اور سپاہیوں کو جگانے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں اسلم کے دستہ کے تمام سپاہی بیدار ہو کر مسلح ہو گئے۔ یہ تمام نہایت خموشی سے پیدل ہی قلعہ کی طرف بڑھنے لگے قلعہ ان سے ذرا فاصلے پر تھا۔ مگر چونکہ فصیل پر اور برجوں میں کافی روشنی ہو رہی تھی اس لئے دور ہونے پر بھی صاف نظر آرہا تھا۔ مگر بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے پہاڑ پر روشنی ہو رہی ہو کیونکہ فصیل بالکل چٹانوں کی طرح اٹھی ہوئی تھی۔ شیران اسلام نہایت خموشی سے بڑھتے رہے جب قلعہ تین فرسنگ کے فاصلے پر رہ گیا تب اسلم نے تمام مجاہدوں کو روک کر انہیں بیٹھ جانے کا حکم دیا۔ فوراً تمام لوگ بیٹھ گئے اسلم نے ان سے کہا۔ دیکھو میں صرف پچاس آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے چلوں گا تم سب خموشی سے اس جگہ بیٹھے رہو اگر خدا کی مدد سے ہم فصیل تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے تب نعرہ لگا دیں گے۔ تم سب نعرہ کی آواز سنتے ہی دوڑ پڑنا اور فصیل کے قریب پہنچ کر خود بھی نعرہ لگانا۔ سب نے سر تسلیم خم کیا اور خاموشی کے ساتھ بیٹھ گئے۔

اب اسلم۔ بنانہ اور پچاس آدمی آہنی سیڑھیاں لے کر بڑھے یہ سیڑھیاں تین تین گز لمبی تھیں۔

لیکن ان میں سوراخ تھے اور ضرورت پڑنے پر ان میں ڈنڈا ڈال کر قابلہ کھینچ کر جوڑا جا سکتا تھا۔ اور اس طرح سے اسے حسب ضرورت لمبی کیا جا سکتا تھا چنانچہ ان میں سے ہر شخص کے ہاتھ میں ایک سیڑھی تھی اور وہ اسے کھینچے ہوئے لئے جا رہا تھا۔ رات کا پچھلا وقت تھا۔ اندھیرا ہر طرف پھیلا ہوا تھا آسمان پر تارے نکلے چمک رہے تھے۔ اگرچہ فصیل پر کافی روشنی ہو رہی تھی اور یہ روشنی فصیل کے سامنے کچھ اجالا کئے ہوئے تھی۔ لیکن خوش قسمتی سے ہندو چلتے پھرتے نظر آ رہے تھے۔ ہندو اگرچہ رات کو جاگتے ہی تھے مگر فصیل سے باہر نہ جھانکتے تھے۔ کیونکہ انہیں اطمینان تھا کہ مسلمان رات کو فصیل کے قریب آنے کی اس وجہ سے جرأت نہ کریں گے کہ فصیل پتھروں کی تھی اور اسے توڑ ڈالنا غیر ممکن تھا۔

دوسرے اگر فصیل میں نقب لگانے کی سعی کی جاتی تو ان کو خبر ہو جاتی اس زمانہ میں ہندوستان میں ریشم کی ڈور کی سیڑھیاں استعمال کی جاتی تھیں اور ریشم کی سیڑھیاں نیچے سے اوپر نہ پھینکی جا سکتی تھیں ان وجوہات سے ان کو کافی اطمینان تھا اور وہ مطمئن رہتے تھے۔ جب مسلمان اس جگہ پہنچے جہاں فصیل کی روشنی پڑ رہی تھی تو وہ جھک جھک کر چلنے لگے ان کی یہ تدبیر کارگر ہوگئی اور کسی نے ان کو نہ دیکھا۔ چنانچہ وہ بخیریت اس روشنی سے گزر کر فصیل کے نیچے پہنچ گئے اب انہوں نے فصیل کی جڑ میں کھڑے ہو کر اوپر کی طرف جھانکا رات کو فصیل نہایت ہی مہیب معلوم ہوئی۔

اسلم بنانہ نے فصیل کو دیکھا کہ شاید اس میں نقب لگانے کی گنجائش ہو۔ لیکن موٹے موٹے پتھر نقب لگانے میں حائل تھے۔ چنانچہ انہوں نے برابر برابر چار سیڑھیاں لگائیں اور ان پر چڑھ چڑھ کر انہیں جوڑتا اور اوپر کی طرف چڑھنا شروع کیا۔ نہایت ہوشیاری اور پورے سکوت سے سیڑھیوں کو بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ رات اندھیری اور اس قدر سکوت چھایا ہوا تھا کہ ذرا سے کھٹکے کی آواز بھی دور تک جاتی تھی مگر مسلمان نہایت احتیاط سے سیڑھیاں جوڑ جوڑ کر اوپر چڑھ رہے تھے۔ دو سیڑھیوں پر اسلم اور بنانہ تھے اور دو پر دو مجاہدین تھے۔ چاروں نہایت اطمینان و سکوت سے سیڑھیاں بڑھاتے چلے جا رہے تھے۔ آخر وہ فصیل کے کنارے پر پہنچ گئے۔

سب سے پہلے اسلم نے سر ابھار کر دیکھا اسے سینکڑوں ہندو آگ کے سامنے بیٹھے نظر آئے اور ہزاروں ان کے پاس پڑے ہوئے سو رہے تھے اسلم بنانہ اور دوسرے دو اور مسلمان زقند لگا کر فصیل پر جا کودے اور ادھر جاتے ہی انہوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ ہندوؤں

نے فوراً انہیں دیکھا۔ وہ مسلمانوں کو فصیل پر دیکھ کر سخت حیران ہوئے ابھی وہ حیران ہی ہو رہے تھے کہ چار آدمی اور کود ے اور انہوں نے آتے ہی تلواریں سونت لیں اب ہندو شور مچاتے ہوئے اٹھے اور تلواریں میانوں سے نکال نکال کر اسلم بنانہ اور مسلمانوں کی طرف جھپٹے۔ لیکن اس عرصہ میں چار اور مسلمان کود کر آ گئے تھے اور اس طرح وہ بارہ ۱۲ ہو گئے تھے۔ ان بارہ آدمیوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ ان کے نعرہ کی آواز خاموش فضا کو چیرتے ہوئے بلند ہوئی۔ ہندو جو سو رہے تھے وہ گھبرا کر اٹھے اور جو لوگ جاگ رہے تھے وہ حملہ کرنے کیلئے مسلمانوں پر ٹوٹے مسلمان گو یا لڑنے کے لئے تیار ہی تھے وہ بھی تلواریں سونت سونت کر تیار ہو گئے۔

چونتیسواں باب ۳۴

پُرجوش جنگ

ہندو زیادہ تھے بہت زیادہ سینکڑوں نہیں ہزاروں اور مسلمان صرف گنتی کے بارہ ۱۲ کوئی نسبت نہ تھی لیکن مسلمانوں میں ذوق شہادت اور طلب جنت کی تمنا تھی جس نے نہیں اتنا کم ہوتے ہوئے بھی جنگ پر آمادہ کر لیا تھا۔ ہندوؤں نے نہایت جوش سے سلمانوں پر حملہ کیا ان کی تلواریں آتشیں زبانیں نکالے ان کی طرف لپکیں خیال یہ ہوتا تھا کہ ہندوؤں کے پہلے ہی حملہ میں مسلمانوں کا یا تو خاتمہ ہو جائے گا اور یا وہ بھاگ کر فصیل سے نیچے آگریں گے مگر ایسا نہ ہوا وہ جہاں تھے وہیں کھڑے رہے اور جونہی ہندو تلواریں لے کر جھپٹے انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر ہندو گھبرا گئے اور پیچھے ہٹے۔ مسلمانوں نے ادھر ادھر اور سامنے جھپٹ جھپٹ کر حملے کئے۔ ہندوؤں نے بھی تلواروں کو ڈھالوں پر روکا لیکن خدا جانے مسلمانوں کی تلواروں میں کس قسم کا لوہا لگا تھا کہ ڈھالوں کو پھاڑتے ہوئے ان کے سروں پر پہنچیں اور سروں کو چیر کر حلق تک اتر گئیں کئی ہندو خوفناک چیخیں مار مار کر گرے اور گرتے ہی تڑپنے لگے۔

ہندوؤں کو یہ دیکھ کر جوش آ گیا وہ اپنی قوم کے مجروحین کو روندتے مسلتے اور پامال کرتے ہوئے بڑھے اور مسلمانوں پر پھر حملہ آور ہوئے۔ مسلمانوں نے پھر ڈھالوں پر ان کی چار پانچ دشمنوں کو مار گرایا۔ اب ہندوؤں کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور انہوں نے نہایت جوش اور غصہ میں آ کر نہایت شدت سے حملہ کیا کہ مسلمان اس حملہ کی تاب نہ لا سکے وہ پیچھے ہٹ کر فصیل کی اُبھر والی دیوار سے جا لگے۔ ان کے وہاں پہنچنے سے مسلمانوں کی آمد رک گئی ان مسلمانوں کی جو سیڑھیوں کے ذریعہ سے کود کود کر فصیل پر آ رہے تھے۔ جب بارہ ۱۲ مسلمان فصیل پر پہنچ گئے اور مصروف جنگ ہو گئے۔ تو مسلمانوں کے آنے اور فصیل پر کودنے کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا۔

اس طرح سے اب تک تقریباً بیس مسلمان سے ان سے لڑ رہے ہیں۔ انہوں نے ان پر ہر طرف سے یلغار کر کے انہیں دیوار کے پاس اس لئے پہنچا دیا تھا کہ نئے مسلمانوں کی آمد بند ہو جائے چنانچہ مسلمان سیڑھیوں پر کھڑے اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ مسلمان آگے بڑھیں تو وہ فصیل پر پہنچیں اسلم نے جو شمیں آکر حملہ کیا اور دو تین ہندوؤں کو قتل کر کے آگے بڑھ گیا۔ اس کے بڑھتے ہی تمام مسلمانوں نے جھپٹ جھپٹ کر اور جلد جلد حملے کرنا شروع کئے ان کی بے پناہ تلواروں نے بہت سے ہندوؤں کو مار ڈالا لیکن اس پر بھی ہندو پیچھے نہ ہٹے بلکہ جس جگہ کھڑے تھے وہیں کھڑے رہے ان کے پیچھے نہ ہٹنے سے ان پر مصیبت نازل ہو گئی کہ جو ہندو مر گئے وہ زمین پر نہ گر سکے تھے بلکہ ان کی لاشیں لڑنے والے ہندوؤں کے سہال سے جا کھڑی ہوئیں ان مردوں کو ہر ہندو ایک سے دوسرے پر اور دوسرے سے تیسرے پر ڈالنے لگے۔ اس سے وہ حملہ کرنا اور حملوں کو روکنا بھول گئے۔ مسلمانوں کو یہ موقعہ اچھا ہاتھ آیا۔ انہوں نے جلدی جلدی حملے کر کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ جو ہندو بھی مر جاتا تھا۔ اس کی لاش برکھڑے ہوئے شخص پر جھک جاتی تھی اور وہ اسے ہٹانے کی فکر میں ہی ہوتا تھا کہ کسی مسلمان کی تلوار خود اس کا فیصلہ کر دیتی تھی۔ وہ اپنے پاس کھڑے ہوئے آدمی پر گر جاتا تھا۔ ہندوؤں نے غلطی کی تھی کہ وہ ایک دوسرے سے مل کر اس طرح کھڑے ہوئے تھے کہ نہ مردوں کو زمین پر گرنے کے لئے جگہ رہی تھی اور نہ تلوار اٹھا کر حملہ کرنے کی گنجائش تھی۔ مسلمان قدرے پیچھے ہٹ کر حملہ کرتے تھے اور ہر حملہ میں ہر مسلمان ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔

ہندوؤں کی اگلی صف مردوں کے سنبھالنے میں مصروف ہو گئی اور اس لئے مسلمانوں نے جلد جلد حملے کر کر کے قریب اس تمام صف کا صفایا کر دیا۔ اب تو ہندوؤں کی آنکھیں کھلیں اور وہ کھلے ہو کر تلوار چلانے لگے اور جھپٹ کر حملہ کرنے کے لئے پیچھے ہٹے ان کے پیچھے ہٹتے ہی مُردے ملبے لیٹ گئے اور مسلمانوں نے بڑھ کر ان پر حملہ کیا۔ مسلمانوں کے بڑھتے ہی وہ لوگ جو سیڑھیوں پر کھڑے جگہ ہونے کا انتظار کر رہے تھے جلدی سے فصیل پر جا کود اور اب ان کی آمد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ تازہ دم مسلمان آتے ہی خونخوار شیروں کی طرح ہندوؤں پر جا ٹوٹے اور انہیں تلواروں کی باڑھوں پر رکھ لیا۔ ہندو حسب عادت پوری قوت سے چیخ رہے تھے۔ جیکارے لگا رہے تھے۔ مجروح چلا رہے تھے ان کے شور سے تمام فصیل سارا قلعہ اور قلعہ کے باہر کا میدان گونجنے لگا تھا اس لئے تھوڑی ہی جگہ میں

جنگ ہو رہی تھی۔ لیکن ہندوؤں کے غل مچانے سے ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ تمام فصیل پر ہی جنگ ہو رہی ہو۔ ان کے غل مچانے سے قلعہ والے اٹھ اٹھ کر دریافت حال کے لئے گھروں سے باہر نکلے۔ راجہ بجھرا بھی اٹھ کر باہر آ گیا تھا اس کا محل فصیل سے ذرا فاصلے پر تھا وہ جلدی سے دوڑ کر فصیل پر پہنچا۔ اس نے تلواریں چمکتی ہوئی دیکھیں ابھی رات باقی تھی اور اندھیرا پھیلا ہوا تھا اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کس قدر مسلمان آ گئے ہیں اور کہاں کہاں تک جنگ ہو رہی ہے حالانکہ بے چارہ ہندو صرف تلواریں سونتے کھڑے تھے اسے آگے بڑھنے کی جرأت نہ ہوئی وہ زینہ کے دروازہ سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ جاری تھا۔ وہ کود کود کر آ رہے تھے اور آتے ہی لڑتے لگ جاتے تھے۔ چونکہ اب تقریباً پچاس مسلمان پہنچ گئے تھے اس لئے اچھی خاصی جنگ ہونے لگی تھی اور جنگ کا محاذ بڑھ گیا تھا۔ اس وقت مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ کی آواز سنی اور سمجھ لیا کہ اسلم کا دستہ فصیل کے نیچے آ گیا انہیں بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے اس خیال سے کہ دستہ کے آنے سے پہلے ہی ہندوؤں کو مار کر میدان صاف کر دیں نہایت ہی پھرتی سے حملے کرنا شروع کر دیئے۔ ہر مجاہد تلوار لے کر ہندوؤں کی صفوں میں گھس گیا اور پوری طاقت اور کافی جوش سے لڑنے لگا۔ ہر شخص کا یہی خیال تھا کہ تازہ دم آنے والے مسلمانوں کے آنے سے پہلے یا تو ہندوؤں کا صفایا کر دے یا کم از کم اس قدر ان کی لاشیں بچھا دے۔ جس سے تمام فصیل اٹ جائے اور وہ آ کر اتنے ہندوؤں کی لاشیں دیکھ کر ان کی دلیری کی تعریف کریں۔ اس خیال نے ہر مجاہد کے دل میں ایک عجیب کیفیت پیدا کر دی تھی اور ہر غازی بڑے جوش سے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے انہیں قتل کر رہا تھا۔ ہندو بھی پورے جوش سے حملے کر رہے تھے۔ مگر جب وہ جوش میں آ کر بڑھتے تھے تو مسلمانوں کی تلواریں بڑھ کر ان کا استقبال کرتی تھیں اور وہ خود ہی قتل ہو ہو کر لیے لیے لیٹ جاتے تھے۔ انہیں بڑا غصہ آ رہا تھا کہ وہ مر رہے تھے اور مسلمان گویا لوہے کے بن گئے تھے ان میں سے اس وقت تک ایک بھی نہ مرا تھا۔ وہ جوش و غضب سے بل کھا کھا کر بڑھتے تھے۔ تابڑ توڑ حملے کرتے تھے۔ مگر مسلمانوں کی تلواریں انہیں کاٹ کاٹ کر ڈال دیتی تھیں۔

اس عرصہ میں مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا۔ اب مجاہدین اسلام دانتوں میں تلواریں دبا دبا کر بڑی تیزی سے چڑھ رہے تھے اور فصیل پر کودتے ہی تلواریں ہاتھوں میں لے کر ہندوؤں پر جا ٹوٹے ان تازہ دم مسلمانوں نے پھیل کر اور ہندوؤں کی صفوں میں گھس کر

ان کا قتل عام شروع کر دیا تھا۔ اگرچہ ہندو قتل ہو رہے تھے مگر ابھی تک کھڑے لڑ رہے تھے شاید انہیں یہ امید تھی کہ وہ ان تھوڑے سے مسلمانوں کو قتل کر کے فصیل ان سے خالی کرا لیں گے۔

اس وقت ہندوؤں کا سپہ سالار بھی آ گیا تھا اس نے آتے ہی للکار کر انہیں حملہ کرنے کی ترغیب دی انہوں نے جوش میں آ کر حملہ کیا۔ یہ حملہ نہایت سخت تھا مسلمانوں نے نہایت ثابت قدمی سے اس حملے کو روکا اگرچہ وہ ایک قدم بھی پیچھے نہ ہٹے مگر کئی مسلمان شہید ہو کر گرے۔ مسلمانوں کی شہادت نے لڑنے والے مسلمانوں کی رگوں میں جوش و غضب کی بجلی دوڑا دی اس نے سنبھل کر حملہ کیا اور ایسا پر جوش حملہ کیا کہ ہندو اپنی تمام طاقت صرف کرنے پر بھی ان کی یورش کو نہ روک سکے اور ان کی دوسری صف کا بھی خاتمہ ہو گیا اب مسلمانوں کی تعداد بھی بڑھ کر تین سو کے قریب ہو گئی تھی اور ابھی تک ان کی آمد کا تانتا لگا ہوا تھا ہندو دیکھ چکے تھے کہ وہ چند مسلمانوں کا ہی کچھ نہ بنا سکے تھے اور اب تو ان کی تعداد کافی آ گئی تھی اس لئے ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور اب وہ بغلیں جھانکنے لگے اور ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ مسلمان جو کہ آزمودہ کار تھے وہ سمجھ گئے اور انہوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگا کر حملہ کیا ان کی تلواریں خون برساتی بلند ہوئیں اور دشمنوں کے سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ انہوں نے سینکڑوں ہندوؤں کو مار ڈالا۔ اکثر صفوں کو الٹ دیا۔ بڑے بڑے گرانڈیل لوگوں کو موت کی گود میں پہنچا دیا۔ ہندوؤں کی ہمتیں پہلے سے ہی پست ہو رہی تھیں اس حملہ سے وہ اور بدحواس ہو گئے اور ادھر ادھر بھاگے ان کے بھاگتے ہی مسلمانوں نے جھپٹ جھپٹ کر دوڑ دوڑ کر ان کے سروں پر تلواریں مارنا شروع کیں ہر مسلمان ہر حملہ میں کم از کم ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔ اس طرح چشم زدن میں سینکڑوں ہندو مارے گئے ان کے بھاگتے ہی تمام فصیل پر بھگدڑ پڑ گئی۔ جو ہندو جہاں تھا سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگا۔ مسلمان انہیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر قتل کر رہے تھے جو مسلمان ابھی تک سیڑھیوں پر سے کود کود کر آ رہے تھے۔ انہیں بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت آئے جبکہ ہندو بھاگ رہے ہیں مگر وہ بھی آتے ہی تلواریں سونت سونت کر ہندوؤں کے پیچھے دوڑ پڑتے تھے اور انہیں قتل کر کے ان کی لاشوں پر لاشیں گراتے ان کے پیچھے لگے چلے جا رہے تھے۔

ہندو ایسے حزن زدہ ہو رہے تھے کہ انہیں ہر چیز مسلمان نظر آ رہی تھی یا ہر چیز سے مسلمان نکلتے دکھائی دے رہے تھے وہ بڑی سراسیمگی سے زینوں کی سیڑھیوں کو پھلانگتے ایک

کے اوپر دو اور دو کے اوپر دس گرتے کودتے اور پھاندتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے اس طرح بھاگنے سے سپاہی کچلے گئے۔ لیکن اس وقت ان میں سے کسی کو بھی کسی بات کا خیال نہ تھا حالانکہ اگر وہ یا ان کے افسر انتظام کرتے تو نہایت اطمینان سے بغیر زیادہ نقصان سپاہ کے فصیل سے نیچے اتر سکتے تھے۔ لیکن سپاہیوں سے زیادہ افسروں کے اور افسروں سے زیادہ سپاہیوں کو سراسیمگی تھی۔ جب کہ مسلمان ان کے پیچھے لگے انہیں قتل کر رہے تھے اس وقت اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز آئی جس نے بنیاد فصیل ہلا دی۔ زمین لرزنے لگی اور ہندو کانپ گئے۔ یہ محمد قاسم کے لشکر کی آواز تھی وہ معہ تمام لشکر کے فصیل کے نیچے آ گیا تھا۔ اس نے لاتعداد سیڑھیاں کھڑی کرا دی تھیں۔ سب سے پہلے وہ فصیل پر پہنچا اور اس کے بعد مسلمانوں کا سیلاب زمین سے فصیل اور فصیل سے زینوں کی طرف بہنے لگا۔ محمد قاسم جھپٹ کر اسلم اور بنانہ سے جا ملا اور ان کے ساتھ ہی زینہ سے نیچے اترنے لگا۔ ہندوؤں نے جہاں اور غلطیاں کیں وہاں ایک یہ بھی کی کہ زینوں کو کھلا چھوڑ دیا۔ اگر وہ ہر زینہ کے دروازہ پر کچھ آدمیوں کو کھڑا کر دیتے اور تلواریں لے کر مسلمانوں کا راستہ روک دیتے تو آسانی سے مسلمان قلعہ کے اندر نہ پہنچ سکتے۔ مگر ان پر مسلمانوں کی کچھ ایسی ہیبت طاری ہو گئی تھی کہ ان کے قدم کہیں بھی نہ رکے وہ بھاگ کر قلعہ میں گھس گئے اور بدحواسی سے ادھر ادھر بھاگنے لگے۔

مسلمانوں نے نیچے اترتے ہی ان کا تعاقب کر کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا اور اس بُری طرح سے قتل کیا کہ جہاں تہاں لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے خون کے دریا بہا دیئے اب صبح ہو گئی تھی۔ اگرچہ ابھی آفتاب نہیں نکلا تھا۔ مگر اس قدر اجالا ہو گیا تھا جس سے انسانوں کی صورتیں کچھ قریب کی چیزیں اور خون آلود تلواریں صاف طور پر نظر آنے لگی تھیں۔

مسلمانوں نے دیکھا کہ ہندو ڈرے سہمے ہوئے جہاں تہاں کھڑے تھے یہ شہری ہندو تھے اور لڑنے والے بری طرح سے چھپنے اور گھبرانے ہوئے پھر رہے تھے۔ محمد قاسم نے آواز دے کر کہا کہ کوئی مسلمان کسی نہتے ہندو پر حملہ نہ کرے۔ جبکہ آفتاب کی پہلی شعاع چمکی تو ہندوؤں نے ہتھیار پھینک دیئے اور دیا۔ دیا درحم۔ رحم) کا غل مچانے لگے۔ مسلمانوں نے فوراً ہاتھ روک لئے خونریزی بند کر دی اور مسلح ہندوؤں کو گرفتار کرنے لگے۔

پینتیسواں باب ۳۵

تعاقب

مسلمانوں نے جس جوش وجرأت سے بہرج کے قلعہ پر حملہ کر کے اسے فتح کیا تھا۔ وہ کچھ انہی کا حصہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے جو کارنامے تاریخوں میں محفوظ ہیں انہیں پڑھ پڑھ کر نہ صرف غیر مسلموں کو ہی حیرت ہوتی ہے بلکہ اس زمانہ کے مسلمان بھی متعجب رہ جاتے ہیں ہم مسلمان آرام طلب ہو گئے ہیں۔ مذہب کو چھوڑ بیٹھے ہیں نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں نہ حج کرتے ہیں نہ زکوٰۃ دیتے ہیں غرضیکہ شعائر اسلام کے پابند نہیں رہے ہیں خدا کو یاد نہیں کرتے اس سے نہیں ڈرتے خدا ہمیں یاد نہیں رکھتا اور ہم دنیا بھر سے ڈرنے لگے ہیں۔
آج ہر مسلمان شکایت کرتا ہے کہ مسلمان مفلس ہو گئے۔ حکومتیں جاتی رہیں بے پر اور بے زر ہو کر رہ گئے لیکن یہ کوئی خدا کا بندہ نہیں کہتا کہ مسلمان ہیں کہاں کیا گوشت کھانے اور مسلمانوں کے گھر پیدا ہونے سے ہی مسلمان ہو جاتا ہے۔ نہیں بلکہ مسلمان وہ ہے جو خدا کو یاد کرتا ہے اس سے ڈرتا ہے اس کے اور اس کے پیارے رسولؐ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے۔ مسلمانوں میں یہ ایک مرض بھی عام ہو گیا ہے کہ ہر شخص دوسروں کو نصیحت کرتا ہے نصیحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں پہلے ہر شخص خود مسلمان بننے کا تہیہ کر لے دوسروں کے لئے نمونہ بن جائے۔ دوسرے خود ہی اس کی تقلید کرنے لگیں گے اگر ایسے ہی رفتہ رفتہ ہر شخص حقیقت میں مسلمان ہو جائے اور پھر خدا ان سے راضی ہو کر ان پر لطف وکرم کی بارش شروع کر دے پھر دنیا میں ان کی دھاک بندھ جائے دولت ان کے قدموں پر آپڑے۔ عزت میں چار چاند لگ جائیں دنیا پر حکمرانی کرنے لگیں غرضیکہ یہ بات مسلمانوں کے اپنے ہاتھ میں ہے کہ وہ اسلام سے روگردان رہ کر ذلیل وخوار رہیں یا اسلام کا دامن پکڑ کر عزووقار حاصل کر لیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں شکوہ لاحاصل ہے۔

جب مسلمان برج پر قابض ہو گئے اور اس کے اندر جس قدر ہتھیار بند تھے وہ تمام اسیر کر لئے گئے تب بجھرا کی تلاش شروع ہوئی۔ ہر چند اسے ڈھونڈا لیکن اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ تمام قلعہ چھان مارا۔ محل کا چپہ چپہ دیکھ لیا۔ مندروں کو تلاش کیا مگر بجھرا نہ ملا۔ اب یہ خیال آیا کہ شاید وہ مارا گیا۔ چنانچہ مردوں میں دیکھا۔ ہر لاش کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہاں بھی نہ ملا تب محمد قاسم نے منادی کرا دی کہ اگر بجھرا نہ ملا تو یہ خیال کر لیا جائے گا کہ اسے قلعہ والوں نے چھپا لیا ہے اور اس لئے جو شہروں کو امن دیا گیا ہے وہ واپس لے لیا جائے گا اور ہر گھر میں تلاش شروع کر دی جائے گی۔ اس منادی کو سن کر لوگ ڈر گئے۔ چنانچہ کئی آدمیوں نے محمد قاسم سے آکر کہا کہ بجھرا بدیہہ کی طرف بھاگ گیا ہے بدیہہ ایک چھوٹا سا علاقہ تھا اس کا دار الخلافہ سیسم تھا۔ جو کبہ کی ندی کے کنارے پر واقع تھا اس علاقہ کا راجہ کاکا تھا۔ محمد قاسم نے ان کے کہنے کا یقین نہ کیا۔ مگر جب انہوں نے قسمیں کھائیں تب باور آیا۔

اب اس نے راجہ کے محل میں تمام قیمتی سامان نکلوایا اور سرکاری خزانہ سے سیم در اور جواہرات نکالے گئے جب یہ تمام چیزیں محل کے سامنے ڈھیر کی گئیں تب سب کی آنکھیں کھل گئیں۔ نہایت ہی قیمتی سامان اور بہت زیادہ سونا چاندی اور جواہرات وغیرہ تھے۔ محمد قاسم نے اسی وقت تمام افسروں کو طلب کیا۔ سب آ گئے لیکن حنظلہ نہ آیا۔ اس نے سپاہیوں اور افسروں سے اس کے متعلق دریافت کیا کوئی بھی نہ بتا سکا کہ کہاں گیا اور کب گیا۔ محمد قاسم اور تمام مسلمان بہت زیادہ فکر مند ہو گئے۔ فوراً اس کی تلاش شروع کر دی گئی۔ اب محمد قاسم نے شہداء کی لاشوں کو جمع کرنے کا حکم دیا۔

چنانچہ لاشیں اس جگہ اکٹھی کر دی گئیں۔ جس جگہ محمد قاسم کھڑا تھا۔ کل چورانوے مسلمان شہید ہوئے تھے اور ہندو تقریباً چھ ہزار مارے گئے۔ چنانچہ ان شہداء کے جنازہ کی نماز پڑھ کر انہیں دفن کرا دیا۔ جب مسلمان اس کام سے فارغ ہوئے تب انہوں نے قلعہ کے باہر سے اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سنی سب کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ قریب قریب سارا اسلامی لشکر قلعہ کے اندر تھا۔ انہیں اس بات پر تعجب ہوا کہ کون سے مسلمان آ گئے جنھوں نے نعرہ لگایا۔

محمد قاسم نے فوراً چند مسلمانوں کو دریافت حال کے لئے بھیجا۔ تھوڑی ہی دیر میں تقریباً پچاس مسلمان آتے نظر آئے ان سب سے آگے حنظلہ آ رہا تھا ان مسلمانوں نے آتے ہی محمد قاسم کو سلام کیا۔ محمد قاسم نے حنظلہ سے دریافت کیا کہاں چلے گئے تھے تم؟ حنظلہ نے

جواب دیا ہیں قلعہ سے باہر اس لیئے رہ گیا تھا کہ اگر ہندو بھاگیں گے تو میں انہیں قتل کردوں گا
محمد قاسم نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا لیکن ہندو بھاگ گئے۔
حنظلہ۔ جی ہاں بھاگ گئے۔ مگر جس وقت میں نے ان کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو میں فوراً ان کے پیچھے لپکا۔
محمد قاسم۔ لیکن تم نے ان کو دروازہ سے نکلنے ہی کیوں دیا۔
حنظلہ۔ جس دروازہ پر میں اور میرے پچاس ساتھی کھڑے تھے اس دروازہ سے کوئی بدبخت نہ بھاگا بلکہ دوسرے دروازہ سے بھاگے اور اس لیئے ان کے بھاگنے کا علم بھی مجھے اس وقت ہوا جبکہ وہ دور نکل گئے۔
محمد قاسم۔ پھر تم نے کیا کیا۔
حنظلہ۔ میں اپنے ساتھیوں کو لے کر کیمپ میں واپس گیا اور گھوڑوں پر سوار ہو کر ان کے تعاقب میں دوڑا۔
محمد قاسم۔ اس سے کیا فائدہ تھا وہ تو بہت دور جا چکے تھے۔
حنظلہ۔ فائدہ کچھ نہ تھا۔ صرف اس خیال سے جوش اور غصہ آ رہا تھا کہ میں انہیں قتل کرنے کے انتظار میں دروازہ سے باہر کھڑا رہا۔ جہاد میں شریک نہ ہوا اور وہ دوسرے دروازہ سے مجھے فریب دے کر بھاگ گئے۔
محمد قاسم۔ اور تمہاری سعی لاحاصل رہی۔
حنظلہ۔ جی نہیں ایک گروہ جو سب سے آخر میں نکلا تھا اور دوڑا جا رہا تھا ہم اس تک پہنچ گئے اور جاتے ہی ان کو قتل کرنے لگے۔
محمد قاسم خوش ہو گیا اس نے کہا جزاك اللہ کس قدر آدمی تھے وہ
حنظلہ نے جواب دیا تقریباً ڈیڑھ سو آدمی تھے۔ جب ہم نے سو آدمیوں کو قتل کیا۔ تو باقیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہم نے ان کو گرفتار کر لیا۔
محمد قاسم۔ خوب کام کیا تم نے۔
حنظلہ۔ ہم نے ان کو ان آدمیوں کے سپرد کر دیا۔ جو آپ نے ہماری خبر لینے کے لیئے بھیجے تھے۔

اس عرصہ میں قیدی بھی قریب آ گئے۔ حنظلہ نے کہا ان میں سے ایک لشکر کا سپہ سالار تھا۔

محمد قاسم ۔ اسے آگے بلاؤ ۔

حنظلہ نے سپہ سالار کو پیش کیا ۔ محمد قاسم نے دریافت کیا تمہارا راجہ کہاں ہے ؟ سپہ سالار کا چہرہ فق ہو گیا تھا وہ فرط خوف سے لرز رہا تھا اس نے کہا حضور وہ تو رات ہی بھاگ گیا تھا ۔

محمد قاسم ۔ کہاں بھاگ گیا ہے وہ

سپہ سالار یدھیہ کی طرف کاکا کے ملک ہیں ۔

محمد قاسم ۔ اور تم کہاں جا رہے تھے ؟

سپہ سالار ۔ میں بھی وہیں جا رہا تھا ۔

محمد قاسم ۔ اور وزیر اعظم کہاں گیا ۔

سپہ سالار ۔ وہ بھی بھاگ گیا ۔

محمد قاسم ۔ بزدل انسان تم بھاگے کیوں تھے ۔

سپہ سالار ۔ جان بچانے کے لئے ۔

محمد قاسم ۔ اگر تم ایسے ہی شجاع تھے تو لڑے کیوں ؟

سپہ سالار ۔ وزیر اعظم میں اور تمام رعایا لڑائی کے سخت خلاف تھے لیکن بجھرا نہ مانا ۔ وہ لڑا کم بخت خود تو بھاگ گیا اور رعایا کو مبتلائے مصیبت کر لیا ۔

محمد قاسم ۔ اسے اور اس کے ساتھیوں کو بھی اور قیدیوں کے ساتھ قید کر دو ۔

اب محمد قاسم نے تمام سامان اور نقدی جواہرات وغیرہ میں سے پانچواں حصہ نکال کر باقی تمام سواروں اور افسروں وغیرہ میں اعلیٰ قدر مراتب تقسیم کر دیا اور اسی روز فتح نامہ لکھ کر معہ اسیروں کے اور مال غنیمت کے پانچواں حصہ دے کر حجاج کی خدمتیں بھیج دیا ۔ صرف دو دن اس نے اور اسلامی لشکر نے وہاں قیام کیا ۔ تیسرے روز ایک مسلمان کو تسو سواروں کے ہمراہ بہرج میں چھوڑ کر خود سیسم کی طرف بجھرا کے تعاقب میں روانہ گیا ۔

چھبیسواں باب

دو حوریں نرغۂ ستم میں

طاہرہ نے جب سے لادی کی زبانی محمد قاسم کا پیغام سنا تھا اس وقت سے اسے امید ہو گئی تھی کہ وہ ضرور آزاد کرا لی جائے گی۔ جب سے وہ راجہ کے محل میں آئی تھی۔ اس وقت خود کو غیر محفوظ۔ حریص اور سیاکاروں میں محصور سمجھ کر ہر وقت ہوشیار رہتی تھی وہ مذہب کی دلدادہ نماز پابندی کے ساتھ پڑھتی تھی اور ہر نماز کے بعد مسلمانوں کی فتح بابی اور اپنی اور ان مسلمانوں کی جو اس کے سامنے دیبل کے قلعہ میں لائے گئے تھے رہائی کی دعا مانگا کرتی تھی اسے نہ یہ معلوم تھا کہ محمد قاسم کون ہے اور کیسے اس نے لشکر کشی کی ہے نہ یہ خبر تھی کہ دیبل میں قید ہونے والے مسلمان رہا کرا لئے گئے ہیں اور صرف وہی باقی رہ گئی ہے۔

چونکہ رانی لادی اس کی ہم عمر تھی اور اس سے محبت کرتی تھی اس لئے اسے بھی محبت ہو گئی تھی اور وہ اکثر اس سے باتیں کر کے اپنا دل بہلایا کرتی تھی۔ جب سے لادی دیبل سے واپس آئی تھی اس وقت سے وہ بھی طاہرہ سے بے حد مانوس نظر آنے لگی تھی اور قریب قریب تمام دن اس کے پاس اسی کے کمرہ میں رہتی تھی۔

وہ کھود کھود کر محمد قاسم کے متعلق طاہرہ سے دریافت کرتی تھی وہ کون ہے کس کا بیٹا ہے اور خلیفہ سے اس کا کیا تعلق ہے وغیرہ وغیرہ طاہرہ کو خود اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا اس لئے وہ کچھ بھی جواب نہ دے سکی تھی۔ ایک دن رات کے وقت دونوں کھانے سے فارغ ہو کر کمرہ کے اندر بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ لادی کہہ رہی تھی تم نے بھی محمد قاسم کو نہیں دیکھا ہے طاہرہ نے کہا کبھی نہیں کیونکہ میں بچپن سے ہی سراندیپ آ گئی تھی وہیں میں نے ہوش سنبھالا ہے وہیں جوان ہوئی اب وطن جا رہی تھی کہ تمہارے شوہر نے اسیر کر لیا۔

لادی۔ لیکن پھر وہ تم کو رہائی دلانے کے لئے کیوں آیا ہے۔

طاہرہ۔ اس لئے کہ میں بھی مسلمان ہوں اور وہ بھی مسلمان ہے مسلمان کا فرض ہے کہ وہ مصیبت زدہ مسلمان کی امداد کرے۔

لادی نے اسے بے اختیارانہ بداعتمادی کی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا یہ بات نہیں ہے طاہرہ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کیا بات ہے۔

لادی۔ بُرا نہ مانو گی تو کہوں۔

طاہرہ۔ میں کیوں بُرا مانوں گی۔

لادی۔ اسے شاید تم سے محبت ہو گئی ہے۔

طاہرہ کا چہرہ سرخ ہو کر تمتما اٹھا۔ لادی نے جلدی سے کہا دیکھو بُرا مان گئیں نہ تم؟ طاہرہ نے کہا۔ تم نے بات ہی ایسی کہی۔ لادی نے مسکرا کر کہا۔ معاف کرنا مجھے شبہ ہوا تھا؟

طاہرہ۔ اور یہ شبہ کیوں ہوا تم کو!

لادی۔ اس لئے کہ تم بھی حسین ہو اور محمد قاسم بھی۔

اب طاہرہ مسکرائی اس نے کہا میں اب سمجھی۔ لادی نے اس کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا سمجھا تم نے؟

طاہرہ۔ شاید تم کو محمد قاسم سے محبت ہو گئی ہے۔

لادی نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا۔ تم نے ٹھیک سمجھا طاہرہ وہ ہے ہی اس قابل لیکن یہ تو بتاؤ یہ مسلمان کہیں بے رحم اور سنگدل تو نہیں ہوتے؟

طاہرہ۔ مسلمانوں سے زیادہ نرم دل اور خدا ترس شاید ہی کوئی ہو۔

لادی۔ کاش میں اسے نہ دیکھتی۔

طاہرہ۔ پھر کیوں دیکھا تم نے۔

لادی۔ جب چندر مجھ پر سختی کر رہا تھا تو اتفاقیہ وہ آگیا۔ جونہی میری نظر اس پر پڑی محبت کا تیر میرے سینے میں لگا اور میں اسے دیکھتی رہ گئی۔

طاہرہ۔ اور وہ؟

لادی۔ اس بے مروت نے مجھے اچھی طرح سے دیکھا بھی نہیں۔

اس وقت کچھ کھٹکا ہوا لیکن یہ دونوں کچھ ایسی باتوں میں مصروف تھیں کہ انہیں معلوم

تک بھی نہ ہوا۔ طاہرہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا اگر وہ دیکھ لیتا لادی نے بھولی صورت بنا کر دیکھتے ہوئے کہا تو کیا ہوتا۔

طاہرہ۔ وہ تم کو روک لیتا۔

لادی۔ کاش روک لیتا

طاہرہ۔ کیا تم رک جاتیں رانی۔

لادی۔ کیوں نہ رک جاتی۔

طاہرہ۔ تم سندھ کی رانی ہوتے ہوئے ایک معمولی مسلمان کے پاس رہ جانا پسند کر لیتیں۔

لادی۔ تو نہیں جانتی طاہرہ کہ میں رانی ہوتے ہوئے بھی کس قدر تکلیف میں ہوں۔

طاہرہ۔ کیا تکلیف ہے تم کو کیا دنیا کا عیش و آرام تمہارے لئے موجود نہیں ہے۔ کیا اچھے کپڑے اچھے زیورات اور اچھی عزت تم کو حاصل نہیں ہے۔

لادی۔ اس سے کیا ہوتا ہے طاہرہ میرے پاس قیمتی کپڑے ہیں اعلیٰ قسم کے آبدار زیورات ہیں۔ بہت داسیاں ہیں کافی عزت ہے غرضیکہ دنیا بھر کے آرام کی چیزیں ہیں مگر حقیقی مسرت حاصل نہیں ہے۔

طاہرہ۔ تعجب ہے کہ تمہیں کس بات کی کمی ہے۔

لادی۔ چونکہ تو ابھی ناکتخدا ہے اس لئے نہیں سمجھتی"۔

طاہرہ نے شرمیلی نظروں سے مسکراتے ہوئے کہا میں نہیں سمجھ سکتی تو تم سمجھا دو۔

لادی۔ عورتیں پتی کے پریم کی بھوکی ہیں۔

طاہرہ۔ کیا دہار راجہ تم سے محبت نہیں کرتے؟

لادی۔ کرتے ہیں مگر

طاہرہ۔ مگر کیا

لادی۔ میری محبت میں اوروں کو حقدار بنا لیا ہے۔

طاہرہ۔ اور کون حق دار بن گئی ہیں۔

لادی۔ ان کے کئی رانیاں ہیں پھر رانیوں کو چھوڑ کر داسیوں سے پریم کرتے ہیں۔ عورت یہ کبھی گوارا نہیں کر سکتی کہ اس کا شوہر دوسری عورتوں سے محبت کرے۔

طاہرہ۔ اگرچہ یہ سچ ہے لیکن .. ..

لادی۔ لیکن کیا؟

طاہرہ۔ ایک وفادار بیوی کا فرض ہے کہ وہ اپنے شوہر کی خوشی کو تمام خوشیوں پر مقدم سمجھے۔

لادی۔ تم اس لئے کہہ رہی ہو کہ ابھی تم کو ان باتوں سے سابقہ نہیں پڑا۔

طاہرہ۔ اگرچہ یہ ٹھیک ہے لیکن شوہر مجازی خدا ہوتا ہے اور اس لئے اس کی رضا جوئی ضروری ہے جب ہماری قوم میں کسی لڑکی کی شادی ہوتی ہے تو عزیز و اقربا نیز والدین اس سے کہہ دیتے ہیں کہ آج تیری آزاد زندگی کا خاتمہ ہو گیا اب تو اپنے شوہر کی کنیز بن گئی ہے اپنے آرام کو خاوند کے آرام پر اور اپنی خوشی کو خاوند کی خوشی پر قربان کرنا ہوگا۔ چنانچہ مسلم لڑکیاں ایسا ہی کرتی ہیں؟

لادی۔ مگر جب شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کریں۔

طاہرہ۔ وہ صبر و شکر کرتی ہیں کیونکہ مسلمان تقدیر کے قائل ہیں ایسی لڑکیاں جن کے شوہر ان سے خوش نہیں ہوتے سمجھ لیتی ہیں کہ خدا کو ہی یہ منظور تھا۔

لادی۔ خیر ان باتوں کو چھوڑو آج میں تم سے ایک خاص بات کہنا چاہتی ہوں۔

طاہرہ۔ فرمائیے۔

لادی۔ تم جانتی ہو راجہ تم پر فریفتہ ہے۔

طاہرہ نے شرما کر کہا۔ ہاں جانتی ہوں۔

لادی۔ وہ تم کو اپنی رانی بنانا چاہتے ہیں۔

طاہرہ۔ اطمینان رکھو وہ میری منشاء کے خلاف کچھ بھی نہیں کر سکتا۔

لادی۔ وہ تم پر جبر کریں گے۔

طاہرہ نے جوش میں آکر کہا۔ میں اپنی اور ان کی جان ختم کر دوں گی۔

لادی۔ مگر تم ایک نازک اندام لڑکی ہو۔

طاہرہ۔ مگر مسلمان ہوں مسلمان لڑکیاں غیر مسلم مردوں سے زیادہ بہادر ہوتی ہیں۔

لادی۔ یہ سچ سہی لیکن اگر جبر کرنے کی نوبت ہی نہ آنے دی جائے

طاہرہ۔ اس سے بہتر اور کیا ہے۔

لادی ۔ اگر میں کسی طرح تم کو آزاد کرا لوں

طاہرہ ۔ تو میں عمر بھر آپ کی مشکور رہوں ۔

لادی ۔ صرف مشکور ہی ہو گی ۔

طاہرہ ۔ جو آپ حکم دیں گی وہ کروں گی ۔

لادی کچھ سوچنے لگی ۔ سوچتی رہی دیر تک سر جھکائے سوچتی رہی کچھ وقفہ کے بعد بولی لیکن افسوس تو یہ ہے کہ تم بھی محمد قاسم سے واقف نہیں ہو ۔

طاہرہ ۔ کس بات سے واقف نہیں ہوں ۔

لادی ۔ اس کے مزاج سے عادات و خصائل سے

طاہرہ ۔ میں اطمینان دلاتی ہوں کہ وہ نیک ہو گا ۔ خوش حال اور اچھی عادات والا ہو گا ۔

لادی ۔ اگر میں اس کے پاس چلی جاؤں ۔

طاہرہ ۔ تو وہ تمہیں اپنے سر اور آنکھوں پر بٹھائے گا اور صرف وہی نہیں بلکہ ہر مسلمان تمہاری عزت کرے گا ۔

لادی ۔ کس وجہ سے ؟

طاہرہ ۔ اس لئے کہ تم نے ایک مسلم دوشیزہ پر مہربانیاں کی ہیں ۔

لادی ۔ اچھا سنو طاہرہ میں نے بہت کچھ غور کے بعد یہ تجویز کیا ہے کہ تم کو رہا کرا دوں اور آج رات کو کسی وقت محل سے باہر نکال دوں اور جب تم محمد قاسم کے پاس پہنچو ۔ تو اس سے تمام حالات بیان کر کے اگر وہ پسند کرے ۔۔ ۔ تو . . . .

طاہرہ لادی کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے کہا وہ کیا پسند کرے ؟ لادی نے شرماتے ہوئے کہا ۔ مجھے اپنی خدمت میں رکھنا تو تم چلی آنا اور پھر میں تمہارے ہمراہ چلوں گی ۔ ایک غصہ سے بھری ہوئی آواز آئی بے غیرت اور بدکار رانی ۔

دونوں اس آواز کو سن کر چونک پڑیں ۔ دونوں نے اس طرف دیکھا جس طرف سے آواز آئی تھی اس طرف سے داہر آ رہا تھا ۔ غیظ و غضب سے بھرا پھنکاریں ، مارتا ہوا اور اس کے پیچھے چار نیم برہنہ سپاہی تھے جو ننگی تلواریں لئے آ رہے تھے داہر کو دیکھتے ہی دونوں لڑکیاں سہم گئیں ۔ لادی کا رنگ فق ہو گیا اس کے چہرہ کی سرخی اور ہونٹوں کی لالی غائب ہو گئی آنکھوں سے خوف ظاہر ہونے لگا ۔ وہ کانپنے لگے ۔ طاہرہ پر بھی ہراس طاری ہو گیا ۔

لیکن اتنا نہیں کہ جتنا لادی پر۔ وہ اطمینان اور استقلال سے داہر کو دیکھنے لگی۔ داہر کو اس قدر غصہ آرہا تھا کہ اس نے غضب ناک لہجہ میں کہا۔ بدکار لادی تو یہ کیا سازش کر رہی تھی۔ لادی بدکار نہ تھی اس کا خوف جاتا اور جوش وغضب سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا سوامی جب آپ نے سب کچھ سن لیا ہے تو اب مجھ سے کیا دریافت کر رہے ہیں۔

داہر۔ کیا یہ بے وفائی نہیں ہے؟

لادی۔ ضرور ہے مگر پہلے بے وفائی کس نے کی؟

داہر۔ کس نے کی؟

لادی۔ آپ نے؟ آپکی محبت کی حقدار میں تھی نہ کہ اور بلیسوائیں۔

داہر۔ مگر تیرا فرض کیا تھا۔

لادی۔ میں نے اپنے فرض کو بہت کچھ نباہا لیکن جب آپ پاپ کے انتھاہ ساگر (ناپیداکنار) بحر عصیاں میں ڈوبتے ہی چلے گئے تب میری خودداری کا جذبہ بیدار ہو گیا۔

داہر نے غصہ سے دانت پیستے ہوئے کہا اور یہ جذبہ اب تجھے موت کی آغوش میں پہنچا دے گا۔

لادی۔ میری موت ہی میرے دل کو سکون دے گی۔

داہر نے سپاہیوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا اس بدکار کو گرفتار کر کے لے جاؤ۔ فوراً دو سپاہی بڑھے لادی نے کہا مجھے ہاتھ نہ لگاؤ۔ چلو میں آپ کے ہمراہ چلتی ہوں۔

وہ سپاہیوں کی حراست میں روانہ ہو گئی اب داہر نے طاہرہ سے مخاطب ہو کر کہا بے وفا لڑکی میں تجھے رانی بنانا چاہتا تھا۔ لیکن تم نے منظور نہ کیا اب میں تجھے سخت سزا دوں گا۔ جو کوئی تجھے دیکھے گا۔ وہ افسوس کرے گا۔ طاہرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ داہر نے بقیہ دو سپاہیوں سے کہا اس چالاک لڑکی کو بھی گرفتار کر لو۔

سپاہی طاہرہ کی طرف بڑھے۔ طاہرہ نے ڈپٹ کر کہا۔ خبردار دور ہو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔ داہر نے حقارت سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ اس قدر جرأت خیر دیکھا جائے گا۔ اچھا لے چلو سپاہی طاہرہ کو لے کر چلے داہر ان کے پیچھے روانہ ہوا۔

سینتیسواں باب ۳۷

شیخی خور راجہ

راجہ بجھرا جسے اپنی طاقت اور لشکر کی کثرت پر بڑا ناز تھا۔ فصیل پر کھڑا ہوا لڑائی کا منظر دیکھ رہا تھا اسے کچھ بھی نظر نہ آ رہا تھا۔ پھر بھی کھڑا ہوا دیکھ رہا تھا جب ہندو شکست کھا کر بھاگے تو وہ جلدی سے اترا اور محل میں پہنچ کر اپنے بیوی بچوں کو ہمراہ لے کر مع ایک ہزار سواروں کے قلعہ سے باہر نکلا اور بدہیہ کی جانب چل پڑا۔ تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ اسے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز آئی۔

جب اس نے غور سے سنا تو ایسا معلوم ہوا جیسے اس سے آگے کچھ سوار جا رہے ہوں۔ چونکہ ابھی رات تھی اس لئے بغور دیکھنے پر بھی اسے یہ نظر نہ آیا کہ آگے کون لوگ جا رہے ہیں۔ اسے خوف ہوا کہ کہیں مسلمان نہ ہوں اس لئے وہ رک گیا۔ اس کے رکتے ہی اس کا تمام لشکر بھی رک گیا۔ جب صبح صادق کا وقت ہو گیا اور کسی قدر اجالا پھیل گیا۔ تب وہ بڑھا تھوڑی دور چلکر اسے سوار نظر آئے جو کہ نیم برہنہ تھے وہ سمجھ گیا کہ اس سے پہلے بھی کوئی سردار بھاگ نکلا ہے اب اس نے اس سے ملنے کے لئے تیزی سے چلنا شروع کیا۔ تھوڑی ہی دیر میں اس کے قریب پہنچ گیا۔ یہ سوار اسی لشکر کے تھے اور ان کے ساتھ اس کا وزیر اعظم تھا۔ بجھرا نے وزیر اعظم سے دریافت کیا کیا تم مجھ سے بھی پہلے چلے آئے؟ وزیر اعظم نے جواب دیا۔ اور کیا کرتا حضور جب میں نے دیکھا کہ ہمارے بزدل سپاہی شکست کھا کر فصیل سے نیچے آ رہے ہیں میں نے ایک لمحہ بھی ضائع نہ کیا اور فوراً کچھ سواروں کو ہمراہ لے کر چلا آیا۔

بجھرا۔ مگر تم نے مجھے کیوں نہ ہمراہ لے لیا؟

وزیر۔ میرا خیال تھا کہ آپ ہرج کی تباہی کا آخری منظر دیکھے بغیر چلیں گے۔

بجھرا۔ کتنا لشکر تمہارے ساتھ ہے۔

وزیر۔ پانصد سوار ہیں حضور آپ کے ہمراہ کس قدر سوار ہیں۔

بجہرا۔ ایک ہزار ہیں۔

وزیر۔ جب تو ہمارے ساتھ ڈیڑھ ہزار لشکر ہے۔

بجہرا۔ اور یہ بہت کافی ہے۔

وزیر۔ ہاں کافی ہے۔

بجہرا۔ تمہارا ارادہ کہاں جانے کا تھا۔

وزیر۔ امن اور اطمینان کی جگہ ریاست بدہیہ ہی ہے۔

بجہرا خوش قسمتی سے میں نے بھی وہیں جانا مناسب سمجھا ہے۔

وزیر۔ یقین ہے کہ کاکا حضور کی خوب مدارات کرے گا۔

بجہرا۔ میں داہر کے پاس اس لئے نہیں گیا کہ وہ حریص حسن ہے کہیں مجھ سے میری استری (بیوی) نہ چھین لے۔

وزیر۔ آپ اس کے بھتیجہ اور آپ کی استری بھتیج بہو ہے وہ کبھی ایسی بیہودگی نہیں کرتے۔

بجہرا۔ جو شخص اپنی سگی ہمشیرہ سے شادی کر سکتا ہے وہ بھتیجہ کی بیوی سے کیوں نہیں کر سکتا۔

وزیر۔ حضور نے درست فرمایا کیا بہرج پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا؟

بجہرا۔ میرے سامنے تک تو نہ ہوا تھا لیکن .. ..

وزیر۔ اب ہو گیا ہو گا۔

بجہرا۔ یقیناً میرے لشکر نے بڑی بزدلی کی۔

وزیر۔ میں نے حضور سے پہلے ہی عرض نہ کر دیا تھا۔

بجہرا۔ اگر سپاہی ذرا بھی ہمت سے کام لیتے تو مسلمانوں کا صفایا کر ڈالتے

وزیر۔ ناممکن تھا۔

بجہرا۔ کیوں؟

وزیر۔ اس لئے کہ باوجود لشکر کے گشت کرنے کے اور خبردار رہنے کے مسلمانوں کا یکایک فصیل پر آجانا حیرت انگیز بات تھی۔

بجھرا۔ حیرت کی بات ضرور تھی۔ مگر اتنی سی بات سے شیروں کو ڈر کر بھیڑیں نہ بن جانا چاہیئے تھا۔

وزیر۔ مگر جنوں اور بھوتوں کے سامنے ڈرنا ہی پڑتا ہے حضور مسلمان انسان نہیں ہیں پھر انسان ان کا مقابلہ کیسے کر سکتے ہیں۔

بجھرا نے غصہ کے لہجہ میں کہا وہ انسان ہی ہیں اور انسان ہی ان کا مقابلہ کرتے ہیں۔

وزیر۔ لیکن حضور نے سنا ہے کہ انہوں نے آج تک کبھی شکست کھائی ہے؟

بجھرا۔ ضرور کھائی ہوگی غیر ان منحوسوں کے ذکر کو چھوڑیئے انھوں نے مجھے بے تاج تخت کر دیا ہے اب میں نے ارادہ کیا ہے کہ کاکا سے مدد لے کر پھر آؤں گا۔ اور انہیں مہرج سے بے دخل کر کے رہوں گا۔

وزیر۔ حضور ایسا ارادہ نہ کیجئے مسلمانوں پر فتح پانا غیر ممکن ہے۔

بجھرا چپ ہو گیا اور یہ لوگ ذرا تیزی سے سفر کرتے رہے چونکہ انہیں اندیشہ تھا کہ کہیں مسلمان ان کا تعاقب نہ کریں اس لیئے شب و روز چلے جا رہے تھے بہت تھوڑی دیر قیام کرتے تھے کئی روز کے بعد وہ بدہیہ کی سرحد میں داخل ہوئے۔ کاکا کو ان کے آنے کی خبر ہو گئی تھی وہ نیک اور بامروت راجہ تھا اس نے اپنے چند سرداروں کو استقبال کے لیئے بھیج دیا بجھرا سیسم کی طرف بڑھنے لگا تو اسے اس کا کچھ لشکر ملا اور اس کا نہایت شاندار استقبال کر کے لئے چلا۔ بجھرا اب تک مع اپنے لشکر کے کھانے پینے کی تکلیف اٹھاتا چلا آ رہا تھا کیونکہ وہ بے سروسامان کی حالت میں بھاگے تھے رسد کی قسم سے کچھ بھی ساتھ نہ لائے تھے راستہ میں جس قدر آبادی ملی وہ غیر آباد تھی۔ مسلمانوں کے خوف سے لوگ گھر بار کھیتی کیاری وغیرہ چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اسلیئے راستہ میں کچھ نہ ملا تھا لیکن بدہیہ کی سرحد میں داخل ہوتے ہی استقبال کرنے والے لشکر نے تمام سامان مہیا کر دیا تھا اور اب وہ اطمینان سے سیسم کی طرف بڑھنے لگے تھے تقریباً دو میل چل کر وہ کمبہ ندی کے ایک کنارے پر پہنچ گئے اس ندی کے کنارہ پر بدہیہ کا دار الخلافہ سیسم تھا۔ سیسم کی عمارتیں دور سے نظر آ رہی تھیں جب یہ قلعہ کے نزدیک پہنچے تو کاکا خود ان کا استقبال کے لیئے راجہ بانی سے نکل آیا۔

کاکا ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ باحوصلہ اور اقبال مند آدمی تھا۔ اس نے نہایت شان کے ساتھ بجھرا کا استقبال کیا بجھرا کو یہ توقع نہ تھی کہ کاکا اس کی اس قدر عزت کرے گا۔ جس قدر کاکا نے کی بلکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ وہ اسے تکلیف دیگا۔ مگر جب اس نے اس کا رویہ دیکھا تو وہ

اس کا بے حد مشکور ہوا۔ چنانچہ اس وقت یہ دونوں راجہ ایک دوسرے سے ملے تو بجھرا نے کہا میں آپ کی اسی گرم گھستری کا جو کہ آپ نے میرے لئے ہر ممکن آسائش بہم پہنچانے کی ہے۔ بے حد ممنون ہوں۔ کاکا نے کہا اس میں ممنونیت کی کیا بات ہے آپ بھی راجہ ہیں میں بھی راجہ ہوں آپ پر آپنی (مصیبت) آپڑی ہے میرا فرض ہے کہ میں آپ کی ہر ممکن امداد کروں۔

بجھرا۔ ہندوؤں میں یہی بات تو نہیں ہے کہ وہ اپنے بھائیوں کو کسی ابتلاء میں ملا دیں اگر یہ بات ہو جائے تو پھر ایک ہندو بھی مبتلائے عالم نہ ہوں۔

کاکا۔ یہ ہماری خود غرضی ہے۔ ہندو کسی ایک مذہب کو نہیں ملتے کوئی سناتنی ہے کوئی جینی کوئی ناستک (خدا کو نہ ملنے والے) ہیں غرضیکہ سینکڑوں مت (مذہب یا طریقے) ہیں پھر ہمدردی کیسے ہو؟

بجھرا۔ آپ ٹھیک فرما رہے ہیں چونکہ سینکڑوں مذہب ہونے کی وجہ سے ہندوؤں کے ٹکڑے ہو گئے ہیں اس لئے وہ کمزور ہوتے چلے جا رہے ہیں۔

کاکا۔ یہی بات ہے آپ نے مسلمانوں سے ناحق جنگ چھیڑی

بجھرا۔ میں نے خود جنگ نہیں کی بلکہ وہ کم بخت خود ہی میرے قلعہ پر آچڑھے۔

کاکا۔ آپ کو ان سے فوراً صلح کر لینی چاہیئے تھی۔

بجھرا۔ آپ مجھے جانتے ہیں کہ میدان جنگ سے ہٹنا یا کسی سے ڈرنا ہی نہیں جانتا چنانچہ مسلمانوں سے بھی نہ ڈرا اور اُن سے لڑا۔ اس وقت تک لڑا جب تک کہ ایک سپاہی بھی زندہ رہا۔

بجھرا میں اور کوئی بات ہو نہ ہو لیکن شیخی ضرور تھی اس بیچارے نے قریب سے مسلمانوں کی صورتیں بھی نہ دیکھی تھیں لڑنا تو کیا اپنے سپاہیوں کو بھاگتے ہوئے دیکھکر خود بھی بھاگ آیا تھا۔ مگر کاکا سے اپنی دلیری کی ڈھینگیں مار رہا تھا۔ کاکا نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو آپ کا تمام لشکر کام آگیا۔

بجھرا۔ جی ہاں قریب قریب سارا ہی لشکر مارا گیا۔ صرف یہی لشکر باقی بچا ہے جو میں ہمراہ لے آیا ہوں۔

کاکا۔ آپ کے پاس کس قدر لشکر تھا۔

بجھرا۔ بیس ہزار۔

کاکا۔ اور مسلمان کتنے تھے۔

بجھرا۔ میں نے شمار نہیں کیا شاید اتنے ہی وہ بھی ہوں۔

کاکا۔ مگر میں نے تو سنا ہے کہ محمد قاسم کے ہمراہ چھ ہزار لشکر آیا ہے۔

بجھرا۔ میں نے عرض کیا ہے کہ میں نے شمار نہیں کیا ممکن ہے کہ اتنے ہی ہوں۔

اب یہ سیسم کے قلعہ میں داخل ہو گئے تھے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کاکا نے تمام قلعہ میں بجھرا کے آنے کی اطلاع کرا دی تھی۔ کیونکہ جونہی یہ لوگ قلعہ میں داخل ہوئے ہر طرف سے لوگ ان کے استقبال کے لئے امڈ آئے۔ مرد عورتیں لڑکے اور لڑکیاں وغیرہ سب ہی تھے مردوں میں سب صرف ایک ایک دھوتی پہنے ہوئے تھے عورتیں اور لڑکیاں گھٹنوں سے ذرا نیچے دھوتیاں کئے اور انگیاں پہنے تھیں اس مختصر لباس میں ستر پوشی کما حقہ، طریقہ سے نہ ہو رہی تھی اور بچے بالکل ننگے تھے بعض جو ذرا بڑے ہو گئے تھے وہ لنگوٹ کسے ہوتے تھے۔ جب ان لوگوں نے بجھرا کو دیکھا تو فوراً جھک گئے اور مہاراج بجھرا کی جے کے نعرے لگانے لگے تھے۔ بجھرا اور اس کی رانی اس شان سے اپنا استقبال کئے جانے سے بہت مسرور ہوئے۔ کاکا انہیں ہمراہ لے کر اپنے محل میں پہنچا۔ لشکر چھاؤنی میں ٹھہرایا گیا اور راجہ۔ رانی اور اس کے بچے وزیر سب محل میں ٹھہرائے گئے۔

اس طرح بجھرا اپنے عزو وقار اور تاج و تخت کو کھو کر کاکا مہمان بن کر وہاں رہنے لگا۔ ایک دن کاکا دربار کر رہا تھا کہ اہالیان دربار بجھرا اور اس کا وزیر سب مقیم تھے کہ چند جاٹ آئے اور انہوں نے آتے ہی کہا فریاد ہے۔ تمام درباری بجھرا اور کاکا سب ان کی طرف دیکھنے لگے وہ کل پانچ آدمی تھے۔ موٹے گاڑھے کو بل دے کر اس کی پگڑیاں باندھے تھے دھوتیں کی دھوتیاں کئے ہوتے تھے۔ باقی جسم ننگے تھے وہ کاکا کی طرف بڑھنے لگے اور تمام درباری ان کو حیرت سے دیکھنے لگے۔

اڑتیسواں باب ۳۸

تائیدِ غیبی

کاکا چاندی کے تخت پر بیٹھا تھا۔ تخت تین گز اونچے چبوترے پر تھا اس کے پاس ہی بجھرا بیٹھا تھا۔ تخت کے قریب چند ایک کرسیاں پڑی تھیں ان کرسیوں میں سے ایک پر بجھرا کا وزیر دوسری پر کاکا کا سپہ سالار بہمن بیٹھا تھا۔ آج اس کا وزیر غیر حاضر تھا۔ باقی تمام درباری چبوترہ سے نیچے کرسیوں پر بیٹھے تھے یہ کرسیاں عجیب اور بھدی قسم کی تھیں دربار کا کمرہ نہایت وسیع تھا۔ مگر چھت نیچی تھی۔ تمام درباری دونوں راجہ تمام افسر آبدار موتیوں کے ہار گلے میں ڈالے ہوئے تھے۔ چونکہ وہ نیم برہنہ تھے اس لئے برہنگی کو ہاروں سے چھپایا گیا تھا۔ ہندوؤں کی تہذیب و معاشرت کوئی نہ تھی معاشرت تو یہ تھی کہ وہ نیم برہنہ رہتے تھے معمولی دیہات کی کٹوریوں میں کھلتے تھے عورتیں اور مرد سب ننگے رہتے تھے تہذیب یہ تھی کہ سگی بہنوں سے شادی کر لیتے تھے۔

جب جاٹ تخت کی طرف بڑھنے لگے تو تمام دربار میں سناٹا چھا گیا ہر شخص یہ معلوم کرنے کے لئے بے قرار نظر آنے لگا کہ یہ کون لوگ ہیں کہاں سے آئے ہیں اور کیا کہنا چاہتے ہیں۔ جاٹ چبوترہ کے قریب پہنچ کر سلام کرنے کے لئے سجدہ میں گر پڑے۔

کاکا نے سلام لے کر دریافت کیا تم لوگ کون ہو!

فوراً جاٹ اُٹھے اور ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے ان میں سے ایک بڈھے نے کہا اندا تا ہم جاٹ ہیں۔

کاکا۔ کہاں سے آئے ہو تم؟

بڈھا۔ ہم نیلبان کے رہنے والے ہیں اور وہیں سے آئے ہیں۔

نیلبان دریائے کمبہ پر ایک چھوٹا سا شہر تھا جو سیسم سے چند میل کے ہی فاصلے پر

واقع تھا۔ کاکا نے دریافت کیا تم کیا کہنا چاہتے ہو؟

بڈھا۔ اندا تا نیلبان پر ملیکش مسلمان آگئے ہیں۔

اس بات کے سننے سے تمام درباری حیرت سے بڈھے کو دیکھنے لگے کاکا اور بجھرا کو بھی تعجب ہوا۔ کاکا نے پوچھا مسلمان وہاں کب آئے؟

بڈھا۔ آج صبح آئے ہیں حضور

کاکا۔ کس قدر لشکر ہے؟

بڈھا۔ کچھ زیادہ لشکر نہیں ہے پانچ یا چھ ہزار ہوگا۔

کاکا۔ کیا انہوں نے نیلیان کو لوٹ لیا۔

بڈھا۔ نہیں اندا تا وہ شہر سے باہر پڑے ہیں کچھ لوگ شہر کے اندر رسد لینے گئے تھے۔ مگر دکانداروں نے انہیں دیکھتے ہی دکانیں بند کرلیں اور رسد نہ دی۔

کاکا۔ اور اس لئے انہوں نے دکانیں لوٹ لیں

بڈھا۔ نہیں مہاراج وہ واپس چلے گئے۔

کاکا۔ کس قدر شرافت کی ہے انہوں نے۔

بجھرا نے بگڑ کر کہا اس میں شرافت کی کیا بات ہے؟

کاکا۔ دنیا بھر کی قوموں کا یہ قاعدہ ہے کہ جب رسد قیمت سے نہیں ملتی تو وہ لوٹ لیا کرتے ہیں اور خود ہندو ایسا ہی کرتے ہیں۔

بجھرا۔ وہ شاید ہندوؤں سے ڈر گئے ہوں گے۔

کاکا نے ہنس کر کہا اگر وہ ڈرتے تو ہمارے ملک پر چڑھ کیوں آتے دراصل مہاراجہ داہر نے یہ اچھا نہ کیا کہ چند مسلمانوں کو قید کر کے ان کی قوم کے دلوں کو دکھایا۔ شاید وہ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح ہندوؤں پر خواہ کوئی قوم کسی قدر مظالم کیوں نہ کرے ہندو اس کی خبر تک نہیں لیتے اسی طرح سے مسلمانوں کو بھی کوئی نہ پوچھے گا۔ مگر انہیں معلوم نہ تھا کہ مسلمان ایک دوسرے کو بھائی سمجھتے ہیں اور وہ مسلم اسیروں کو رہائی دلانے بغیر ہرگز نہ رہیں گے جس وقت مسلمانوں کا قاصد قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کرنے آیا تھا کاش وہ اسی وقت تمام قیدیوں کو چھوڑ دیتے: بجھرا نے جوش میں آکر کہا نہیں بلکہ قاصد کے سامنے قیدیوں کو قتل کروا لیتے کاکا نے سنجیدگی سے کہا اگر ایسا کیا جاتا تو مسلمانوں کے آنے کی شان ہی اور ہوتی۔

بجھرا۔ کیا شان ہوتی؟

کاکا۔ اب تو وہ محض ان لوگوں سے لڑتے ہیں جو ہتھیار بند ہوتے ہیں اور انہیں ہی قتل کرتے ہیں لیکن اس وقت وہ ہر اس ہندو کو مار ڈالتے جو ان کے سامنے آجاتا۔ تمام کھیتوں کو جلا دیتے آبادیوں کو پھونک دیتے جہاں سے جہاں تک بھی جاتے ویرانی اور بربادی پھیلاتے جاتے۔

بجھرا۔ اور وہ اس لئے اچھا ہوتا کہ بزدل ہندو بربادی اور قتل کے خوف سے جان توڑتے ہوئے مقابلہ کرتے۔

کاکا۔ ہندوؤں میں یہ حوصلہ ہی کب ہے یہ تو غل مچانا ہی جانتے ہیں۔ لڑنے سے تو ان کی روح گھبراتی ہے۔

اب کاکا نے بڈھے کی طرف مخاطب ہو کر کہا اچھا پھر تم کس لئے آئے ہو۔

بڈھا۔ آپ سے امداد چاہیئے۔

کاکا۔ کیسی امداد۔

بڈھا۔ ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں وہ کسی بات سے ناراض ہو کر شہر کو نہ لوٹ لیں۔

کاکا۔ تم ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو وہ کبھی نہ لوٹیں گے۔

اب بجھرا کا وزیر کھڑا ہوا اس نے کہا۔ مہاراج یہ تو سچ ہے کہ مسلمان شہر کو نہیں لوٹیں۔ مگر وہ وہاں سے بڑھ کر سیسم پر حملہ کر دیں گے پھمن نے اٹھ کر کہا اور جب وہ قلعہ کے سامنے آ جائیں گے۔ تب بجز قلعہ میں چھپ کر بیٹھنے کے اور کچھ نہ ہو سکے گا۔

کاکا۔ پھر کیا منشاء ہے تمہارا۔

پھمن۔ مسلمانوں پر لشکر کشی کی جائے۔

کاکا۔ کیا فائدہ ہوگا۔ پرانے جوتشیوں اور منجموں نے قدیم کتابوں میں یہ لکھ دیا ہے کہ اس ملک پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا۔

پھمن۔ لکھا ہے مگر یہ بھی مناسب نہیں ہے کہ ہم بغیر ہاتھ پیر ہلائے بغیر لڑے بھڑے بغیر دلوں کے حوصلے نکالے ملک ان کے حوالے کر دیں۔

کاکا۔ مگر جنگ کا نتیجہ کیا ہوگا۔ سوائے اس کے کہ جس طرح دیبل اور وہرج پر ہندو مارے گئے یہاں بھی مارے جائیں۔

پھمن۔ ویر (بہادر) مارے جانے کے لئے ہی ہوتے ہیں یہ پوتر بھومی

(مقدس زمین) مسلمانوں کے نجس قدموں سے ناپاک نہیں ہونی چاہیئے۔

بجھرا نے کہا مہاراج بالکل درست ہے اگر مسلمانوں کا مقابلہ نہ کیا گیا۔ تو وہ تمام ملک فتح کر لیں گے۔

کاکا۔ اگر مقابلہ کیا گیا تو بہت سے بھی قتل ہوں گے غلام بھی بنیں گے اور ملک بھی کھو دینگے

بجھرا۔ اگر دیبل اور بھرج پر ہمیں شکست ہوئی تو۔ ممکن ہے کہ ہم ان کو سیسم پر ہزیمت دے دیویں۔

کاکا۔ ناممکن ہے آج ان کا اقبال یاور ہے ان کا خدا ان کی مدد کرتا ہے۔

بھمن۔ تو پھر ان داتا کا کیا منشا ہے۔

کاکا۔ جو کوئی مسلمانوں سے صلح کرتا ہے وہ اس کا ملک اس کے پاس باقی رہنے دیتے ہیں نیرون کے راجہ سامنی نے صلح کر کے اپنا ملک بچا لیا میں بھی صلح کر کے اپنی رعایا اور اپنا ملک بچا لوں گا۔

بجھرا۔ مگر یہ تو بڑے ذلت کی بات ہو گی۔

کاکا۔ اور لڑ کر شکست کھاتے ہی سے کون سی عزت ملے گی۔

بھمن۔ اچھا حضور ایک کام کریں۔

کاکا۔ کیا؟

بھمن۔ حضور مجھے اجازت دیں تاکہ میں کچھ لشکر لے کر مسلمانوں پر شبخون ماروں۔

کاکا۔ کچھ نتیجہ نہ ہو گا۔

بھمن۔ اگر کوئی اچھا نتیجہ نہ نکلا تو پھر حضور صلح کر لیں۔

بجھرا۔ سپہ سالار کی رائے معقول ہے اسے آپ کو منظور کر لینا چاہیئے۔

کاکا۔ مجھے خدشہ ہے کہ مبادا محمد قاسم پھر صلح سے انکار نہ کر دے۔

بجھرا۔ نہیں وہ صلح کا حریص ہے پھر بھی صلح کر لے گا۔

بھمن۔ مہاراج اگر ہماری تدبیر کارگر ہو گئی اور ہم نے مسلمانوں کو ہزیمت دے دی۔ تو تمام دنیا میں ہماری دھوم مچ جائے گی۔ مرد ہماری تعریف کریں گے اور عورتیں مدتوں تک ہماری تعریف کے گیت گاتی رہیں گی۔

کاکا۔ میں دل سے اس بات کو نہیں چاہتا لیکن اگر تم مناسب سمجھتے ہو تو کرو۔ میں منع

بھی نہیں کرتا۔

تمام درباری اس بات کو سن کر خوش ہو گئے۔ بہمن نے اسی وقت چند ایک بہادر سرداروں کو منتخب کر کے ایک ہزار بہادر سواروں کا دستہ علیحدہ کر دیا۔ دربار برخاست ہو گیا اور سب اٹھکر چلے گئے۔ بہمن نے سرداروں اور سپاہیوں کو مسلح ہو کر دن چھپنے کے فوراً ہی بعد قلعہ کے باہر جمع ہونے کا حکم دیا تیاریاں شروع ہو گئی تھیں جب آفتاب غروب ہو گیا تب لوگ اکٹھے ہوئے بچھرا بھی آگیا اور اس نے کہا مسلمانوں نے میرے تاج و تخت ملک و مال وغیرہ تمام چھین لئے ہیں میں ان سے انتقام لینا چاہتا ہوں اس لئے تمہارے ساتھ چلوں گا۔ بچھرا کی شرکت سے ان کی ہمتیں بڑھ گئیں اور وہ نیلیاں کی طرف روانہ ہوئے رات اندھیری تھی چاند کی ابتدائی تاریخیں۔ ابتدائے شب میں چاند نکل کر چھپ گیا تھا۔ ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا ایسا اندھیرا کہ چند قدم کے فاصلے کی چیزیں نظر نہ آتی تھیں یہ لشکر تھوڑی ہی دور چلا تھا کہ ہوا تیزی سے چلنے لگی۔ گرمیوں کے دن تھے۔ ہوا قدرے گرم تھی۔ تھوڑی ہی دیر میں بادل اٹھکر آسمان پر محیط ہو گئے بجلی چمکی اور بادل گرجنے لگا اب اور بھی اندھیرا پھیل گیا کہ آنکھوں کو ہاتھ دکھائی نہ دیتا تھا۔ مگر دلیر سوار اب بھی چل رہے اگرچہ انہیں راستہ نظر نہ آرہا تھا۔ مگر بغیر راستہ دیکھے ہی بڑھ رہے تھے خدا جانے کب تک چلتے رہے جب بادل چھٹا اور اجالا ہوا تو انہوں نے سامنے ایک قلعہ دیکھا جب غور سے نظر کی تو معلوم ہوا کہ سیسم کا قلعہ ہے گویا[1] تمام شب چلتے رہنے پر بھی صبح کو اسی قلعہ کے سامنے کھڑے تھے جس قلعہ سے رات کو نکل کر گئے تھے۔ سب کو حد درجہ افسوس ہوا کہ رات کی تمام محنت بیکار گئی مجبور ہو کر وہ قلعہ میں داخل ہونے کیلئے بڑھے ابھی وہ دروازہ کے قریب بھی نہ پہنچے تھے کہ ایک آواز آئی ہندو ویرو (بہادرو) ٹھہرو سب ٹھہر گئے اور نگاہ اٹھا کر دیکھنے لگے سامنے سے ہو گنی آرہی تھی اس کے غبار آلود پریشان بال اس کے چہرہ اور کندھوں پر پڑے تھے وہ ہرنی کی کھال اپنے جسم سے لپیٹے بڑھی چلی آرہی تھی۔ چنانچہ تمام اہل سندھ اسے بخوبی جانتے تھے اس لئے یہ لوگ بھی واقف تھے انہوں نے اُسے پہچان لیا۔ وہ تمام کھڑے ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔

---

[1] بہمن ایک ہزار جاٹوں کو لے کر بچھرا کی معیت میں چلا تمام شب چلتا رہا۔ جنگلوں میں سر مارتا پھرا جب صبح ہوئی تو دیکھا کہ سیسم کے سامنے کھڑا ہے گویا قدرت نے اس کے شبخون مارنے کی سعی بیکار کر دی۔
(از تاریخ ہند صفحہ ۱۳۰)

انتالیسواں باب ۳۹

نیک دل کاکا

جوگنی کے ہاتھ میں ایک نیزہ تھا اور اس کے سہارے سے چل رہی تھی جب وہ ان کے قریب پہنچی تو سارے ہندو اس کے سلام کے لئے جھک گئے جوگنی کو کوئی بھی اس لئے سلام نہ کرتا تھا کہ وہ اسے قابل تعظیم سمجھتا تھا بلکہ اس سے ڈرنے کی وجہ سے سلام کرتے تھے ڈر کی وجہ یہ تھی کہ ہندو اوہام پرست تھے وہ جوگنی کو مافوق الفطرت ہستی سمجھتے تھے یا ایسی جادوگرنی سمجھتے تھے جس کے قبضہ میں بھوت اور پریت ہوں اور وہ ان سے جسے چاہے نقصان پہنچوا دے۔ حالانکہ اگر وہ ذرا غور کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ انسان پھر انسان ہی ہے انسانوں سے بالاتر نہیں ہو سکتا بھوت پریت کوئی چیز نہیں ہیں نہ وہ نفع و نقصان پہنچانے پر قدرت رکھتے ہیں عام ہندوؤں کا یہ خیال تھا اور ہے کہ بعض خبیث روحیں بھوت بن جاتی ہیں اور وہ انسانوں کو ستانے لگ جاتی ہیں ہندو تناسخ یعنی آواگون کے قائل ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ انسان مرنے کے بعد کسی نہ کسی جون میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اگر انسان نے اچھے کرم (عمل) کئے ہیں تو اچھی جون میں جائے گا اور برے کئے ہیں تو بری جون میں جنم لیتا ہے مثلاً انسان ہی مر کر گھوڑا۔ گدھا۔ بیل کتا۔ سوئر۔ بلی۔ بندر۔ ریچھ۔ ہاتھی۔ گائے۔ کیڑے مکوڑے جانور اور سب کچھ بن جاتا ہے اور یہ چیزیں مر کر انسان بن جاتی ہیں گویا جو انسان مرجاتا ہے وہ اپنے کرموں کے (اعمال کے) انوسار (مطابق) اچھی یا بری جون میں جاتا ہے ان کا یہ اعتقاد اس وجہ سے ہوا ہے کہ دنیا میں امیر غریب۔ وزیر بادشاہ۔ تندرست بیمار لنگڑے لولے اور اندھے اچھے سب ہی قسم کے لوگ اسی لئے ہوتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پچھلے جنم میں کچھ بداعمالیاں کی ہوتی ہیں اور ان کی سزائیں انہیں ملتی ہیں مگر انہوں نے کبھی اس بات غور نہیں کیا کہ یہ دنیا جس وقت پیدا ہوئی تھی اس وقت گھوڑے گدھے۔ بیل اور خچر غرضیکہ تمام جانور چرند۔ پرند۔ درندے۔ گزندے حشرات الارض۔ معذور انسان اور اچھے انسان۔ امیر غریب اور سب ہی قسم کے تھے نہ انسان

گدھا بن سکتا ہے اور نہ گدھا انسان بن سکتا ہے یہ قدرت کا کارخانہ ہے اسی طرح رہتا چلا آیا ہے اور اسی طرح رہے گا یہاں تک کہ ایک دن اسی حالت میں رہتے ہوئے فناہ ہو جائے گا۔ خدا نے جسے چاہا بنا دیا اگر سب اچھے ہوں اور برے اور معذور نہ ہوں یا بیمار نہ پڑیں یا نہ مریں تو خدا کو کون اور کیوں یاد کرے یا اگر سب امیر ہوں اور غریب نہ ہوں تو دنیا کے کام کیسے چلیں ضرورت ہے سوچنے اور سمجھنے کی جو غور کرتے ہیں سمجھ جاتے ہیں ہندوؤں کا یہ عقیدہ کہ انسان کو برے اعمال کی سزا ضرور ملے گی ایشور معاف نہیں کر سکتا اگر وہ معاف کر دے تو ظالم ہے (نَعُوذُ بِاللّٰہِ) اس بات کو ثابت کرتا ہے کہ ان کے ایشور کو کوئی طاقت ہی نہیں ہے نہ وہ معاف کر سکتا ہے نہ روحوں کو کسی جون میں جانے سے روک سکتا ہے کس قدر لچر خیال ہے پھر ہندو یہ بھی کہتے ہیں کہ جب سے ان کا ایشور ہے اسی وقت سے روح اور مادہ ہیں گویا خدا نے روح اور مادہ کو پیدا ہی نہیں کیا۔ کیونکہ اگر ایشور جسے وہ خدا سے تعبیر کرتے ہیں روح اور مادے کو پیدا کرتا تو وہ سب سے اول ہوتا اور روح اور مادہ اس کے پیدا کئے ہوتے مگر وہ ایسا نہیں مانتے ہیں جب سے خدا تب سے روح اور مادہ جب خدا نے روح اور مادہ کو پیدا نہیں کیا تو ضرور کسی اور ہستی نے پیدا کیا۔ بغیر پیدا کئے ہوئے ان دونوں کا وجود نہیں ہو سکتا تو جس نے پیدا کیا اصل خدا وہی ہے نہ کہ ہندوؤں کا ایشور وہ خدا ہے جس نے روح اور مادے کو پیدا ہی نہیں کیا مسلمان خدا اسی کو مانتے ہیں جس نے روح اور مادہ بلکہ کائنات کی ہر چیز پیدا کی اب خیال کرو کہ ہندوؤں کا ایشور وہ خدا ہے جس نے کچھ بھی پیدا نہیں کیا کیونکہ ہر ایک چیز روح اور مادے سے بنی ہے اور روح اور مادہ بھی ایشور نے پیدا نہیں کئے۔ اس لئے کہ جب سے ایشور تب سے روح اور مادہ یا مسلمانوں کا خدا وہ خدا ہے جس نے ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے جو کہ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا جو ہر چیز پر قادر ہے جو بداعمالیوں کی سزا دے کر دوزخ میں ڈالے گا اور نیکوں کو جنت میں داخل کرے گا۔ جسے گناہوں کو معاف کرنے کی قدرت بھی ہے ہم اس موضوع پر ذرا وضاحت سے لکھنا چاہتے تھے لیکن ناول کے ضخیم ہو جانے کے خوف سے تھوڑے ہی پر اکتفا کرتے ہیں جب ہندو جوگنی کو سلام کر کے سیدھے کھڑے ہو گئے تب جوگنی نے کہا۔ تم مسلمانوں پر شبخون مارنے گئے تھے۔

بھمن نے کہا جی ہاں!

جوگنی۔ کیا تمہارا خیال ہے کہ تم مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دو گے؟

بہمن۔ ہاں یہی خیال تھا!

جوگنی۔ اپنے ملک وقوم اور اپنے مذہب کے ساتھ دشمنی نہ کرو۔ مجھے میرے جادو نے یہ بتایا ہے کہ مسلمان فتح یاب ہو کر رہیں گے اگر تم بھلائی چاہتے ہو توان سے صلح کرلو۔

بہمن۔ لیکن ماتاجی ہماری غیرت یہ گوارہ نہیں کرتی۔

جوگنی ناراض ہوتے ہوئے کہا۔ جب تو تم لڑو گے تو ملک وقوم کا ناش کرادو گے۔

یہ کہتے ہی جوگنی پر غضب نگاہوں سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے چلی گئی۔ چونکہ اس سے سب ڈرتے تھے اس لئے کسی کو اسے روکنے یا اس سے باتیں کرنے کی جرأت نہ ہوئی جب وہ دور نکل گئے تب یہ لوگ چلے قلعہ میں داخل ہوئے لشکر بارکوں کی طرف چلا اور بہمن اور بہرا دونوں کا کا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کاکا صبح ہی سے ان کا انتظار کر رہا تھا۔ جب یہ لوگ سلام کر کے بیٹھ گئے۔ تب اس نے دریافت کیا۔ کہئے آپ کی مہم کامیاب ہوئی۔ بہمن نے جواب دیا۔ اندا تا نہیں۔

کاکا۔ کیوں!

بہمن۔ اس لئے کہ ہم مسلمانوں تک پہنچ ہی نہ سکے۔

کاکا نے حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کیا وجہ حائل ہوگئی۔

بہمن۔ ایک تو رات اندھیری تھی دوسرے گھٹا چھا گئی تھی اس قدر اندھیرا چھا گیا کہ راستہ ہی نظر نہ آیا۔ رات بھر بھٹکتے اور ٹکراتے پھرے۔ صبح کو جب دیکھا تو سیسم کے قلعہ کے سامنے کھڑے تھے۔

کاکا۔ کیا اس سے بھی تم نہ سمجھے کہ مسلمانوں کا نصیبہ یاور ہے۔

بہمن۔ ہماری ناکامی سے تو ایسا ہی معلوم ہوتا ہے۔

بہرا نے کہا۔ یہ بات نہیں ہے یہ ایک اتفاق تھا کہ رات گھٹا چھا جانے کی وجہ سے اندھیرا اس قدر پھیل گیا تھا کہ راستہ نظر نہ آیا اور ہم اسی قلعہ کے گرد چکر کاٹتے پھرے اگر آج کوشش کریں تو ضرور کامیاب ہو سکتے ہیں۔

کاکا۔ ناممکن ہے آپ کے ہمراہ ایک ہزار سوار تھے ایک ہزار سواروں کی دو ہزار آنکھیں ہوتی ہیں کیا اتنی آنکھوں کو بھی راستہ نظر نہ آیا؟

بہمن۔ مہاراج جوگنی بھی ملی تھی۔

کاکا نے چونک کر دریافت کیا۔ کب اور کہاں۔

پہمن۔ ابھی صبح ہوتے ہی قلعہ کے دروازہ پر
کاکا۔ کیا کہتی تھی وہ۔
پہمن۔ اس نے بھی یہی کہا تھا کہ اگر تم ملک و قوم کی بھلائی چاہتے ہو تو مسلمانوں سے صلح کر لو۔
کاکا۔ نیک مشورہ یہی ہے۔
بجھرا۔ مگر نہیں یہ بڑی بزدلی ہے۔
کاکا۔ کچھ ہو میں صلح ہی میں عافیت سمجھتا ہوں۔
بجھرا۔ مگر ایک مرتبہ تو قسمت آزمائی کا اور موقعہ دیجئے۔
کاکا۔ اب موقعہ ہی کہاں رہا ہے آج دن چھپنے سے پہلے ہی اسلامی لشکر قلعہ کے سامنے آجائے گا۔
بجھرا۔ آجانے دیجئے جب وہ رات کو آرام و اطمینان سے سو جائیں ہم اس وقت شبخون ماریں۔
کاکا۔ لاحاصل ہے ان کا خدا ان کی حفاظت کر رہا ہے
بجھرا۔ اور ہمارے دیوی دیوتا
کاکا۔ ہم سے ناخوش ہو گئے ہیں
بجھرا۔ لیکن اگر آپ نے صلح کر لی تو مہاراجہ داہر کیا کریں گے
کاکا۔ وہ کچھ بھی کریں میں ان کی وجہ سے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی رعایا کو تباہ نہیں کرا سکتا
بجھرا۔ لیکن جو لوگ آپ کے ملک پر حملہ کر رہے ہیں وہ کیوں آپ سے صلح کریں گے۔
کاکا۔ میں کہہ چکا ہوں کہ محمد قاسم فضول خونریزی کو پسند نہیں کرتا وہ صلح کے خواہش مندوں سے فوراً صلح کر لیتا ہے۔
بجھرا۔ محمد قاسم ایک سترہ سالہ بچہ ہے کیا یہ بات شرم کے قابل نہ ہو گی۔ آپ ایک کمسن بچہ سے ڈر کر اس سے صلح کر رہے ہیں۔
کاکا۔ آج اس بچہ کا اقبال یاور ہے اس نے دیبل کو فتح کر لیا ہے آپ کا ملک فتح کر کے آپ کو بے دخل کر دیا ہے ایسے شیر دل فاتح سے صلح کرنے میں کیا شرم ہو سکتی ہے۔
دراصل بجھرا نہ چاہتا تھا کہ کاکا محمد قاسم سے صلح کرلے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کی حکومت چھن گئی تھی وہ چاہتا تھا کہ یا تو کاکا کی حکومت بھی چھن جائے یا وہ مسلمانوں کو شکست دے دے

اور اس طرح اس کی سلطنت پھر اسے مل جائے اس لئے وہ اسے اشتعال دلا دلا کر لڑائی پر برانگیختہ کر رہا تھا مگر کاکا کے دل میں صلح کی خواہش تھی اور اس لئے وہ صلح پر آمادہ تھا۔ جب بچھرا کی تمام کوششیں بیسود اور اکارت گئیں تو کچھ ناخوش ہو کر اٹھا اور چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی کاکا نے اپنے تمام معتمدوں کو طلب کر کے ان سے کہدیا کہ وہ مسلمانوں سے صلح کر لینا ہی مناسب سمجھتا ہے۔

کاکا کو سب صائب الرائے اور پختہ کار سمجھتے تھے کسی نے بھی اس کی رائے کی مخالفت نہ کی۔ چنانچہ کاکا ان سب کو اپنے ہمراہ لے کر محل سے باہر نکلا اور گھوڑے پر سوار ہو کر چلا۔ قلعہ سے باہر آتے ہی یہ لوگ نیلیان کی طرف چل پڑے چلتے رہے۔ چند ہی میل چل کر انہیں سامنے سے غبار اڑتا ہوا نظر آیا جو کہ ان کی طرف بڑھتا چلا آ رہا تھا۔ انہوں نے سمجھ لیا کہ اسلامی لشکر آ رہا ہے ان کے ساتھ صرف اڑھائی سو سواروں کا دستہ تھا۔ کاکا کے ہمراہیوں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا مسلمان ان پر حملہ نہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنا یہ اندیشہ کاکا پر ظاہر کیا۔ کاکا نے کہا۔ اطمینان رکھو مسلمان ایسے نہیں ہیں وہ کسی ملک یا کسی شہر پر بلا وجہ حملہ نہیں کرتے بہمن نے کہا لیکن ہمارے قلعہ پر تو بلاوجہ ہی حملہ کر رہے ہیں۔

کاکا۔ بلاوجہ نہیں بچھرا ان کے مقابلہ سے شکست کھا کر ہمارے قلعہ میں پناہ گزیں ہوا ہے اس وجہ سے وہ ہم پر حملہ کر رہے ہیں۔

بہمن۔ اگر ہم بچھرا کو پناہ نہ دیتے؟

کاکا۔ تو وہ الور کو چھوڑ کر ہم پر حملہ آور نہ ہوتے۔

بہمن۔ اگر ہم بچھرا کو ان کے سپرد کر دیں

کاکا۔ تو میرا خیال ہے کہ فوراً وہ واپس لوٹ جائیں گے۔

یہ لوگ بڑھے چلے جا رہے تھے اب گرد و غبار کا دامن چاک ہو گیا تھا شیران اسلام اپنی مخصوص پوشاک میں نظر آنے لگے تھے انہوں نے بھی کاکا اور اس کے ہمراہیوں کو دیکھ لیا تھا مگر انہیں دیکھ کر بھی ان کی رفتار میں کمی نہ آئی تھی کاکا نے کہا تم نے دیکھا کہ مسلمان کیسی بے خوفی سے دشمن کے ملک میں گھسے چلے آ رہے ہیں۔

بہمن نے کہا حقیقت میں ان کی جرأت قابل رشک ہے چونکہ دونوں فریق بڑھ رہے تھے۔ اس لئے ان کا ہر قدم انہیں ایک دوسرے کے قریب کرتا جا رہا تھا اور کاکا کے ہمراہی خوف بھری نظروں سے مسلمانوں کو دیکھ رہے تھے۔

چالیسواں باب

حیرت

جب کاکا اور اس کے ہمراہی بہادر عرب مجاہدوں کے پاس پہنچے تو دونوں لشکر رک گئے۔ اسلامی لشکر میں سے ایک شخص بڑھ کر کاکا کے پاس آیا یہ نبانہ تھا حنظلہ کا بیٹا اس نے آکر کاکا سے دریافت کیا غالباً آپ راجہ ہیں؟ کاکا نے پوچھا تم نے کس طرح پہچانا؟ اس وقت کاکا تاج نہ اوڑھے تھا نبانہ نے کہا آبدار موتیوں کے ہاروں سے جو آپ پہنے ہوئے ہیں۔

کاکا۔ تمہارا خیال صحیح ہے میں سیسم کا تاجدار ہوں میرا نام کاکا ہے۔

نبانہ۔ بہت خوب کیا آپ بارادۂ جنگ آئے ہیں

کاکا۔ نہیں! اگر میں جنگ کے ارادہ سے آتا تو کیا اتنا ہی ذرا سا لشکر ہمراہ لاتا۔

نبانہ۔ تو آپ صلح کرنے کے خیال سے آئے ہیں؟

کاکا۔ ہاں

نبانہ۔ کیا بجھرا کو آپ نے اپنی راجدھانی سے نکال دیا ہے۔

کاکا۔ نہیں میں آپ اسے نکالا دوں گا تمہارا نام کیا ہے۔

نبانہ۔ میرا نام نبانہ ہے۔

کاکا۔ کیا تمہیں صلح کرنے کا اختیار ہے؟

نبانہ۔ نہیں بغیر ہمارے سپہ سالار محمد قاسم کے حکم کے نہ صلح ہو سکتی ہے نہ لڑائی۔

کاکا۔ اور محمد قاسم کمسن بچہ ہے۔

نبانہ۔ جی ہاں وہ سترہ سال کے نوعمر سپہ سالار ہیں۔

کاکا۔ تعجب ہے کہ تم لوگ ایک بچہ کی اطاعت کر رہے ہو۔

نبانہ۔ ہماری قوم کا یہ دستور ہے کہ ہمارے خلیفہ کا قائم مقام جس شخص کو سپہ سالار مقرر کر دیتا ہے۔

تمام لشکر اس کی اطاعت کرتا ہے۔

کاکا۔ چاہے وہ ادنٰے درجے کا ہی کیوں نہ ہو۔

نبانہ۔ ہمارے یہاں قوم میں درجہ وغیرہ مقرر نہیں ہے جو شخص بھی مسلمان ہو جاتا ہے وہ ہمارا بھائی بن جاتا ہے اور بھائیوں میں ادنٰے واعلےٰ کیا۔

کاکا۔ اچھا تمہارا سپہ سالار کہاں ہے۔

نبانہ۔ غالباً وہ بھی چل پڑے ہوں گے اور اب آنے والے ہی ہوں گے

کاکا۔ کیا تم مجھے ان کے پاس لے چلو گے۔

نبانہ۔ بڑی خوشی سے

نبانہ نے اپنے لشکر کو وہیں ٹھہرنے کا حکم دے دیا اور خود چار اور مسلمانوں کو لے کر کاکا اور اس کے ہمراہیوں کے ساتھ چل پڑا۔ جب یہ لوگ ذرا دور نکل گئے تب کاکا نے نبانہ سے کہا تم پانچ آدمی ہمارے ہمراہ آگئے اگر ہم تم پر حملہ کر دیں؟

نبانہ نے ہنس کر کہا آپ حملہ کریں گے تو ہم لڑنا شروع کر دیں گے۔

کاکا۔ مگر تم تو صرف پانچ آدمی ہو اور ہم سینکڑوں ہیں۔

نبانہ۔ پھر کیا ہم مسلمانوں کی آرزو شہادت ہوتی ہے زیادہ سے زیادہ آپ ہمیں شہید کر ڈالیں گے مگر وہ بھی اس وقت جب کہ ہم آپ کے بہت سے سپاہیوں کو قتل کر ڈالینگے پھر اگر ہم شہید ہو گئے تو نقصان کیا ہے۔

کاکا۔ چونکہ تم شہادت کے طلب گار ہو اس لئے مرنے سے نہیں ڈرتے

نبانہ۔ یہی بات ہے لڑائی ہمارا کھیل اور مرنا ہمارا جینا ہے

کاکا۔ عجیب قوم ہے۔

یہ لوگ کچھ اور دور چلے تھے کہ پھر غبار اڑتا ہوا نظر آیا۔ کاکا نے دریافت کیا غالباً یہ تمہارے سپہ سالار ہیں؟ نبانہ نے جواب دیا۔ جی نہیں یہ بھی ایک افسر ہیں محمد قاسم کی طرح نو عمر ہیں ان کا نام اسلم ہے یہ لوگ چل کر آنے والے لشکر کے قریب پہنچ کر رکے۔ یہ اسلم کے تحت والا لشکر آرہا تھا انہیں دیکھتے ہی اسلم آگے بڑھ آیا۔ نبانہ نے اسے تمام حال سنا دیا۔ اس نے کہا تمہارے واپس جانے سے کیا فائدہ یہیں ٹھہرو اور سپہ سالار کے آنے کا انتظار کرو۔

بات معقول تھی۔ کاکا کو تسلیم کرنا پڑا کہ یہ کمسن لڑکے بہادر بھی ہیں اور عقل مند بھی وہ سب

وہیں رُک گئے اور سپہ سالار کے آنے کا انتظار کرنے لگے تھوڑی دیر کے بعد غبار اڑتا نظر آیا اور جب غبار کا دامن چاک ہوا تو عجل کا لشکر آ کر رکا۔ غرضیکہ اس طرح ایک کے بعد ایک سردار آ آ کر رکتا رہا۔ سب کے بعد محمد قاسم کا لشکر آیا۔ اس کے لشکر کو دیکھتے ہی تمام مسلمانوں نے اللہ اکبر کا پرزور نعرہ لگایا۔ اب اسلم اور نبانہ نے کاکا سے کہا۔ سپہ سالار تشریف لے آئے۔ اب چلئے کاکا کو مسلمانوں کی ہر بات سے حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ اسلامی لشکر کا نظام نہایت اچھا ہے گفتگو نہایت نرم اور شیریں ہے اخلاق بہت ہی اچھا ہے وہ مع اپنے ساتھیوں کے ان دونوں کے ساتھ چلا جب محمد قاسم کے لشکر کے قریب پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کمسن لڑکا عربی لباس پہنے اسلامی جھنڈا ہاتھ میں لئے نہایت شان سے گھوڑے پر سوار کھڑے ہے۔

کاکا اور اس کے ساتھیوں نے سمجھ لیا کہ فاتح اعظم محمد قاسم ہے جس نے کہ سندھ میں داخل ہو کر کئی قلعے فتح کر لئے ہیں اور جس کی بہادری کی ہر طرف دھاک بیٹھ گئی ہے اسے محمد قاسم پر رشک آیا۔ چھوٹی سی عمر میں وہ اپنے ملک سے دور غیروں کے ملک میں لڑنے کے لئے آیا تھا۔ محمد قاسم خوب صورت اور مضبوط القویٰ لڑکا تھا۔ اس کے بشرہ سے شاندار رعب ظاہر ہوتا تھا۔

اسلم اور نبانہ دونوں نے اس کے قریب جا کر سلام کیا اس نے سلام کا جواب دے کر مسکراتے ہوئے کہا۔ کس بات نے تم کو رک جانے پر مجبور کیا ہے؟ اسلم نے کاکا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا آپ سیسم کے راجہ ہیں اور مصالحت کے ارادہ سے آئے ہیں۔ فوراً محمد قاسم کاکا کی طرف بڑھے۔ کاکا ان کی طرف بڑھا ہوا آ رہا ہو اس کا دل کچھ مسرت۔ کچھ حیرت اور کچھ رعب سے دھڑکنے لگا۔

جونہی محمد قاسم اس کے قریب آیا بے اختیار کاکا نے اسے سلام کیا۔ محمد قاسم نے سلام کا جواب دے کر کہا۔ خوش آمدید سیسم کے راجہ کاکا۔ اب تک اس کے چہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے کہا میں آپ سے مل کر بہت خوش ہوا۔

محمد قاسم۔ مجھے آپ سے مل کر بڑی مسرت ہوئی ہے معاف کیجئے میں سفر کر رہا ہوں اور اس لئے آپ کی مدارات آپ کی شان کے مطابق نہیں کر سکتا اچھا تھوڑی دیر ہم کو قیام کرنا چاہئے۔

یہ کہتے ہی وہ گھوڑے سے نیچے اتر پڑا اس کے اترتے ہی تمام سردار سارے سوار گھوڑوں سے نیچے کھڑے ہو گئے۔ اسلم نے جلدی سے دو تین زین پوش بچھا دیئے۔ اس عرصہ میں کاکا اس کے ساتھ والے گھوڑوں سے نیچے اتر آئے۔

محمد قاسم نے کہا اگرچہ یہ زین پوش آپ کے بیٹھنے کے قابل نہیں ہیں آپ زرنگار ریشمیں مسندوں پر بیٹھنے والے ہیں مگر ہم مسلمانوں کے پاس بجز ان زین پوشوں اور کمبلوں کے اور کوئی چیز بیٹھنے کے لئے نہیں ہوتی اس لئے نہیں ہوتی اس لئے اگر آپ مناسب سمجھیں تو تشریف رکھیں کاکا برابر اس کے چہرہ کی طرف ٹکٹکی لگا کر دیکھ رہا تھا۔ جب محمد قاسم باتیں کرتا تھا تو اس کے منہ سے پھول جھڑتے نظر آتے تھے اس نے کہا اے فاتح سندھ آپ جس جگہ بیٹھ جائیں میرے لئے وہی عزت ہے یہ کہہ کر وہ ایک زین پر بیٹھ گیا اس کے قریب ہی محمد قاسم بھی بیٹھ گیا۔ محمد قاسم نے کہا آپ بجھرا کو پناہ دے رہے ہیں۔ یہ اچھا نہیں میرا ارادہ اور پر لشکر کشی کرنے کا تھا۔ لیکن اس خیال سے کہ بجھرا آپ کو ورغلا کر پھر بہرج پر نہ چڑھا لائے اس لئے مجھے پہلے اسی طرف آنا پڑا۔

کاکا۔ میں محجوب ہوں کہ میں نے آپ کے دشمن کو پناہ دی لیکن جب کوئی شخص میرے پاس پناہ مانگنے آئے تو بتایئے میرا کیا فرض ہے؟

محمد قاسم۔ یہی کہ آپ اسے پناہ دیں۔

کاکا۔ اور اسی لئے مجھے پناہ دینا پڑی۔

محمد قاسم۔ اچھا اب آپ کس ارادہ سے آئے ہیں؟

کاکا۔ صلح کرنے کے ارادہ سے

محمد قاسم۔ نہایت ہی مبارک ارادہ ہے میں بھی خونریزی کو پسند نہیں کرتا۔ میں نے اسی لئے داہر کو سمجھانے کے لئے سفیر بھیجے۔ مگر وہ صلح پر آمادہ نہ ہوا اگر وہ ان تمام مسلمانوں کو رہا کر دیتا۔ جنھیں اس نے اسیر کر لیا تھا تو جنگ نہ ہوتی۔

کاکا۔ مگر وہ ایسا کرتے ہی کیوں جب کسی ملک یا کسی قوم کے برے دن آتے ہیں تو عقل ماری جاتی ہے ہماری پرانی کتابوں میں لکھا ہے کہ سندھ کو مسلمان فتح کر لینگے ہم سب اس بات کو بخوبی جانتے ہیں مگر ہماری عقلوں پر پردے پڑ گئے ہیں باوجود سب کچھ سمجھنے کے پھر صلح کی طرف نہیں جھکتے اور لڑ کر ملک کو ویران اور قوم کو قتل کرا رہے ہیں۔

محمد قاسم۔ کاش آپکے سے ہی خیالات داہر کے ہوتے۔

کاکا۔ پھر مسلمانوں کا سندھ پر قبضہ کیسے ہوتا۔

محمد قاسم۔ ٹھیک کہتے ہو۔ اچھا کن شرائط پر آپ صلح کرنا چاہتے ہیں۔

کاکا۔ جن شرائط پر آپ پسند فرمادیں۔

محمد قاسم۔ میں سوائے اس شرط کے کہ آپ بجھرا کو اپنے ملک سے نکال دیں اور کوئی شرط اپنی طرف سے پیش کرنا نہیں چاہتا۔

کاکا۔ لیکن اگر اب بجھرا بھی آپ سے صلح کر لے۔

محمد قاسم۔ تب کوئی شرط باقی نہ رہے گی۔

کاکا۔ گویا آپ اس سے بھی صلح کرلیں گے۔

محمد قاسم۔ ہاں کرلوں گا۔ اگرچہ میں خوب جانتا ہوں کہ وہ داہر کا بھتیجہ ہے جو خو بو داہر کی ہے وہی اس کی ہے لیکن اس پر بھی میں اس سے مصالحت کرلوں گا۔

کاکا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ بہت زیادہ نیک طینت اور رحم دل ہیں۔

محمد قاسم۔ اگرچہ دربار خلافت سے ہدایات آرہی ہیں کہ میں صلح کی طرف نہ جھکوں میں ہوں کہ صلح کو لڑائی سے اچھا اور مناسب سمجھتا ہوں۔

کاکا۔ تعجب ہے کہ آپ اس تھوڑی سی عمر میں نہایت بہادر بے خوف مدبر خلیق اور صلح جو واقع ہوئے ہیں۔

محمد قاسم۔ یہ خدا کی عنایت ہے ورنہ میں ایک ادنئے اور کمزور بندہ ہوں۔

کاکا۔ اچھا تو مجھے کس قدر تاوان جنگ ادا کرنے پڑے گا۔

محمد قاسم۔ کسی قدر بھی نہیں جب میں آپ سے بلا کسی شرط کے صلح کر رہا ہوں تو پھر تاوان جنگ کیسا؟

کاکا اور اس کے ساتھ والے یہ بات سنکر کمال مسرور ہوئے کاکا نے اٹھتے ہوئے کہا اچھا تو چلیئے میں آپ کا سیسم پر قبضہ کرادوں اور پھر اس وقت تک آپ کے ساتھ رہوں کہ جب تک آپ الور نہ فتح کرلیں۔ محمد قاسم نے اٹھتے ہوئے کہا خدا آپ کو جزائے خیر دے چلیئے۔ یہ سب گھوڑوں پر سوار ہوئے اور تمام لشکر کے ساتھ سیسم کی طرف چل پڑے۔

چونکہ سیسم کچھ زیادہ فاصلے پر نہ تھا اس لئے دوپہر کے وقت قلعہ کے سامنے پہنچ گئے کاکا محمد قاسم اور تمام اسلامی سرداروں کو ہمراہ لے کر قلعہ کی طرف بڑھا۔ اس نے دیکھا کہ قلعہ کا دروازہ بند کر لیا گیا ہے اور سپاہی فصیل پر تیر کمانیں لئے تیروں کی بارش کرنے پر بالکل آمادہ ہیں کاکا یہ کیفیت دیکھ کر حیران رہ گیا اسے خیال ہوا کہ شاید لوگوں نے یہ سمجھ کر مسلمانوں

صلح سے انکار کر دیا ہو دروازہ بند کر لیا ہو اور سپاہی خود بخود بجھرا کے کہنے سے فصیل پر جا چڑھے ہیں وہ اپنے چند آدمیوں کے ہمراہ فصیل کے نیچے جا کھڑا ہوا۔ اس نے بہمن سے کہا تم انہیں اطلاع دو کہ مسلمانوں سے صلح ہو گئی ہے اور یہ قلعہ کا دروازہ کھول دیں۔ چنانچہ بہمن نے یہ بلند آواز سے کہہ دیا۔ ایک سپاہی نے کہا اگر کاکا نے صلح کر لی ہے تو اس کے اپنے واسطے ہو گی ہم قلعہ کا دروازہ نہ کھولیں گے اور اس وقت تک مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے جب تک کہ انہیں شکست دے کر بھگا نہ دیں گے۔

کاکا اور اس کے ساتھیوں کو بڑا تعجب ہوا بہمن نے پھر کہا تمہاری جنگ سے کچھ فائدہ نہ ہو گا۔ تمہارے پاس نہ افسر ہیں نہ مہاراجہ ہیں۔ اسی سپاہی نے کہا ہم نے بجھرا کو مہاراجہ تسلیم کر لیا ہے اور افسر بھی مقرر کر لئے ہیں اب کاکا کی سمجھ میں آیا کہ عیار بجھرا نے سیسم پر خود قبضہ کر لیا ہے اسے اس بات پر غصہ آیا اور غضب آلود نگاہوں سے سپاہیوں کو دیکھتا رہ گیا۔

اکتالیسواں باب ۴۱

احسان فراموش

بجھرا اچھی طینت کا آدمی نہ تھا وہ نہایت عیار اور بیحد چالاک تھا اس کی حکومت چھن گئی تھی۔ بے خانماں ہو گیا تھا۔ جس وقت وہ بہرج سے بھاگا تھا اس وقت اس کا ارادہ بدیہہ کے راجہ کاکا کے دامن میں پناہ لینے ہی کا تھا اور کچھ قصد نہ تھا۔ چنانچہ وہ سیدھا سیسم میں پہنچا۔ کاکا نے اسے پناہ دی اس کی مدارات کی اور اسے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ جب بجھرا وہاں چند روز ٹھہرا تو اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ یا تو کسی طرح کاکا کو مار کر اس کی حکومت چھین لے یا اسے مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ کر کے جنگ کرائے کیونکہ جنگ کی صورت میں بھی اس کا مقصد حاصل ہوتا تھا کیونکہ اگر کاکا فتح یاب ہوتا اور مسلمانوں کو شکست ہو جاتی تب تو اسے اس کی سلطنت مل جاتی اور اگر کاکا کو ہزیمت ہوتی تو وہ بھاگ کر سیسم کے قلعہ میں آ جاتا اور سلطنت کو حاصل کرنے کی سعی کرتا۔ غرضیکہ اس کی عیارانہ خصلت نے اسے کاکا کے ساتھ دشمنی پر آمادہ کر دیا۔ حالانکہ اگر وہ انسان ہوتا تو سوچتا سمجھتا خیال کرتا کہ جس آدمی نے اسے اس وقت پناہ دی جب کہ زمین و آسمان اس کے دشمن ہو رہے تھے۔ تو کبھی اس کے ساتھ احسان فراموشی نہ کرتا۔ لیکن وہ خود غرض اور مکار آدمی تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جو کسی احسان کو بھی نہیں مانتے اور اپنے محسنوں کے ساتھ ہر ممکن برائی کرانے پر تیار ہو جاتے ہیں اول اول تو اس نے بھی کوشش کی کہ کاکا مسلمانوں سے لڑے لیکن جب اس میں ناکامی ہوئی اور کاکا مسلمانوں سے صلح کرنے کے لئے چلا گیا۔ تو اسے موقعہ ہاتھ آ گیا۔ کاکا کے جاتے ہی اس نے سیسم کے ان معزز لوگوں کو جمع کیا جو وہاں باقی رہ گئے تھے۔ یہ سب دربار عام میں بلائے گئے۔ ان کا وزیر اس سے زیادہ مکار اور بدظن تھا۔ اسی کے مشورہ سے سب کچھ ہو رہا تھا۔ چنانچہ جب سب لوگ جمع ہوئے تب وزیر نے بجھرا کو اطلاع دی۔ اس نے وہی پوشاک جو وہ پہن کر بہرج سے بھاگا تھا پہنی اور

دربار میں چلنے کے لئے تیار ہوا۔ اتفاق سے اس کی رانی آگئی۔ یہ رانی بھی لاڈی کی طرح کم عمر اور حسین تھی۔ صرف شلوکہ اور ساڑھی کسے ہوئے تھی البتہ جواہرات اور آبدار موتیوں کے زیورات کثرت سے پہن رکھے تھے ان زیورات کی چمک دمک نے اس کی صورت کو جگمگا دیا تھا۔ اس نے آتے ہی ہوشربا نگاہیں اٹھا کر ناز بھری چتون سے بچھرا کو دیکھ کر کہا۔ کہاں جا رہے ہو۔ سوامی بچھرا کو اس سے بہت زیادہ انس تھا۔ اس نے بڑھ کر اسے اپنے سینہ سے لگاتے ہوئے کہا۔ میں اپنی بگڑی ہوئی قسمت کو بنانے جا رہا ہوں۔

رانی کو شوخ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ بھلا قسمت بھی کبھی بنی ہے۔

بچھرا۔ انسان میں اس قدر طاقت ہے کہ وہ سب کچھ بنا سکتا ہے۔

رانی۔ میں نے سنا ہے کہ بھاگ کو دیوی اور دیوتا نہیں بنا سکتے۔

بچھرا۔ مگر منش (آدمی) بنا سکتے ہیں۔

رانی۔ اچھا آپ کا بھاگ کون بنائے گا۔

یہ کہہ کر رانی نے راجہ کے موتیوں کے ہار سے کھیلتے ہوئے اس طرف دیکھا۔ بچھرا نے اسکے حسین سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ میں خود بناؤں گا۔

رانی۔ کس طرح۔

بچھرا۔ کاکا مسلمانوں سے صلح کرنے گیا ہے میں اسکے اس قلعہ کا راجہ بن جاؤں گا۔

رانی فوراً اس سے الگ ہو گئی اور اس نے کہا یہ تو بڑا پاپ (گناہ) ہے سوامی بچھرا نے ہنس کر کہا۔ کچھ پاپ نہیں زندگی جدوجہد کا نام ہے جو لوگ کوشش کرتے ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں میں بھی کوشش کر کے کامیاب ہونا چاہتا ہوں۔

رانی۔ نہیں ناتھ ایسا نہ کیجئے تمام دیوی دیوتا ناراض ہو جائیں گے۔

بچھرا۔ سندریہ فکر نہ کرو میں انہیں راضی کر لوں گا ہماری حکومت چھن گئی ہے۔ کاکا یہ حکومت مسلمانوں کو دینا چاہتے ہیں پھر کیوں نہ میں ہی حاصل کر لوں۔

رانی۔ اگر ہماری قسمت میں حکومت ہوتی تو چھنتی ہی کیوں جاتی۔

بچھرا۔ وہ راج ہمیں اپنے پتا (باپ) سے ملا تھا اور سلطنت قوت بازو سے ملتی ہے دنیا کا یہی قاعدہ ہے۔

رانی۔ مجھے ابھی بھی ڈر ہے کہ مبادا ہم پر کوئی اور مصیبت نہ آ ٹوٹے۔

بجھرا۔ پریہ (پیاری) تم اطمینان سے رنواس (محل) میں بیٹھی رہو اور کسی قسم بھے (ڈر) نہ کرو میں خود راجہ بن کر تم کو رانی بنانا چاہتا ہوں۔

رانی۔ اچھا جاؤ ناتھ

بجھرا۔ وزیر کے ہمراہ چل کر دربار میں پہنچا سینکڑوں آدمی اس وقت جمع تھے جو دربلد کی کرسیوں پر بیٹھے تھے۔ بجھرا کو دیکھتے ہی سب کھڑے ہو ہو کر جھک گئے۔ بجھرا تخت پر جا بیٹھا۔ اس نے کہا۔ معزز لوگو بیٹھ جاؤ۔ جب سب بیٹھ چکے تب بجھرا نے کہا میں نے آپ تمام اصحاب کو اس لئے تکلیف دی ہے کہ میں آپ سے چند ایک باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ سب نگاہیں اٹھا کر اس کی طرف دیکھنے لگے اور اس نے پھر کہا۔ آپ مجھے خوب جانتے ہیں کہ میں مہاراجہ داہر کا بھتیجہ اور مہاراجہ اپی چند کا بیٹا ہوں میرا نام بجھرا ہے میری ریاست آپ کے قریب ہی ہے جس کا نام سوستان ہے میں اس خاندان سے ہوں جو کبھی کسی دشمن سے نہیں دبا وہ رک گیا۔ ابھی تک سب اسے نظر اٹھائے ہوئے دیکھ رہے تھے اس نے پھر سلسلہ کلام شروع کیا۔ افسوس ہے کہ مسلمانوں نے میری حکومت دغا بازی سے چھین لی۔ اگر وہ مجھ سے میدان میں لڑتے تو میں انہیں بتا دیتا کہ میں کس قدر بہادر ہوں۔ لیکن جو ہو گیا اس پر افسوس بھی نہ کرنا چاہئے۔

مجھے یہ کہنا ہے کہ کاکو میں نے ہر چند سمجھایا کہ وہ مسلمانوں سے صلح نہ کریں لیکن انہوں نے نہ مانا اور صلح کرنے کے لئے چلے گئے انہیں یہ خبر نہیں ہے کہ مسلمان عورتیں کو اپنی خادمائیں اور بچوں کو غلام بنا لیتے ہیں، مردوں کو منڈیوں کو لے جا کر بیچ دیتے ہیں اور وہ بانگ (اذان) دیتے ہیں۔ اس سے ہمارے دیوی دیوتا ناراض ہو کر بھاگ جاتے ہیں کیا ایک ہندو کے لئے یہ غیرت کی بات نہیں ہے کیا آپ اسے گوارا کر لیں گے کہ آپ کی عورتیں اور لڑکیاں مسلمان لے جائیں۔

ایک غیرت مند شخص کبھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا۔ سب نے بلند آواز سے کہا۔ بے شک یہ بات گوارا نہیں کی جاتی۔

بجھرا۔ کاکا نے طے کر لیا ہے کہ تم لوگوں کی عورتوں اور بچوں کو مسلمانوں کے حوالے کر دے۔

تمام آدمیوں کو جوش آگیا۔ انہوں نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا۔ ہم خون کی

ندیاں بہا دیں گے اور ایسا نہ ہونے دیں گے۔

بجھرا۔ مجھے یہی توقع تھی لیکن جب کاکا صلح کر کے آئے گا تب تم کیا کرو گے۔
چند آدمیوں نے کہا ہم انہیں قلعہ میں کبھی نہ گھسنے دیں گے۔

بجھرا۔ بہادر اور غیرت مند آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں۔

اب وزیر نے کہا میرے دوستو یہ بات طے شدہ سمجھو کہ کاکا صلح کر کے آئے گا اور تمہاری لڑکیوں کو مسلمانوں کے حوالہ کر دے گا۔ اگر تم میری بات مانو تو کہوں؟ سب آوازیں آئیں، ہم ضرور مانیں گے۔
وزیر۔ تم کاکا کے آنے سے پہلے ہی کسی کو راجہ منتخب کر لو۔

سب نے کہا نہایت اچھی تجویز ہے۔ جو لوگ اس وقت جمع کر لئے گئے تھے۔ ان میں جوش تھا۔ مگر عقل نہ تھی۔ جو ان سے کہلایا جاتا تھا وہ کہہ دیتے تھے۔ لیکن سوچتے سمجھتے کچھ نہ تھے۔ وزیر نے اس بات کو سمجھ لیا اس نے کہا اگر تم پسند کرو تو راجہ بجھرا موجود ہیں انہیں مجبور کرو کہ یہ تاج اور تخت سنبھالیں اور تمہارے زن و فرزند اور زر و مال کو مسلمانوں سے بچائیں۔

سب نے کہا بے شک بے شک!! مہاراجہ سے بہتر اور کون ہو سکتا ہے۔

بجھرا نے کہا۔ مگر میں تمہاری اور خدمت کرنے کے لئے آمادہ ہوں لیکن تخت اور تاج سنبھالنے کے لئے تیار نہیں ہوں اب لوگ اس کی طرف اٹھ کر چلے اور چبوترے کے نیچے کھڑے ہو کر بولے نہیں مہاراجہ ہم پر اپنی جاتی (قوم) پر دیا (مہربانی) کر کے تخت اور تاج سنبھالیئے بجھرا نے اُٹھکر کہا اگر تم سب مجبور ہی کرتے ہو تو میں اس کے لئے بھی آمادہ ہوں۔ اس نے خود ہی یہ جال بچھایا تھا لیکن لوگوں سے کہلانا چاہتا تھا چنانچہ جب سب نے اس سے کہا تو وہ تیار ہو گیا۔ فوراً تاج لایا گیا وہی تاج جو کاکا پہنا کرتا تھا۔ ایک برہمن نے آکر راجگدی کی تمام رسومات ادا کیں اور اس طرح بجھرا بدیہہ کا راجہ بن گیا۔

جو معمولی افسر رہ گئے تھے انہیں بھی کسی نہ کسی طرح راضی کر لیا گیا اور اس طرح تمام فوج پر بھی اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس نے فوراً ہی قلعے کا دروازہ بند کرا کر فصیل کے اوپر لشکر بھیج دیا اور پتھروں و سنگریزوں کے انبار لگا دیئے۔

ابھی اس کام سے فراغت بھی نہ ہوئی تھی کہ کاکا اسلامی لشکر کے ساتھ آگیا اور اس کی وہ گفتگو سپاہیوں سے ہوئی تھی جو اس باب سے پہلے باب میں بیان کی گئی ہے اور جسے سن کر کاکا غضب ناک نگاہوں سے انہیں گھورنے لگا۔

بیالیسواں باب ۴۲

قیدی حوریں

داہر ان سپاہیوں کے پیچھے روانہ ہوا تھا جو طاہرہ کو حراست میں لئے جا رہے تھے جب وہ کمرہ سے باہر نکلا تو اس نے لادی اور اس کے محافظوں کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ لادی بھولی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی جب وہ اس کے قریب سے گزرنے لگا تو لادی نے کہا۔ ناتھ معاف کرو۔

داہر کو غصہ آ رہا تھا۔ اس نے کہا خبردار اگر معافی کا نام لیا تو سر اڑا دونگا۔ لادی چپ ہو گئی اب طاہرہ نے کہا۔ مہاراجہ داہر فوراً اس کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ عربی حور کیا کہتی ہے؟ طاہرہ نے کہا آپ کے لئے یہ غیر مناسب ہے کہ آپ حسین وجمیل معصوم رانی کو قید وبند کی تکالیف دیں۔

داہر نے اس کے قریب آ کر کہا تم رانی کی سفارش نہ کرو۔ البتہ اپنے لئے جو چاہو کہو۔

طاہرہ۔ مجھے اپنے لئے کچھ نہیں کہنا ہے۔

داہر۔ بس تو چلئے۔

داہر انہیں لے کر چلا۔ رات کا وقت تھا اگرچہ چاند نکلا ہوا تھا۔ مگر مطلع غبار آلود ہونے کی وجہ سے روشنی نہ تھی۔ جب یہ سب محل کے اس کنارے پہنچے جس طرف ایک بڑا مندر تھا اور وہ مندر داہر کا بتایا جاتا تھا۔ وہاں کچھ بہت ہی کم حیثیت عمارتیں بنی ہوئی تھیں اور ان عمارتوں کے باہر سیاہ گار لمبے تڑنگے آدمی تلواریں ہاتھوں میں لئے کھڑے تھے۔ راجہ کو دیکھتے ہی تلواریں سامنے کی طرف پھیلا پھیلا کر جھک گئے۔

ایک کمرہ کے قریب پہنچ کر داہر نے قفل کھول دیا اور اندر داخل ہوا۔ مگر اس کی نظریں اندھیرے میں کمرہ میں داخل ہونے والے آدمیوں کو بھی اچھی طرح سے پہچان نہ سکی تھیں۔ ایک دروازے کا قفل خود کھولا۔ اس کمرہ میں بھی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ کچھ نظر نہ آتا تھا کہ کمرہ کتنا بڑا ہے اور اس میں کیا ہے۔ اب داہر واپس آیا اور جو سپاہی رانی لادی کو حراست میں لئے کمرہ میں تھے۔

انہیں اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور پھر کمرے میں داخل ہو گیا۔ سپاہی لاڈی کو لے کر بڑھے اور راجہ کے پاس پہنچے۔ راجہ نے لاڈی سے کہا۔

بے وقوف عورت تمہارے رہنے کے لئے یہ کمرہ مناسب ہے اور تم یہاں رہو۔ لاڈی اس کمرہ کی تاریکی دیکھ کر ڈر گئی۔ اس نے کہا ناتھ مہربانی کرو۔ داہر نے غصہ سے دانت پیستے ہوئے کہا مہربانی ہی ہے کہ تم کو قتل نہیں کیا۔

لاڈی۔ اچھا میرے لئے کچھ روشنی منگا دیجئے اندھیرے میں مجھے ڈر معلوم ہوتا ہے۔

داہر نے قہقہہ لگا کر کہا روشنی منگا دوں اگر تم پتی برتا (شوہر پرست) عورت ہو تو یہ اندھیرا تمہارے لئے روشنی بن جائے گا۔ لاڈی اسے بھولی صورت بنائے معصوم نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کمرہ کی مدہم روشنی میں بھی اس کی صورت چمک رہی تھی۔ اس نے پھر کہا سوامی ایسے کٹھور نہ بنو۔ داہر نے بگڑ کر کہا۔

خاموش رہ! اب اندر جاتی ہے یا ان سپاہیوں کو حکم دوں کہ یہ تجھے دھکیل دیں۔

لاڈی کے بشرہ سے اطمینان کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور اس نے کہا۔ نہیں مجھے کوئی ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ مگر سنیئے اگر میں پتی برتا (شوہر پرست) ہوں تو اس کمرہ میں قید نہ رہوں گی۔

داہر۔ ہاں تم کو کوئی دیوتا آ کر چھڑا لینگے۔

لاڈی۔ ضرور لیکن

داہر۔ لیکن کیا؟

لاڈی۔ جس بات کو سن کر آپ خفا ہو گئے ہیں میں اس کی متعلق کچھ کہنا چاہتی ہوں۔

داہر۔ کیا؟

لاڈی۔ میں محمد قاسم کے پاس جانا چاہتی ہوں۔

داہر۔ کس لئے۔

لاڈی۔ اس سے آپ کے اور اپنے لئے امن کی درخواست کرنے۔

داہر مگر اس کی ضرورت کیا تھی۔

لاڈی مجھے یقین ہے کہ فتح اسی کی ہو گی۔

داہر نے حیرت سے قہقہہ لگا کر اس کی فتح ہو گی؟

لاڈی۔ جی ہاں۔

داہر۔ بے وقوف رانی اس کا تو خاتمہ بھی ہو گیا ہو گا۔

لادی۔ کس نے یہ جرأت کی ہو گی۔

داہر۔ ان لوگوں نے جن کے نام میں نے احکام جاری کئے تھے۔

لادی۔ مگر مجھے اس کا یقین نہیں ہے۔

داہر۔ تجھے نہ ہو مجھے ہے میں تریا چرتر خوب سمجھتا ہوں۔ اب گفتگو بند کرو اور کمرہ کے اندر چلی جاؤ۔

لادی داہر کے قدم چومنے کے لئے بڑھی داہر پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے بگڑ کر کہا میرے پیر نہ چھونا۔ لادی کو غصہ آ گیا۔ وہ تن کر کھڑی ہو گئی اور اس نے تیز نظروں سے داہر کو دیکھا۔ داہر کی آنکھیں جھک گئیں۔ لادی نے کچھ کہنا چاہا۔ اس نے نازک عنابی لب کھلے۔ موتیوں جیسے آبدار دانتوں کی لڑی نظر آئی۔ مگر فوراً ہی لب بند ہو گئے اور وہ تیزی سے اس کمرہ میں داخل ہو گئی۔ جس میں اندھیرا ہی اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ بے درد داہر نے پھاٹک بند کر کے قفل لگایا اور وہاں سے واپس لوٹا۔ سپاہی بھی اس کے پیچھے ہی نکل آئے۔ اس نے وحشی محافظوں کو اشارہ کیا ان میں سے ایک نے جلدی سے آگے بڑھ کر دروازہ بند کر کے تالا لگا دیا۔ داہر نے دوسرے کمرہ کی چابی بھی اسے دے دی۔ اب وہ طاہرہ کے قریب آیا اور اس کے محافظ کو اشارہ کر کے چلا وہ طاہرہ کو ساتھ لے کر اس کے پیچھے چلے۔ چند کمروں کے سامنے سے گزر کر وہ ایک کمرہ کے قریب رکا۔ اس کے محافظ نے جلدی سے بڑھ کر تالا کھولا۔ داہر کمرہ کے اندر گیا یہ کمرہ بھی بالکل ویسا ہی تھا جس میں لادی کو قید کیا گیا تھا۔ اس کمرہ میں بھی ایک بتی روشن تھی اور اس کی دھیمی دھیمی روشنی پھیل رہی تھی اس کے دوسری طرف بھی ایک کمرہ تھا۔ داہر نے اس کمرہ کو کھولا اور باہر نکل کر طاہرہ کے محافظوں کو ہاتھ سے آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔ وہ بڑھے داہر کمرہ میں داخل ہو گیا۔ جب طاہرہ اس کے پاس پہنچی تو طاہرہ نے تاریک کمرہ کی طرف دیکھا۔ اس میں اس قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا کہ غور سے دیکھنے پر بھی کچھ نظر نہ آتا تھا۔ طاہرہ نے شیریں لہجہ میں کہا دیکھ لیا۔

داہر۔ اس کے اندھیرے پر نظر کر

طاہرہ۔ ہاں قبر سے زیادہ تاریک ہے۔

داہر۔ کیا تو اس اندھیری قبر میں رہنے سے خوش ہو گی۔

طاہرہ۔ خدا کی مرضی

داہر۔ بے وقوف خدا کچھ نہیں ہے۔

طاہرہ نے چونک کر جوش اور غصہ کی نگاہوں سے داہر کو دیکھا۔ طاہرہ مسلمان لڑکی تھی مسلمان خدا کے وجود کے قائل ہیں نہ صرف قائل بلکہ سب کچھ اسی کو جانتے ہیں اور مانتے ہیں۔ خدا کے خلاف وہ ایک لفظ بھی نہیں سن سکتے۔ اس لئے طاہرہ کو بھی جوش اور غصہ آ گیا۔ داہر اس کی چشم آلود نگاہیں دیکھ کر اس کی طرف دیکھتا ہوا رہ گیا۔ دراصل جوش اور غصہ نے اس کے چہرہ کو سرخ کر کے مزید دلفریب بنا دیا تھا۔

داہر نے کہا۔ غصہ میں تمہاری صورت کیسی پیاری ہو گئی ہے۔ طاہرہ نے جوش بھرے لہجہ میں کہا۔ خدا کچھ نہیں؟ داہر نے نرمی سے کہا۔ معاف کرو طاہرہ میں نے تمہارے دل کو ٹھیس لگائی ہے۔

طاہرہ۔ تم مسلمانوں سے واقف نہیں ہو۔ مسلمان ہر بات کو برداشت کر لیتے ہیں۔ مگر خدا اور خدا کے پیارے رسول حضرت محمد صلعم اور خدا کے کلام کی تذلیل برداشت نہیں کر سکتے۔

داہر۔ مجھ سے غلطی ہوئی۔ طاہرہ آئندہ کبھی ایسی غلطی نہ کروں گا۔

اب طاہرہ کا غصہ دھیما ہوا اور وہ چپ ہو گئی۔ داہر نے پھر کہا طاہرہ ضد کو چھوڑ دو۔ میری بن جاؤ۔ دیکھو میں سندھ کا راجہ ہوں تمام ہندوستان میں میری دھاک ہے نصف سے زیادہ ہندوستان میرے قبضہ میں ہے میری قوت بہت بڑی ہے دولت بہت زیادہ ہے تم کو موتیوں اور جواہرات سے تول دوں گا اپنی رانی بنالوں گا۔ تمام رانیوں کو چھوڑ دوں گا اس قدر خادمائیں مقرر کر دوں گا کہ ان کے پرے ہر وقت تمہارے پاس آکر رہا کریں گے۔ بولو منظور ہے طاہرہ!

طاہرہ۔ نہیں ایک مسلمان لڑکی عصمت فروش نہیں بن سکتی۔

داہر۔ تمہیں یہ منظور ہے کہ تم اس اندھیری کوٹھڑی میں بند رہو؟

طاہرہ۔ میں جانتی اور سمجھتی ہوں کہ خدا میرا امتحان لے رہا ہے۔

داہر نے کچھ غصہ کی شان سے کہا پھر وہی بے وقوفی! مگر وہ اتنا کہہ کر چپ ہی ہو گیا۔ اس نے کہا اچھا جب تو نہیں مانتی تو کمرہ کے اندر چلی جا۔ طاہرہ بڑھ کر اندھیرے کمرہ میں گئی۔ داہر کچھ دیر کھڑا سوچتا رہا۔ آخر اس نے دروازہ بند کر کے قفل لگا دیا اور باہر نکلا۔

سپاہی بھی نکل آئے اس کمرہ کے محافظ نے ان کے باہر نکلتے ہی دروازہ بند کر کے
تالا لگا دیا۔ داہر نے اس کمرہ کی چابی بھی محافظ کے حوالہ کر دی اور کچھ سوچتا ہوا جس طرف
سے آیا تھا اسی طرف روانہ ہوا اور سپاہی بھی اس کے پیچھے ہی چلے گئے۔

تینتالیسواں باب ۴۳

سزائے غرور

کاکا کھڑا ہوا غصہ بھری نظروں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ دیر تک کھڑا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر کے بعد لوٹ کر وہ محمد قاسم کے پاس آیا۔ محمد قاسم اسے برافروختہ دیکھ کر بڑا متعجب ہوا اور اس نے کہا آپ خفا کیوں ہو رہے ہیں کاکا نے کہا قلعہ والوں نے قلعہ کا دروازہ کھولنے سے انکار کر دیا۔

محمد قاسم۔ انہیں ایسی جرأت کیسے ہوئی۔

کاکا۔ غدار اور محسن کش بجھرا کی وجہ سے؟

محمد قاسم۔ اس نے کیا کیا۔

کاکا۔ میری عدم موجودگی میں وہ خود راجہ بن گیا اور میری پرجا (رعایا) اور سینا (لشکر) کو بہکا کر میرے خلاف کر دیا۔

محمد قاسم۔ پروا نہ کرو خدا مالک ہے۔

کاکا۔ غالباً آپ یہ سوچتے ہوں گے کہ میں نے آپ کو دھوکہ دیا۔

محمد قاسم۔ میں ایسا پست خیال نہیں ہوں لیکن ایک بات بتایئے۔

کاکا۔ کیا۔

محمد قاسم۔ کیا اس قلعہ میں داخل ہونے کا کوئی خفیہ راستہ بھی ہے؟

کاکا۔ بے شک!

محمد قاسم۔ قلعہ میں کس قدر لشکر موجود ہے۔

کاکا۔ بارہ ہزار تو میرا ہے اور ڈیڑھ ہزار بجھرا کا ہے۔

محمد قاسم۔ بس اتنے ہی لشکر پر بجھرا پھولا ہوا ہے۔

کاکا۔ جی ہاں مگر یہ لشکر تھوڑا نہیں ہے۔

محمد قاسم۔ بجھرا کے ساتھ اس سے دوگنا لشکر تھا اور پھر بھی وہ شکست کھا کر بھاگ نکلا۔

کاکا۔ تعجب ہے

محمد قاسم۔ تعجب کس بات کا

کاکا۔ اتنے بڑے لشکر کو آپ نے اتنے تھوڑے لشکر سے شکست دی۔

محمد قاسم۔ ہم مسلمانوں کا خدا پر بھروسہ ہے۔

کاکا۔ یہی کہا جا سکتا ہے۔

محمد قاسم۔ میرے خیال میں آج حملہ کرنا مناسب نہیں ہے آج آرام کریں انشاءاللہ کل حملہ کریں گے۔

کاکا۔ جیسے آپ کی مرضی۔

دوران گفتگو میں کاکا کی نگاہیں محمد قاسم کے چہرہ پر لگی رہتی تھیں دراصل وہ اسے حیرت سے دیکھتا تھا۔ کیونکہ محمد قاسم نوعمر بچہ تھا مگر باتیں آزمودہ کار سن رسیدوں کی سی کرتا تھا۔ اب محمد قاسم نے لشکر کو مقیم ہونے کا حکم دے دیا فوراً سوار گھوڑوں سے اتر گئے اور بار برداریوں میں سے ڈیرے خیمے نکال نکال کر نصب کرنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں قلعہ کے سامنے خیموں کا ایک شہر آباد ہو گیا۔ مسلمان خیموں میں جا جا کر ہتھیار کھول کھول کر رکھنے اور آرام کرنے لگے چند خیمے کاکا اور اس کے ساتھیوں کو دے دیئے گئے۔ محمد قاسم بھی ایک خیمہ میں گھس گیا ان لوگوں نے جب مغرب کی نماز پڑھی تو کاکا اور اس کے ہمراہیوں نے حیرت سے دیکھا یہ پہلا موقعہ تھا کہ انہوں نے مسلمانوں کو نماز پڑھتے دیکھا۔ نماز پڑھتے ہی انہوں نے کھانا پکانے کا انتظام شروع کر دیا۔ کاکا اور اسکے ہمراہیوں کو بھی رسد دے دی گئی عشاء کی اذان ہوتے ہی تمام مسلمان میدان میں نکل کر نماز پڑھنے لگے۔ نماز سے فراغت کر کے آنے اور دس دس پندرہ پندرہ کی ٹولیوں میں بیٹھ کر کھانا کھانے لگے کھانے سے فارغ ہوتے ہی کوئی قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگا۔ کوئی نفلیں پڑھنے لگا۔ اکثر تاریخی قصے بیان کرنے لگے۔ آدھی رات تک یہی ہوتا رہا آدھی رات کے بعد لوگ سونے لگے اسلامی لشکر کا یہ قاعدہ تھا کہ رات کو لشکر کی حفاظت کے لیئے ایک دستہ مقرر کیا جاتا اور وہ تمام رات لشکر کے گرد چکر کاٹتا رہتا تھا چنانچہ آج جو دستہ مقرر کیا گیا وہ اسلم کا تھا اس نے اپنے پانچ سو سواروں میں سے اڑھائی سو کو آرام کرنے

حکم دے دیا اور بقیہ اڑھائی سو کو اپنے ہمراہ لے کر قلعہ کی حفاظت کے لئے پھیل گیا تھا۔ رات اندھیری تھی ہر طرف اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ چونکہ یہ لشکر فصیل سے ذرا فاصلے پر مقیم تھا۔ اس لئے اس وقت فصیل نظر نہ آتی تھی۔ رات کے اندھیرے میں چھپی ہوئی تھی۔ محمد اسلم اور اس کے سپاہی لشکر سے آگے بڑھے ہوئے پہرہ دے رہے تھے۔ جب دو تہائی رات گزر گئی تو ہر طرف خموشی کا تسلط ہو گیا۔ جس قدر اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس سے زیادہ سکوت چھایا ہوا تھا آسمان پر تارے نکلے ہوئے چمک رہے تھے اس وقت اسلم آسمان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ دفعتاً وہ چونکا اور اس نے اپنے ساتھیوں سے پوچھا۔ تم کچھ آوازیں سن رہے ہو اس کے ساتھیوں نے کان لگا کر سنا۔ دیر تک خاموش کھڑے سنتے رہے۔ کچھ دیر بعد انہوں نے کہا نہیں ہم کوئی آواز نہیں سن رہے ہیں۔

اسلم۔ میں سن رہا ہوں غالباً کچھ لوگ دبے قدموں آ رہے ہیں۔

وہ فوراً زمین پر لیٹ گیا اور اس نے زمین سے اپنا کان لگا کر سنا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ گھبرا کر اٹھا۔ اس نے کہا۔ خدا کی قسم قلعہ کی طرف سے ہزاروں ہندو آ رہے ہیں دیکھو تم بھی زمین پر کان لگا کر سنو۔ کئی آدمی اسی طرح زمین پر لیٹ گئے جس طرح اسلم لیٹا تھا اور کان لگا کر سننے لگے۔ قدموں کی آواز صاف آ رہی تھی۔ وہ جلدی سے اُٹھے انہوں نے کہا آپ درست فرما رہے ہیں۔ ہزاروں آدمی آ رہے ہیں غالباً یہ بجھرا کا لشکر ہے اور وہ شبخون مارنے کے ارادہ سے آ رہا ہے۔

اسلم۔ یہی میرا بھی خیال ہے وہ رات بھی اسی غرض سے آیا تھا۔

ایک سپاہی نے کہا۔ پھر کیا کیا جائے اسلم نے کہا پانچ آدمی لشکر میں دوڑ جائیں اور سپہ سالار اور دوسرے افسروں کو بیدار کر کے اطلاع کر دیں اور پانچ آدمی اس دستہ کے اڑھائی سو سواروں کو اٹھا لائیں۔ جو سو رہے ہیں مگر یہ تمام کارروائی نہایت خاموشی کے ساتھ کی جائے تاکہ دشمن کو خبر نہ ہو کہ ہم اس کے آنے سے خبردار ہو گئے ہیں فوراً دس آدمی دوڑ گئے۔ چونکہ یہ لوگ لشکر سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر قلعہ کی طرف بڑھے ہوئے کھڑے تھے اس لئے وہ دسوں آدمی تیزی سے دوڑتے ہوئے روانہ ہوئے ان کے جانے کے بعد اسلم نے اپنے سپاہیوں کو ذرا اور پیچھے ہٹایا اور انہیں پڑ جانے کا حکم دیا۔

چنانچہ تمام سپاہی لیٹ گئے اب آنے والوں کے قدموں کی آوازیں صاف طور پر آنے لگیں معلوم ہوتا تھا کہ وہ نہایت قریب آ گئے ہیں مگر رات اندھیری تھی۔ جس کی وجہ سے

قریب آجانے پر بھی وہ نظر نہ آتے تھے۔ کچھ دیر کے بعد وہ اتنے پاس آ گئے کہ ان کی صورتیں مٹی مٹی سی نظر آنے لگیں۔

چونکہ وہ نیم برہنہ تھے تلواریں سونتے ہوئے آ رہے تھے اس لئے مسلمانوں نے سمجھ لیا کہ غیر مہذب اور وحشی ہندو ہی ہیں جب وہ ان سے چند ہی قدم کے فاصلے پر آ گئے تب یہ سب ایک دم اٹھکر کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہوتے ہی انہوں نے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ اس ہیبت ناک نعرہ کی آواز سے تمام میدان لرز گیا۔ فضا گونج اور زمین ہچکولے کھانے لگی۔ آنے والا لشکر بجھرا ہی کا تھا۔ وہ شبخون مارنے کے ارادہ سے آیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ مسلمان غفلت کی نیند پڑے سو رہے ہوں گے اور وہ جاتے ہی ان کا قتل عام شروع کر دے گا۔ لیکن جب اس نے مسلمانوں کو اٹھتے اور کھڑے ہو کر نعرہ تکبیر لگاتے دیکھا تو وہ اور اس کا لشکر خوف و دہشت سے کانپ گئے اور کھڑے ہو کر حیرت بھری نظروں سے مسلمانوں کو دیکھنے لگے۔ مسلمانوں نے نعرہ لگاتے ہی تلواریں کھینچ لیں اور بڑھکر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ بجھرا دس ہزار سپاہیوں کو ہمراہ لایا تھا۔ اگرچہ اندھیرے [illegible] سے ایک مسلمان کے دو نظر آئے مگر پھر بھی وہ یہی سمجھا کہ زیادہ سے زیادہ پانچ سو مسلمان ہیں چنانچہ با توہ لرز رہا تھا یا اسکی ہمت بندھ گئی تھی اور اس نے نہایت بلند آواز سے کہا۔ دلیر ہندوؤ یہ بہت تھوڑے مسلمان ہیں انہیں جلد جلد قتل کر ڈالو۔ ہندوؤں نے مسلمانوں کی تعداد دیکھ لی تھی۔ انھیں تھوڑے دیکھ کر ان کے دل بھی بڑھ گئے تھے۔ انہوں نے بھی جوش و غضب میں آ کر حملہ کر دیا۔ اب تلواریں جلد جلد چلنے لگیں۔ تلواروں کی کھٹ کھٹ اور مجروحین کی چیخ و پکار سے میدان گونجنے لگا۔ اگر بجھرا نہ چاہتا تھا کہ آواز بلند ہو۔ لیکن ہندوؤں کی عادت ٹھہری تھی غل مچانے کی۔ چنانچہ وہ شور کرنے اور جیکارنے لگاتے لگے۔ مسلمان کو نہ ان کے شور کی پرواہ تھی نہ جیکاروں کی۔

انہوں نے جنگ شروع کر دی اور نہایت جوش اور دلیری سے بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ چونکہ وہ اڑھائی سو ہی تھے اس لئے انہوں نے ایک لمبی صف قائم کر لی اور یہ کوشش کرنے لگے کہ کوئی ہندوؤں کی صف توڑ کر لشکر کی طرف نہ جانے پائے۔ ہندو اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ ان کی صف توڑ کر سوتے ہوئے لشکر پر جا پڑیں۔

چونکہ ہر دو فریق پوری جد و جہد کر رہے تھے اس لئے نہایت خونریز جنگ ہو رہی تھی۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑ بڑی سرعت سے کٹ کٹ کر گر رہے تھے اندھیرے میں تلواریں

چونکہ مسلمان تمام قلعے میں پھیلے ہوئے تھے۔ ہندوؤں کو قتل کر رہے تھے اور سارے قلعہ میں چیخ و پکار مچ رہی تھی اس لئے سونے والے بھی بیدار ہو گئے تھے۔ مگر جاگتے ہی خوف کی وجہ سے کوٹھڑیوں میں جا گھسے تھے۔

جب ہندوؤں نے دیکھا کہ اب جان بچنا بہت دشوار ہے تو انہوں نے فوراً ہتھیار ڈال دیئے اور امان امان! چلانے لگے۔ محمد قاسم اور اسلم نے جنگ بند کر دی اور انہیں اسیر کرنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کو بڑا ناگوار گزرا کہ ان کم بختوں نے ابھی سے الامان! الامان!! چلانا شروع کر دیا۔ جی تو ان کا نہ چاہتا تھا کہ ان میں سے کسی ایک کو بھی زندہ چھوڑیں۔ لیکن امان کہتے پر تلوار نہیں چلا سکتے تھے۔ چنانچہ مجبوراً انہوں نے تلواریں میانوں میں ڈال لیں اور انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔



بجلی کی طرح کوندتے ہوئے اُٹھ اٹھ کر انسانی سمندر میں ڈوب رہی تھیں۔ سرفروش نہایت جوش و غضب میں آآ کر لڑ رہے تھے اور قتل ہو کر گر رہے تھے۔ یوں تو مسلمان بھی شہید ہو رہے تھے۔ مگر بہت کم البتہ ہندو جس قدر زیادہ تھے اسی کثرت سے مر رہے تھے۔ ہر مسلمان شیر زنی کی طرح جست لگا لگا کر حملے کر رہا تھا اور ہر حملہ میں ایک نہ ایک دھوتی بند کو مار ڈالتا تھا اور جب کسی ایک کو مار ڈالتا تھا تو جلدی سے دوسرے پر جھپٹ کر اسے ختم کر دیتا تھا اس طرح ہندوؤں میں موت کی بیماری پھیل گئی تھی اور وہ بڑی سرگرمی سے قتل ہو رہے تھے اور مجروح بری طرح سے چلا رہے تھے۔

جو مجروح گرتا تھا پھر اٹھنے کی اسے نوبت ہی نہ آتی تھی انسان اسے اپنے پیروں سے روند ڈالتے تھے۔ اسلم تلوار لئے دائیں بائیں اور سامنے جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے اس کی تلوار ہر ہندو کو ختم کر دیتی تھی جو اس کے سامنے آجاتا تھا۔ اس نے بہت سے ہندوؤں کو مار تھا۔ مگر ابھی تک اس کا جوش اور جذبہ جہاد سرد نہ ہوا تھا بلکہ اور بڑھ رہا تھا جوں جوں اس کا جوش بڑھتا تھا۔ وہ بڑھ بڑھ کر حملے کرتا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو ہندوؤں کو مار ڈالتا تھا۔ اتفاقاً وہ لڑتا ہوا بھرا کے وزیر اعظم تک پہنچ گیا۔ وزیر نے فوراً اس پر حملہ کیا وہ ایک دوسرے ہندو کی طرف متوجہ تھا لیکن اس نے وزیر کی تلوار اپنے سر کی طرف آتے ہوئے دیکھ لی اس نے نہایت پھرتی سے ڈھال پر وزیر تلوار روکی اور پھر اپنی تلوار مار کر ہندو کو ٹھنڈا کر دیا جس پر کہ اس نے حملہ کر دیا تھا۔ اُسے قتل کرتے ہی اس نے پینترا بدل کر وزیر اعظم پر حملہ کر دیا۔ وزیر نے ڈھال سامنے کر دی۔ چونکہ وہ سہم گیا تھا اس لئے اچھی طرح ڈھال کی آڑ نہ لے سکا اور اسلم کی تلوار اس کی گردن پر پڑی۔ جس طرح سے دھاگہ صابن کو کاٹ ڈالتا ہے۔ اسی طرح تلوار نے وزیر کا سر کاٹ ڈالا اور اس کی لاش کٹے ہوئے درخت کی طرح فضا میں ہاتھ مارتی ہوئی زمین پر گری اسلم نے یہ بھی نہ دیکھا کہ وہ تڑپا یا بغیر تڑپے ہی مر گیا۔ اس نے فوراً ہی دوسرے ہندو پر حملہ کر دیا اور اسے بھی ختم کر دیا۔ جس وقت مسلمان موت کی لڑائی لڑ کر ہندوؤں کو کھیرے ککھڑی کی طرح کاٹ رہے تھے اس وقت اللہ اکبر کے نعرہ کی پھر آواز آئی۔

مسلمان اور ہندو دونوں سمجھ گئے کہ اسلامی لشکر بیدار ہو کر لڑنے کے لئے آگیا ہے اس سے مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے اور ہندوؤں کی ہمت پست ہو گئی۔ اگرچہ صبح صادق کے آثار ظاہر ہو گئے تھے مگر ابھی اتنا اجالا نہ ہوا تھا جس سے دور کی چیزیں صاف نظر آنے لگیں۔

ہندو یہ سمجھے کہ مسلمانوں کا تمام لشکر آگیا وہ دیکھ چکے تھے کہ صرف اڑھائی سو مسلمانوں نے جنھیں وہ پانچ سو سمجھ رہے تھے ان کے دس ہزار لشکر کو نہ صرف رد کر دیا تھا۔ بلکہ ان کے کثیر تعداد سپاہیوں کو قتل کر ڈالا تھا اور اب تمام لشکر حملہ آور ہو گیا تھا۔ حالانکہ ابھی تمام لشکر نہ آیا تھا یہ اسلم کے بقیہ اڑھائی سو سپاہی تھے اس لئے ان کے پیر اکھڑ گئے اور وہ قلعہ کی طرف بھا گے مسلمان ان کے پیچھے جھپٹے اور دوڑ دوڑ کر انہیں قتل کرتے ان کے پیچھے لگے چلے گئے تھے۔ ہندوؤں کو اس میدان کی ہر ایک چیز نظر آ کر ان پر حملہ کرتی دکھائی دیتی تھی اور کچھ واقعہ ہی ایسا ہو گیا تھا کہ جب کوئی ہندو پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا۔ اسے اپنے قریب ہی مسلمان اپنے پیچھے دوڑتا نظر آتا تھا اور وہ چند ہی قدم چلنے پاتا تھا کہ مسلمان کی تلوار اسے گرا دیتی تھی۔ ان کا بہادر راجہ بجھرا سب سے آگے بے تحاشہ بھاگا چلا رہا تھا۔ اسے ہر ہندو مسلمان نظر آ کر اس حملہ پر کرتا ہوا معلوم ہو رہا تھا اور اس لئے وہ پوری طاقت سے دوڑ رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ کسی طرح جلد قلعہ آ جائے اور وہ اس میں داخل ہو کر بچ جائے۔ ہندو اب بھی شور مچاتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔ مسلمان خاموشی سے انہیں قتل کرتے ہوئے دوڑے چلے جا رہے تھے۔ آخر دوڑتے دوڑتے ہندو قلعہ میں داخل ہونے لگے۔ لیکن ان کے ساتھ ہی مسلمان بھی داخل ہونے اور انہیں قلعہ کے اندر گھس کر قتل کرنے لگے اگر ہندو بدحواس نہ ہو جاتے اور آنکھ کھول کر یہ دیکھ لیتے کہ کس قدر مسلمان ان کا تعاقب کر رہے ہیں تو اطمینان سے وہ واپس لوٹتے اور ان کی زیادہ تعداد قتل نہ ہوتی۔ مگر غل مچانے والی قوم بہادری کیا جانے وہ بہادر ہوتے تو بھاگتے ہی کیوں اور نہ بھاگتے تو ہزاروں کیوں مارے جاتے۔ چونکہ پانچ سو مسلمان قلعہ میں داخل ہو گئے تھے اس لئے وہ ہر طرف پھیل کر انہیں قتل کرنے لگے۔

اس وقت محمد قاسم اور دستہ بے کر آ گیا اور وہ قلعہ میں گھس کر جنگ کرنے لگا چونکہ اب صبح ہو گئی تھی اور آفتاب طلوع ہونے کے قریب تھا اس لئے خوب روشنی پھیل گئی تھی اور ہر ایک چیز اچھی طرح نظر آنے لگی تھی۔

اتفاق سے محمد قاسم کی نظر بجھرا پر پڑ گئی اس نے لپک کر اس پر حملہ کیا۔ بہادر بجھرا نے تلوار دیکھتے ہی آنکھیں بند کر لیں یا شاید کچھ اشلوک یا وید کے منتر پڑھنے لگا۔ ابھی اس کے ہونٹ ہل ہی رہے تھے کہ محمد قاسم کی تلوار اس کے سر پر پڑی اور اس کا وہ سر جس میں فخر و غرور بھرا ہوا تھا کٹ کر دور جا گرا۔[۵۱]

---

۵۱ از تاریخ ہند صفحہ ۱۳۱

چوالیسواں باب ۴۴

رہائی

داہر نے رانی لادی اور طاہرہ دونوں کو علیحدہ علیحدہ کر کے کمروں میں قید کر دیا تھا۔ محل کے اس گوشہ میں قید خانہ تھا اور اس قید خانہ میں وہ عورتیں قید کی جایا کرتی تھیں جن سے داہر ناخوش ہو جایا کرتا تھا۔ جب کوئی بدبخت اس قید خانہ میں قید کر دی جاتی تھی تو پھر وہ اپنی زندگی میں باہر نہ نکل سکتی تھی۔ وہ وہیں گھٹ گھٹ کر بھوک اور پیاس سے سوکھ سوکھ کر مر جاتی تھی۔ رانی لادی کو جب تیرہ و تار کمرہ میں قید کیا تو وہ اندھیرے اور تنہائی کو دیکھ کر گھبرا گئی وہ ٹٹولتے ہوئے بڑھی اس خیال سے کہ شاید اس کے شوہر نے اور کچھ نہیں تو کم از کم فرش تو کرا دیا ہوگا۔ مگر اس نے تمام کمرہ چھان مارا لیکن نہ فرش ملا نہ کوئی اور چیز مجبور ہو کر بے چاری بیٹھ گئی وہ راجپوتنی تھی۔ داہر کی اس نازیبا حرکت سے اس کے دل کو سخت ٹھیس لگی۔ وہ پیچ و تاب کھانے لگی۔ دیر تک غم و غصہ سے بیٹھی دانتوں سے ہونٹ چباتی رہی۔ آخر جب زیادہ دیر گزر گئی تب وہ پڑ گئی اور غم و غصہ سے پریشان خیالات میں غوطے کھاتے کھاتے سو گئی جب اٹھی تو اس نے پھر ویسا ہی اندھیرا دیکھا جیسا کہ سوتے وقت تھا۔ حالانکہ اس وقت سورج نکل آیا تھا مگر قید خانہ کے کمرے کچھ ایسے بنائے گئے تھے کہ رات ہو یا دن روشنی کا ان میں گزر نہ ہوتا تھا۔ ہر وقت اندھیرا پھیلا رہتا تھا وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر غم اور غصہ سے بل کھانے لگی۔ کچھ دیر کے بعد کسی نے تالا کھولا اور وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اس خیال سے کہ شاید داہر آ گیا۔ مگر جب دروازہ کھلا تو داہر نہیں بلکہ ایک سیاہ رنگ کا وحشی جھانکنے لگا۔ لادی سمجھ گئی کہ وہ قید خانہ کے محافظوں میں سے ایک ہے وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور اس کی طرف چلی لیکن جب اس کے پاس پہنچی تو محافظ نے تلوار اس کی طرف اسے ڈرانے کے لئے بڑھائی اور کچھ کہا۔ لادی اس کی زبان نہ سمجھ سکی۔ وہ ہندوستان کے کسی ایسے حصہ کا رہنے والا تھا۔ جس کی زبان لادی نہ جانتی تھی۔ اس وقت ہندوستان میں سینکڑوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ تمام

زبانوں کو کوئی بھی نہیں جانتا یہ دوسری بات ہے کہ اردو عالمگیر زبان ہو گئی ہے اور ہر صوبہ میں بولی جاتی ہے۔ لادی ڈر کر پیچھے ہٹ گئی اور اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔ وحشی محافظ آگے بڑھ کر آیا اور کچھ کھانے کا سامان رکھ کر چلا گیا۔ آج پہلا موقعہ تھا کہ لادی کو اس بے قدری کے ساتھ کھانا ملا اسے پھر غصہ آیا لیکن وہ سمجھ گئی کہ غصہ کرنا لاحاصل ہے اگرچہ اُسے بھوک تو معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن کھانا کھانے کو جی نہ چاہتا تھا۔ وہ بیٹھی سوچتی رہی دیر کے بعد اس نے طے کیا کہ انسان اناج کا کیڑا ہے بغیر کھائے کیسے زندہ رہ سکتا ہے۔ اس نے تھوڑا کچھ کھانا کھایا اور خاموش ہو کر بیٹھی رہے گی۔ قیدیوں کے رات دن کٹنے مشکل ہو جاتے ہیں خصوصاً تنہا رہنے والوں کے چنانچہ لادی کا بھی ایک ایک لمحہ دوبھر ہو رہا تھا۔ مگر کیا کرتی مجبور تھی بیٹھی رہتی کبھی اٹھ کر ٹہلنے لگتی اور کبھی لیٹ جاتی وقت کا اسے کچھ پتہ ہی نہ تھا۔ قیدیوں کو رات دن میں صرف ایک مرتبہ کھانا دیا جاتا تھا چنانچہ اسے بھی صرف ایک ہی وقت دیا گیا تھا۔ دوسرے وقت اسے بھوک بھی نہ لگتی جب وہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو لیٹ گئی لیٹے لیٹے جب زیادہ دیر گزر گئی تو اسے نیند آنے لگی۔ ابھی آنکھ جھپکی نہ تھی کہ کچھ کھٹکا ہوا وہ سہم گئی اور سمٹ کر پڑ گئی۔ چونکہ وہ پڑی ہوئی تھی اس لئے اسے ایسا معلوم ہوا جیسے کہ کوئی کمرہ میں دبے قدموں آ رہا ہے وہ ہندو تھی اور ہندو بھوت پریت کے قائل تھے اس لئے وہ سمجھی کہ شاید کوئی بھوت آ گیا ہے اور وہ پھر رہا ہے اس خیال نے اسے اور بھی سہما دیا اس نے دہشت سے آنکھیں بند کر لیں دیر تک آنکھیں بند کئے پڑی رہی اور وہ قدموں کی چاپ سن رہی تھی ہر قدم اس کی طرف بڑھ رہا تھا۔ فرط خوف سے اس کی جان نکل رہی تھی۔ ڈرپوک آدمی اکثر ڈر سے آنکھیں بند کر لیا کرتے ہیں نہ معلوم اس سے کیا فائدہ سمجھتے ہیں اگر آنکھیں کھلی ہوں تو کسی خطرہ کا مقابلہ بآسانی کیا جا سکتا ہے اور جب آنکھیں ہی بند کر لی جائیں تو پھر کیا ہو سکتا ہے۔ لادی آنکھیں بند کئے خاموش پڑی تھی کہ کسی نے آہستہ سے پکارا۔ لادی کو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے بادل گرجا ہو وہ اچھل پڑی اتفاق سے اس کی آنکھیں کھل گئیں اس نے مدھم روشنی سی دیکھی وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ پھر کسی نے آہستہ لہجہ میں کہا۔ رانی تم جاگ رہی ہو۔ اب لادی کی نظر سامنے پڑی۔ سامنے طاہرہ ایک ہاتھ میں موم بتی لئے کھڑی تھی۔

لادی کو سخت حیرت ہوئی وہ جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گئی اس نے کہا طاہرہ تم ہو۔ طاہرہ نے ہاتھ اپنے منہ پر رکھتے ہوئے کہا آہستہ بولو۔ وہ بڑھ کر لادی کے پاس پہنچ کر ٹھہر گئی۔ لادی نے آہستہ سے کہا داہر نے کیا تم کو رہا کر دیا۔

طاہرہ۔ نہیں!

لادی۔ پھر تم یہاں کیسے آئیں۔

طاہرہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا بتادوں گی۔

لادی۔ ہاں بتاؤ مجھے معلوم ہے کہ اس قیدخانہ سے کبھی کوئی زندہ باہر نہیں نکلا ہے۔

طاہرہ۔ خدا میں سب کچھ قدرت ہے جب وہ مہربان ہوتا ہے تو دشمن بھی مہربان ہو جاتا ہے۔

لادی۔ تم پر کون مہربان ہوگا۔

طاہرہ۔ خدا کا ایک نیک بندہ۔

لادی۔ اور وہ کون ہے۔

طاہرہ۔ ایک پنڈت یا جوتشی

لادی۔ کہاں ہے۔

طاہرہ نے اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ سامنے کیا کھڑا ہے۔ لادی نے بجز طاہرہ کے اور کسی کو نہ دیکھا تھا اب طاہرہ کے اشارہ کرنے پر جب اس کی نظر اٹھی تو اس نے سامنے ایک بڈھے برہمن کو کھڑے ہوئے دیکھا۔ جونہی لادی کی نظر برہمن پر پڑی تو وہ جھک گئی۔

لادی نے اسے حیرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا کون؟

سیساگر نے کہا جی ہاں آپ کا خادم سیساگر ہی ہے۔

لادی۔ تمہارے دل میں کیسے دیا (مہربانی) آگئی؟

سیساگر۔ مجھے حضور کے قید کئے جانے کا حال معلوم نہ تھا۔ صرف اس عرب دوشیزہ کے قید ہو جانے کا حال معلوم تھا۔ چونکہ میں نجومی اور جوتشی ہوں۔ میں نے علم نجوم سے معلوم کر لیا کہ محمد قاسم سندھ کو فتح کرے گا اس لئے میں نے سوچا کہ اس لڑکی کو رہائی دلا کر مسلمانوں پر ایک احسان کر دوں تاکہ کسی وقت احسان کے صلہ میں مسلمانوں کی عنایات حاصل کر سکوں چنانچہ میں نے اسے رہا کر دیا۔ مگر اس نے بتایا کہ آپ بھی قید ہیں۔ مجھے بڑا افسوس ہوا اور میں اس کے ساتھ آپ کو بھی رہا کرانے چلا آیا۔

لادی۔ بڑی مہربانی کی آپ نے؟

سیساگر۔ مگر زیادہ مہربانی تو طاہرہ نے کی ہے۔

لادی۔ تو کیا آپ طاہرہ کو اور سے باہر نکال سکیں گے۔

سیساگر۔ ہاں میں نے دن میں ہی انتظام کر لیا تھا۔

لادی۔ اور میرے لئے؟

سیساگر۔ یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔

لادی۔ کیا میں بھی طاہرہ کے ساتھ چلی جاؤں؟

سیساگر۔ کوئی ہرج تو نہیں ہے۔

لادی۔ لیکن کیا!

سیساگر۔ یہ آپ کے لئے غیر مناسب ہے آپ راجپوتنی ہیں ایک مہاراجہ کی رانی ہیں اس طرح آپ کے چلے جانے سے قوم کی بدنامی ہے!

لادی۔ پھر کیا کروں؟

سیساگر۔ تم راجہ سے اپنا قصور معاف کرا لو!

لادی۔ ٹھیک ہے میں نے قید کرتے وقت راجہ سے کہا تھا کہ اگر میں بے قصور ہوں تو دیوی دیوتا میری امداد کرینگے اور مجھے رہا کرا دیں گے۔

سیساگر۔ اگر یہ دیوتاؤں ہی کی مہربانی ہے تو تم اس وقت رہا ہو رہی ہو۔

لادی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اچھا تو چلو طاہرہ بھی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔

سیساگر نے کہا۔ مگر مہاراجہ سے میرا اس عرب دوشیزہ کا کچھ ذکر نہ کرنا۔

لادی۔ اطمینان رکھو میں کچھ نہ کہوں گی لیکن محافظ؟

سیساگر۔ محافظوں کو کچھ بھی معلوم نہیں ہے وہ اپنی جگہ پہرہ پر موجود ہیں۔

لادی۔ پھر آپ قید خانہ میں کیسے داخل ہوئے۔

سیساگر۔ یہ تمام کمرے ایک خفیہ راستہ سے ایک کر دیئے گئے ہیں وہ راستہ راجہ کی خواب گاہ میں ختم ہو جاتا ہے۔

لادی۔ گویا آپ راجہ کی خواب گاہ میں داخل ہو کر آئے ہیں۔

سیساگر۔ ہاں

لادی۔ کیا راجہ ابھی خواب گاہ میں نہ آئیں۔

سیساگر۔ نہیں ابھی وہ ناچ دیکھ رہے اور گانا سن رہے ہیں۔

لادی ۔ تو جلدی چلئے کہیں وہ خواب گاہ میں نہ آجائیں ۔

سیساگر ۔ ہاں جلدی چلئے ۔

یہ تینوں چلے سیساگر نے بڑھ کر دیوار میں کوئی چیز دبائی تو دروازہ نمودار ہوا اور یہ تینوں اس
ے اندر داخل ہو گئے ۔ دوسری طرف ایک تنگ برآمدہ تھا جس کو طے کر کے ایک زینہ پر چڑھے
ان دیوار نے ان کا راستہ روک دیا ۔ سیساگر نے یہاں بھی کوئی چیز آہستہ سے دبائی دروازہ ظاہر ہوا
راس نے جھانک کر دیکھا اس طرف ایک وسیع کمرہ تھا ۔ جس میں سینکڑوں موم بتیاں جل رہی تھیں
ران سے تمام کمرہ روشن تھا ۔ یہ کمرہ داہر کی خواب گاہ تھا ابھی تک خالی پڑا تھا ۔ یہ تینوں آہستہ سے
رہ میں داخل ہوئے ۔ سیساگر نے دروازہ بند کر لیا اور اس کمرہ سے نکل کر ایک اور کمرہ میں پہنچ گیا ۔
دی اور طاہرہ دونوں اس کے ہمراہ تھیں یہاں پہنچکر اس نے کہا ۔ مہارانی مناسب ہے کہ اب
راجہ کے پاس جاؤ اور اسے حیران کر دو ۔ اس وقت وہ گانا سن رہے ہیں ۔ گانے کی مدھم آواز
رہی تھی ۔ کوئی عورت کہیں دور پر گا رہی تھی ۔ لادی نے کہا بہت اچھا اور طاہرہ !

سیساگر ۔ مگر میں اسے قلعہ کے باہر لے جا کر اپنے آدمیوں کے ساتھ نیرون بھیج دوں
ا کیونکہ معلوم ہوا ہے کہ محمد قاسم وہیں ہیں ۔

لادی ۔ بہت بہتر ہے طاہرہ آؤ مل تو لو !

طاہرہ بڑھی لادی نے اپنے سینہ سے اسے لگا لیا اس نے کہا طاہرہ بھول نہ جانا ۔ طاہرہ
نے کہا کبھی نہ بھولوں گی رانی ۔ سیساگر نے کہا وقت نازک ہے زیادہ دیر نہ لگاؤ ۔ لادی الگ ہو
گئی ۔ طاہرہ کو لے کر سیساگر کمرہ سے باہر چلا گیا لادی سے دیکھتی رہی ۔ جب وہ دور نکل گئی ۔
تب اس نے ٹھنڈا سانس بھرا اور وہاں سے چلی ۔



پنتالیسواں باب ۴۵

داہر کا استعجاب

راجہ داہر نے شب و روز بدکاریوں اور سیاہ کاریوں میں گذرتے تھے۔ وہ ہندو حسین لڑکی کو ہر ممکن کوشش کر کے حاصل کرتا تھا اگر جب اس نے کسی کو کسی سے طلب کیا اور اس نے انکار کر دیا تو وہ اس انکار کرنے والے کو قتل کرا دیا کرتا تھا۔ چنانچہ بھٹ نور بھی کئی آدمی اس نے ذبح کرا دیئے تھے یہ لوگ نشانہ ستم بنائے گئے تھے ان کے رشتہ دار داہر سے سخت ناراض ہو گئے تھے لیکن داہر کی طاغوتی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ اس کا مقابلہ کسی طرح سے بھی نہ کر سکتے تھے اسلئے وہ ڈرتے تھے اور ڈر کی وجہ سے مظالم برداشت کر رہے تھے۔ جب سے داہر نے لادی کو قید کیا تھا۔ اس وقت سے اس کے دل میں غم و فکر پیدا ہو گئے تھے اور غم دور کرنے کے لئے وہ رنگ رلیوں میں مصروف ہو گیا تھا آج بھی رات کے وقت ایک وسیع کمرہ میں بیٹھا تھا۔ کمرہ میں ریشم کے کپڑے کا فرش ہو رہا تھا اور ایک طرف نہایت خوب صورت مسند بچھی ہوئی تھی۔ جس پر کشیدہ کڑھا ہوا تھا۔ داہر مسند تکیہ کے سہارے سے بیٹھا تھا اس کے سامنے دس' پریجمال لڑکیاں بیٹھی تھیں وہ صرف انگیاں اور اس پر ساڑھی باندھے تھیں لیکن ساڑھی کے پلے اس طرح پہلو کے نیچے سے آ کر سامنے کی طرف سے سینہ پر ہوتے ہوئے کندھوں پر آ کر ختم ہو گئے تھے کہ ان کے سارے بدن کی اچھی طرح پردہ پوشی نہ ہو سکی تھی۔ بائیں طرف پیٹ اور کمر کے حصے سب نظر آ رہے تھے یہ تمام لڑکیاں حسین تھیں اچھی پوشاک پہنے اور آبدار موتیوں کے زیورات پہنے تھیں اس لئے اور بھی حسین معلوم ہو رہی تھیں کمرہ میں کافی روشنی ہو رہی تھی اور اس روشنی میں ہر ایک چیز جگمگا رہی تھی۔ لڑکیاں نہایت چنچل تھیں۔ بیٹھے بیٹھے بھی ان کی بوٹی بوٹی تھرک رہی تھی۔ داہر نہ صرف انہیں دیکھ ہی رہا تھا بلکہ ان سے چھیڑ خانی بھی کر رہا تھا وہ بھی خوب کھل کھل کر ہنس رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد داہر نے ناچ دیکھنے اور گانا سننے کی فرمائش کی۔

لڑکیوں نے ساز اٹھائے اور ان میں سے ایک نے گھنگھرو باندھ لئے ساز بجنا شروع ہوا۔ گھنگھرو باندھنے والی لڑکی ناچنے لگی۔ ناچنے والی نہایت ہوشیار تھی خوب داہر سے داد لی۔ اس نے دوران رقص میں گانا بھی شروع کر دیا۔ جیسا ناچی ویسا ہی گایا بھی۔ نہایت اچھا گلا تھا۔ شیریں آواز تھی۔ داہر جھوم رہا تھا وہ محو اور بے خود سا ہو رہا تھا۔ اب تک کئی مالائیں اسے انعام میں دے چکا تھا۔ جبکہ یہ بزم رقص و سرود گرم تھی اور راجہ داہر اندر بنا بیٹھا تھا اور گانا سن رہا تھا اس وقت ایک حسین لڑکی بغیر اطلاع کے کمرہ میں گھس آئی داہر اور تمام لڑکیوں نے اسے دیکھا۔ دیکھتے ہی ساز بند کر دیئے۔ ناچنا موقوف ہو گیا اور سب اسے حیرت سے دیکھنے لگے۔ خصوصاً راجہ داہر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔ نہایت غور اور بڑی حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ دیر تک دیکھتا رہا کچھ دیر کے بعد حیرت انگیز لہجہ میں بولا۔ کون رانی لادی؟

یہ پری پیکر لڑکی رانی لادی تھی۔ وہ چپ تھی اور راجہ کو بغور دیکھ رہی تھی۔ قدرت نے اسے حسین بنا دیا تھا۔ نہایت بھولا چہرہ اور معصوم نگاہیں عطا کی تھیں۔ اس نے نرم اور شیریں لہجہ میں کہا ہاں آپ کی داسی لادی ہے۔

داہر۔ تعجب ہے کس نے تم کو رہا کیا؟

لادی۔ ان دیوتاؤں نے جو مجھ پر مہربان ہیں۔

داہر حیرت واستعجاب کے عالم میں اٹھ کھڑا ہوا اس نے تحیر خیز انداز سے کہا۔ دیوتاؤں نے؟

لادی۔ جی ہاں

داہر نے خشونت بھرے لہجہ میں کہا غلط ہے فریب کار سینہ تم نے محافظوں کو دھوکہ دیا ہے۔

لادی۔ بھوسے راجہ اگر میں محافظوں کو دھوکہ دیتی اور محمد قاسم کے پاس جانا چاہتی تو آپ کے پاس کیوں آتی!

لڑکیاں محمد قاسم کا نام سن کر حیران ہوئیں داہر سر جھکا کر کچھ سوچنے لگا۔ سوچتا رہا اور کچھ دیر کے بعد اس نے سر اٹھا کر کہا۔ دیوتاؤں نے تجھے کیسے رہائی دی۔ لادی اب تک ان سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اس نے کہا کہ میں سو رہی تھی کچھ کھٹکا ہوا۔ میں سمجھی کہ آپ کو مجھ پر رحم آ گیا۔ میری آنکھ کھل گئی دیکھا تو تمام کوٹھڑی میں روشنی کیسی اور کہاں سے آ رہی ہے۔

ابھی میری حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ پھر کھٹکا ہوا۔ یہ کھٹکا چھت کی طرف سے ہوا تھا۔ میں اوپر دیکھنے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے چھت پھٹ گئی۔ سب فرط حیرت سے بت بنے کھڑے لادی کی گفتگو سن رہے تھے۔ داہر نے حیران ہوتے ہوئے کہا۔ چھت پھٹ گئی۔

لادی۔ جی ہاں اور اس میں سے ایک نورانی شخص اترتا ہوا نیچے آیا اور میں اس کی تعظیم کے لئے جھک گئی۔

داہر۔ کس قدر تعجب کی بات سنا رہی ہو تم

لادی۔ ابھی اور سنیئے سوامی۔

داہر اس کی طرف دیکھنے لگا۔ اس نے کہنا شروع کیا۔ وہ میرے پاس آکھڑے ہوئے اور نہایت ہی خوشگوار لہجہ میں کہنے لگے پتری تو بیاکل (بے چین) کیوں ہے۔ بے ساختہ میری زبان سے نکلا۔ ناتھوں کے ناتھ آپ پر سب کچھ پرگھٹ (روشن) ہے۔ انہوں نے کہا ابلاؤں (مصیبتوں) پر آپتیاں (مصیبتیں) آتی رہتی ہیں۔ میں نے کہا اسی لئے مجھے کچھ شکوہ نہیں ہے وہ بولے اچھا تو چل میں نے خوش ہو کر دریافت کیا کیا آپ کے ہمراہ آکاش (آسمان) پر چلوں؟

وہ۔ نہیں اپنے سوامی کے پاس

میں نے آزردہ ہو کر کہا۔ مگر میرے سوامی تو مجھ سے خفا ہیں انہوں نے کہا اب وہ تجھ سے خوش ہو جائیں گے میں نے کہا چلیئے انہوں نے میری ساڑھی کا آنچل پکڑ لیا۔ ناتھ میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی کہ ان کے ساتھ اڑنے لگی ہم دونوں اڑتے ہوئے چھت سے باہر نکل گئے۔ چھت پھر برابر ہو گئی انہوں نے مجھے اس کمرہ کے باہر اتار دیا اور خود اڑ سے چلے گئے۔ ناظرین سمجھ گئے ہوں گے کہ لادی نے جو افسانہ بیان کیا وہ ایک افسانہ سے زیادہ وقعت ہی نہ رکھتا تھا۔ مگر اس نے کچھ ایسے انداز سے بیان کیا کہ سب کو یقین آگیا البتہ داہر چونکہ اس سے مشکوک تھا۔ لہٰذا اسے شبہ ہی رہا۔ اس نے کہا وہ کوئی دیوتا تھے۔

لادی۔ اور کون ہوں گے سوامی؟

داہر۔ اچھا ٹھہر پہلے میں تصدیق کر لوں

لادی۔ کس سے تصدیق کریں گے آپ؟

داہر۔ محافظوں سے

لادی۔ محافظوں سے کچھ بھی معلوم نہ ہو سکے گا۔

داہر۔ مگر تو میرے ہمراہ چل!

لادی۔ چلئے۔

دونوں وہاں سے چل کر محافظوں کے پاس پہنچے۔ داہر نے اس محافظ سے جس کی حفاظت میں لادی کا کمرہ تھا کہا۔ تم کب سے پہرہ دے رہے ہو؟

محافظ نے جواب دیا۔ شروع رات سے۔

داہر۔ رانی کہاں ہے۔

لادی نے ساڑھی کے آنچل سے اپنا چہرہ چھپا رکھا تھا۔

محافظ۔ قید خانہ میں!

داہر۔ تم نے کسی کو چابی تو نہیں دی۔

محافظ۔ جی ہاں۔

داہر۔ اچھا چابی لاؤ۔

محافظ نے فوراً چابیاں داہر کے ہاتھ میں دے دیں داہر نے لے کر اس سے کہا۔ کمرہ کھولو اس نے پہلا کمرہ کھولا۔ دونوں اندر گئے پھر دوسرا کمرہ کھول کر داہر نے کہا روشنی لے جاؤ اور رانی کو بلا لاؤ۔ محافظ فوراً موم بتی اٹھا کر دوسرے کمرہ میں گیا وہ خالی تھا وہاں کوئی بھی نہ تھا۔ وہ اچھی طرح دیکھ بھال کر گھبرایا ہوا باہر نکلا۔ داہر نے پہلی ہی نظر میں دیکھ لیا کہ وہ سخت پریشان اور بدحواس تھا وہ آتے ہی داہر کے قدموں پر گر کر کہنے لگا۔ حضور رانی صاحبہ کمرہ کے اندر نہیں ہیں داہر نے ڈپٹ کر دریافت کیا۔ بتاؤ وہ کہاں گئی۔ محافظ نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا مہاراج اسے تو دیوی دیوتا ہی جان سکتے ہیں۔ داہر اس کی حالت دیکھ کر سمجھ گیا کہ اُسے کچھ بھی معلوم نہیں ہے اب اسے یقین آگیا کہ لادی کو کسی دیوتا نے ہی رہائی دلائی ہے وہ جلدی سے کمرہ سے باہر آیا اور رانی کے پیروں کی طرف جھکتے ہوئے بولا۔ پریہ (پیاری) مجھے گنہگار نہ بنایئے۔ داہر نے اٹھ کر کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ اچھا تم نے میرا قصور معاف کر دیا۔ میری خوشی سے کہہ دو کہ معاف کر دیا۔

لادی۔ کر دیا سوامی!

داہر نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ آؤ میری رانی! لادی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا اور دونوں داہر کی خواب گاہ کی طرف چلے۔

چھیالیسواں باب ۴۶

اسلام کی صداقت

جب بجہرا اس کا وزیر اعظم اور بہت سے ٹھاکر (افسر) مارے گئے اور سیسم میں لڑنے والوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو مسلمانوں نے ان کو اسیر کرنا شروع کر دیا دوپہر تک گرفتاریاں جاری رہیں اور ہر اس ہندو کو گرفتار کر لیا گیا جو مسلح تھے بہت سے ہندوؤں نے ہتھیار بھی اتار کر پھینک دیئے تھے لیکن انہیں ان کے بھائیوں ہی نے بتا بتا کر گرفتار کرا دیا۔ جب تمام لوگ گرفتار کر لیے گئے تب مسلمانوں نے ان سب مردہ ہندوؤں کو اٹھوا کر جلوایا اور مسلمانوں کو مسلمانوں سے جمع کرا کر نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دفن کرا دیا۔ اس جنگ میں تین ہزار ہندو اور ستر مسلمان مارے گئے۔ اس کام سے فراغت کر کے اس نے سپاہیوں کو کھانا کھانے کا حکم دیا سب پھیل کر کھانا پکانے لگے۔ جب کھانے سے فارغ ہوئے تو ظہر کی اذان کا وقت ہو گیا چند ایک آدمیوں نے مل کر اذان دی سب نے جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔ جبکہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ ہزاروں ہندو مرد اور عورتیں پاس آ آ کر حیرت سے دیکھنے لگے انہوں نے اس روز سے پہلے کبھی مسلمانوں کو نہ دیکھا تھا نہ کسی کو نماز پڑھتے دیکھا تھا ان کے خیال میں خدا کی عبادت کا یہ طریقہ عجیب تھا وہ تمام بت پرست تھے اور بتوں کو پوجتے تھے جس وقت مسلمان نماز پڑھ رہے تھے تو انکے سامنے کچھ بھی نہ تھا یعنی نہ بت تھے نہ پتھر اور نہ کوئی اور چیز یہ دیکھ کر اکثر عورتیں عورتوں کی طرف اشارہ بازیاں کر رہی تھیں کہ یہ کیسی نماز پڑھ رہے ہیں جب کہ ان کے سامنے بت نہیں۔ جب مسلمان نماز سے فارغ ہوئے تب محمد قاسم نے اسی جگہ جس جگہ نماز پڑھی تھی دربار منعقد کیا۔ تمام ہندوؤں کو بلایا جب سب آ گئے۔ تب محمد قاسم کھڑا ہوا اور اس نے کاکا سے کہا کہ کسی مترجم کو بلاؤ جو کہ میری تقریر کا ترجمہ اپنی زبان میں کر کے ان لوگوں کو سنائے فوراً ایک مترجم بلایا گیا اب محمد قاسم نے کہا۔ ہندو! دوستو میں سب سے پہلے اس خدا کی تعریف کرتا ہوں جس نے زمین و آسمان دنیا اور دنیا کی تمام اشیاء

پیدا کیں۔ وہ اس وقت سے ہے جب کچھ نہ تھا اور وہ اس وقت بھی رہے گا جب یہ دنیا مٹ جائے گی۔ آسمان روئی کے گالوں کی طرح اڑ کر غائب ہو جائے گا۔ زمین پھٹ جائے گی وہ تنہا ہے اس کی خدائی میں کوئی شریک نہیں ہے ہر کام کا حکم وہ خود دیتا ہے بغیر اس کے حکم کے ایک ذرہ بھی حرکت نہیں کر سکتا یہ بت جن کو تم دیکھتے ہو۔ نہ خدا ہیں نہ خدا تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں ان کو خدا سمجھ کر پوجتے ہو۔ اس خدا کو نہیں پوجتے جس نے تم کو بنایا اور تمہارے لئے دنیا کی ہر چیز بنائی یہ عقیدہ بھی ٹھیک نہیں ہے کہ انسان مرنے کے بعد گھوڑا۔ گدھا۔ کتا۔ بلی۔ کیڑے۔ مکوڑے وغیرہ بن جاتا ہے اور یہ کیڑے مکوڑے بلی آدمی بن جاتے ہیں اگر یہ بات ہوتی تو تمہارے اعتقاد کے مطابق یہ دنیا ہمیشہ قائم اور باقی رہتی اور انسان جون بدل کر گدھا اور گدھے سے انسان بنتا رہتا۔ قیامت کبھی نہ آتی نہ قیامت کے آنے کی ضرورت تھی اس لئے جب جون بدلنے سے اعمال کی سزا مل گئی تو قیامت کی ضرورت ہی کیا رہی لیکن تمہاری کتابوں میں لکھا ہے کہ جگ پریو (قیامت) بھی ہوگی نرگ (دوزخ) اور سورگ (بہشت) بھی ہے سمجھنے کی بات ہے کہ جب انسان نے اپنے اعمال کی سزا جون بدل کر پالی پھر دوزخ اور بہشت کس کام کی۔ قیامت کیوں ہوگی؟ میرے بھولے دوستو یہ چکر تمہارے بزرگوں نے اپنی ناسمجھی سے خود ہی قائم کر دیا۔ انہوں نے یہی سمجھا کہ انسان مر کر جانور اور جانور مر کر انسان بن جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے اگر وہ ذرا بھی غور کرتے تو ان کی سمجھ میں آجاتا کہ برسات میں اس قدر کیڑے مکوڑے اور حشرات الارض پیدا ہوتے ہیں کہ ان کا شمار ہی نہیں ہوتا کسی ایک ملک کے اگر تمام کیڑوں کو جمع کیا جائے تو وہ ساری دنیا کے انسانوں سے بھی کروڑوں زیادہ ہو جاتے ہیں اگر وہ انسانوں کی جون چھوڑ کر کیڑوں کی جون میں آجاتے تو انسانوں سے زیادہ نہ آتے اس کے علاوہ اگر جون ہی بدلنا ہوتا تو مرنے کے بعد فوراً ہی جون بدل لی جاتی۔ برسات کا انتظار کیوں کیا جاتا یہ کچھ نہیں محض ایک ڈھکوسلہ ہے۔ عقل مند آدمی جون کے چکر میں نہیں پھنس سکتا۔ پھر اس جون کے قائل صرف ہندو یا وہ لوگ ہیں جو ہندوستان سے شمال مشرق کی طرف چلے گئے ہیں دنیا میں اور بھی بہت سی اقوام آباد ہیں۔ لیکن کوئی بھی جون بدلنے کی قائل نہیں بلکہ جو اس عقیدہ کو سنتا ہے مضحکہ اڑاتا ہے دوستو خدا نے سب کارخانہ قائم کیا ہے وہی لائق پرستش ہے اس نے قیامت کا دن مقرر کر کے اپنے بندوں کو بتا دیا ہے کہ اگر تم بھٹک گئے تم نے میرے سوا کسی اور کو پوجا یا کوئی اور گناہ کیا تو قیامت کے دن تمہارے اعمال کا حساب لوں گا اور جس نے اچھے عمل کئے اسے جنت میں داخل کروں گا۔

اور گنہگاروں کو دوزخ میں دھکیل دوں گا۔ مسلمان خدا ہی کو پوجتے ہیں۔ میں استدعا کرتا ہوں کہ تم سب بھی خدا ہی کو پوجو۔ خدا کے پوجنے والے مسلمان کہلاتے ہیں تم بھی مسلمان ہو جاؤ جو لوگ مسلمان ہو جائیں گے وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کے بھائی بن جائیں گے اور خواہ کہیں بھی ہوں سارے مسلمان انہیں بھائی سمجھ کر ان کی مدد کریں گے۔

اس لمبی چوڑی تقریر کا یہ اثر ہوا کہ سینکڑوں روشن خیال ہندو مسلمان ہوئے انہیں فوراً رہا کر دیا گیا۔ اب محمد قاسم نے کاکا کو چاندی کی کرسی پر بٹھا کر اس کے سر تاج رکھا۔ جو بجھرا پہن کر مر گیا تھا۔ محمد قاسم نے کہا۔ کاکا ہمارا دوست ہو گیا ہے ہم پر اس کی مدد فرض ہو گئی ہے۔ ہم نے بجھرا کو مار کر کاکا کا راج اس سے چھین کر کاکا کے حوالے کر دیا ہے ہر شخص کو چاہیئے کہ وہ کاکا کی اطاعت کرے جو ذرا بھی اطاعت سے گزر کرے گا اس کے سر پر مسلمانوں کی تلواریں پھر بلند ہو جائیں گی۔ اس تاج پوشی کی رسم کے بعد محمد قاسم معہ تمام مسلمانوں کے قلعہ سے باہر نکل آیا اور قلعہ کے سامنے والے میدان میں مقیم ہو گیا۔ کاکو اور کاکا کو ہی کیا ہر ہندو کو خیال تھا کہ مسلمان سیسیم پر قابض ہو کر وہاں خود حکومت قائم کر لیں گے لیکن جب محمد قاسم نے کاکا کو راج حوالے کر دیا تو تمام ہندوؤں کو تعجب بھی ہوا اور وہ مسلمانوں کے شکر گزار بھی ہوئے بعض متعصب غیر مسلم مسلمانوں پر یہ الزام لگا رہے ہیں کہ انہوں نے اپنے مذہب کی تبلیغ تلوار کے زور سے کی اور ملک پر ملک چھین کر ان پر حکومت کی لیکن وہ ایک مثال بھی ایسی نہیں بتا سکتے کہ مسلمانوں نے فلاں ملک پر بلا وجہ حملہ کیا یا کسی کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا ہو۔ ہندوستان ہی کو لے لیجیے اس ملک پر سب سے پہلا حملہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ خلیفۂ سوم کے زمانہ میں کیا گیا۔ یہ حملہ اس وجہ سے ہوا کہ جب مسلمانوں نے ایران کو فتح کر لیا تو بہت سے ایرانی ہندوستان میں بھاگ آئے تھے اور یہاں کے سادہ لوح ہندوؤں کو برافروختہ کر کے مسلمانوں سے نبرد آزما کرانے کی تجویزیں کرنے لگے۔ مسلمانوں کو معلوم ہو گیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ہندوستان کے راجاؤں کو لکھا کہ وہ ایرانیوں کو اپنے ملک سے نکال دیں مغرور راجاؤں نے اس کا جواب نہایت نامناسب الفاظ میں دیا۔ چنانچہ مجبور ہو کر ان کا غرور ان کے سروں سے دور کرنے کے لئے سب سے پہلے مسلمانوں نے ۳۵ھ میں ہندوستان پر حملہ کیا۔ چونکہ غرض صرف اتنی تھی کہ ہندو ایرانیوں کو ہندوستان سے نکال دیں اور مسلمانوں کے حملہ کرتے ہی ہندوؤں کی شکست سے آنکھیں کھل گئیں اور انہوں نے ایرانیوں کو نکال دیا۔ اس لئے مسلمان واپس لوٹ گئے۔ دوسرا حملہ ۹۳ھ میں ہوا۔ جس کے متعلق ہم یہ ناول لکھ رہے اس کی بنائے فساد

ناظرین نے بخوبی سمجھ لی ہوگی۔ اسی طرح ہرقل اعظم پر جو عیسائیوں کا بادشاہ تھا اور ملک شام میں حکومت کرتا تھا۔ اس لئے حملہ کیا گیا کہ اس نے اس قاصد کو جو آنحضرت صلعم نے اس کے پاس بھیجا تھا قتل کرا دیا۔ قاصد کے قتل کا انتقام لینے کے لئے حملہ کیا گیا اور اس کے بعد جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا غرض کہ تاریخی طور پر یہ ثابت ہی نہیں کیا جا سکتا کہ مسلمانوں نے کسی ملک پر بلا وجہ حملہ کیا۔ چونکہ دعویٰ بے دلیل غلط ہوتا ہے اس لئے انصاف کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے دعادی کو غلط سمجھا جاوے۔ غرض کہ اس دن محمد قاسم نے قیام کیا اور دوسرے دن اس کا ارادہ بھٹ نور کی طرف پیش قدمی کرنے کا ہوا۔ بھٹ نور ایک چھوٹی سی ریاست سیسم سے آگے بڑھ کر ساموج اور قند ہابیل کے درمیان تھی۔ لیکن ابھی اسلامی لشکر نے کوچ نہ کیا تھا کہ راجہ بھٹ نور کا قاصد صلح کرنے کی غرض سے آیا اس کو راجہ نے ایک ہزار درہم چاندی خراج دینے اور ہمیشہ کے لئے اسلامی حکومت کا وفادار رہنے کے اقرار پر صلح کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ محمد قاسم نے منظور کر لیا اور صلحنامہ لکھ کر اس کے حوالہ کر دیا۔ وہ چلا گیا۔ جب مسلمانوں نے عصر کی نماز پڑھی تو ایک قاصد حجاج کا فرمان لے کر حاضر ہوا۔ ہم بیان کر آئے ہیں کہ حجاج نے ڈاک بٹھا دی تھی اور دوسرے دن محمد قاسم حجاج کو اور حجاج محمد قاسم کو خط لکھ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے۔ چونکہ تمام خطوط کو لکھنا طوالت تھی اور اس سے ناول کی ضخامت بڑھ جاتی اس لئے ہم نے ضروری خط کو لکھ دیا اور غیر ضروری کو چھوڑ دیا ہے مگر ان دونوں کی خط و کتابت محفوظ ہے محمد قاسم کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی قاصد آتا اور خط لاتا تو فوراً تمام مسلمانوں کے سامنے با آواز بلند پڑھ کر سنا دیا جاتا۔ چونکہ اس وقت تمام مسلمان بیٹھے ہوئے تھے اس لئے اس نے پڑھ کر سنانا شروع کر دیا لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے پیارے فرزند محمد قاسم مجھے تعجب ہے کہ تم نیرون سے الور جانے کے بجائے بدھیہ اور قند ہابیل کی طرف چلے گئے ہو ان اطراف میں بہت ہی چھوٹے چھوٹے راجہ ہیں پھر انہوں نے کوئی قصور بھی نہیں کیا ہے ان پر بلا وجہ لشکر کشی کرنا میں غیر مناسب سمجھتا ہوں۔ تمہارا کام تو راجہ داہر کو سزا دینا تھا اور اس کا غرور توڑنا ہے تم فوراً لوٹ آؤ اور دریائے مہران (سندھ) کو عبور کر کے الور پر حملہ کرو۔ داہر فتنہ جو اور دغا باز ہے! اس کی کسی بات پر اعتماد نہ کرنا۔ البتہ جو شخص بھی تم سے امان مانگے اسے امان دو۔ جو مسلمان ہو جائے اس سے نیک سلوک کرو اور مال غنیمت سے

اسے بھی حصہ دو۔ لڑنے والوں سے لڑو اور انہیں قتل کرو۔ مگر جو امن پسند شہری ہوں انہیں قتل مت کرو۔ نماز پڑھتے اور خدا سے ڈرتے رہو۔ ہر وقت اسی سے مدد طلب کرلو۔ وہی مدد دے گا۔ تم حق پر ہو انشاءاللہ فتح تمہاری ہی ہوگی اور تمام مسلمانوں سے میرا سلام کہہ دو۔

حجاج

اس خط کو سن کر تمام مسلمان خوش ہوئے محمد قاسم نے اسی وقت واپس لوٹ کر نیرون پہنچنے کا اعلان کر دیا۔ چنانچہ دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی لشکر نیرون کی طرف چل پڑا۔



سنتالیسواں باب ۴۷

الوداع

جب سیساگر طاہرہ کو لے کر راج محل سے باہر آیا تو طاہرہ نے اس سے کہا میں کس زبان سے آپ کا شکریہ ادا کروں سیساگر نے کہا۔ بیٹی طاہرہ میں نے جب سے سنا تھا کہ تو نیک اور پاک دامن ہے اور راجہ کی مرضی پر چلنے کے لئے تیار نہیں ہے میں اسی وقت سے تیری رہائی کے فکر میں تھا لیکن موقعہ نہ ملتا تھا۔ دوسرے میں یہ دیکھ رہا تھا کہ تو کہاں تک پاک دامن رہتی ہے۔ جب تجھے قید کر دیا گیا۔ تب میں نے کوشش کی اور تجھے نکال لایا۔ قید خانہ داہر کے باپ چچ نے تعمیر کرایا تھا۔ خفیہ راستہ یا تو وہ جانتا تھا یا بدھی من وزیر۔ مجھے اس وزیر سے ہی اس راستہ کا علم ہوا تھا داہر بھی اس راستہ کو جانتا تھا میں نے تیری روانگی کے لئے یہ انتظام کر دیا ہے کہ میرے دو معتمد شہر سے باہر تیرے منتظر ہیں تم ان کے ہمراہ نیرون چلی جانا۔ طاہرہ نے کہا کیا اسی طرح چلی جاؤں؟

سیساگر۔ اور کس طرح جانا چاہتی ہو۔

طاہرہ۔ آپ کا محل کس طرف ہے۔

سیساگر۔ اتر کی جانب ہے۔

طاہرہ۔ کتنی دور ہے؟

سیساگر۔ قریب ہی ہے

طاہرہ۔ کیا آپ مجھے چند دن وہاں چھپا سکتے ہیں۔

سیساگر۔ چند روز کیا میں عمر بھر چھپا سکتا ہوں۔

طاہرہ۔ اچھا تو آپ اس وقت مجھے اپنے محل میں لے چلیں۔

سیساگر۔ نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ کس لئے۔

طاہرہ۔ میں اس لباس میں جانا نہیں چاہتی!

سیساگر۔ کیا کسی ہندو کینا دوشیزہ کی پوشاک لاؤں۔

طاہرہ۔ نہیں!

سیساگر۔ اور

طاہرہ۔ میں مردانہ لباس میں جانا چاہتی ہوں۔

سیساگر۔ تو کیا کسی راجکنور کا لباس لاؤں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ راج کنور کا لباس تمہارے راجکنور لباس ہی کیا پہنتے ہیں محض ایک دھوتی۔

سیساگر۔ ہم ہندوستانیوں کا ایسا ہی لباس ہوتا ہے مگر دھوتی سے اوپر گلے تک موتیوں کے کنٹھوں اور مالاؤں سے تمام جسم ڈھکا رہتا ہے۔

طاہرہ نے شرماتے ہوئے کہا لیکن ایک عورت کنٹھوں اور مالاؤں سے کیسے اپنا جسم ڈھانپ سکتی ہے۔

سیساگر۔ ہاں نہیں چھپا سکتی پھر کیسا لباس چاہتی ہے تو۔

طاہرہ۔ عرب نوجوانوں کا۔

سیساگر۔ وہ تو یہاں نہیں مل سکتا نہ کوئی اس لباس کو تیار کرنا جانتا ہے۔

طاہرہ۔ تیار تو میں خود کر لوں گی آپ کپڑا تو مہیا کر سکتے ہیں۔

سیساگر۔ جیسا کپڑا مسلمانوں کے لباس کا ہوتا ہے ایسا اس دیس میں تیار نہیں ہوتا۔

طاہرہ۔ مگر جس کپڑے کا لباس میں اس وقت پہنے ہوں ایسا تو مل سکتا ہے۔

سیساگر۔ ایسا بھی نہیں مل سکتا کیونکہ اس قسم کے کپڑے صرف راجاؤں کے لئے تیار ہوتے ہیں اور راجہ ہی انہیں خریدتے ہیں

طاہرہ۔ اس سے گھٹیا قسم کا تو مل جائے گا۔

سیساگر۔ اچھا تم میرے ہمراہ چلو۔ میں کوشش کروں گا کہ اچھے سے اچھا کپڑا مل جائے لیکن . . . .

طاہرہ۔ لیکن کیا؟

سیساگر۔ تجھے اس کمرہ میں بند رہنا پڑے گا جس میں تجھے میں ٹھہراؤں گا۔

طاہرہ۔ مجھے منظور ہے۔

سیساگر۔ غالباً بیٹی تو سمجھ گئی ہو گی کہ اگر کسی نے تجھے میرے محل میں دیکھ لیا اور راجہ کو خبر کر

دی تو وہ فوراً مجھے قتل کرا دے گا۔ اس لئے میں نہیں چاہتا کہ تو کمرہ سے باہر نکلے اور کوئی تجھے دیکھے
طاہرہ۔ اطمینان رکھئے کوئی مجھے نہ دیکھ سکے گا جہاں آپ چاہیں گے وہیں رہوں گی۔
سیساگر۔ اچھا آؤ۔

طاہرہ اس کے ساتھ چلی۔ چونکہ ابھی رات تھی۔ بازار اور گلیاں سونی پڑی تھیں اس لئے راستہ میں انہیں کوئی بھی نہ ملا اور وہ بخیریت سیساگر محل میں داخل ہو گئی۔ یہ محل بھی وسیع تھا۔ مگر اتنا نہیں کہ جتنا راجہ داہر کا تھا سیساگر طاہرہ کو لے کر ایک طرف چلا اور ایک وسیع کمرہ میں داخل ہو کر بولا یہ کمرہ ایسا ہی ہے۔ جہاں تو چھپی رہ سکتی ہے لیکن اگر کسی وقت باہر نکل گئی اور کسی نے تجھے دیکھ لیا تو اس وقت سے میرے لئے جملہ مصائب کا دروازہ کھل جائے گا۔

طاہرہ۔ آپ اطمینان رکھئے میں ہرگز اس کمرہ سے باہر نہ نکلوں گا۔
سیساگر۔ اچھا تو بیٹھ جائیں کچھ روشنی لے آؤں۔
طاہرہ۔ روشنی کی ضرورت نہیں ہے۔

سیساگر۔ نہیں روشنی ضرور چاہیئے۔ یہ کمرہ ایک عرصہ سے بند پڑا ہے۔ کوئی کیڑا کانٹا وغیرہ نہ ہو۔ کمرہ میں اندھیرا چھایا ہوا تھا اور کچھ نظر نہ آتا تھا کہ کتنا لمبا چوڑا ہے۔ طاہرہ فرش پر بیٹھ گئی۔ سیساگر چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد ایک موم بتی لئے ہوئے آیا۔ اس روشنی میں طاہرہ نے کمرہ کو دیکھا کمرہ اچھا خاصا وسیع تھا۔ اس میں کپڑے کا فرش ہو رہا تھا۔ فرش پر ایک طرف مسند بچھی ہوئی تھی مسند پر تکیے لگے ہوئے تھے طاہرہ کو تعجب ہوا کہ ایسا کمرہ جو ضروری سامان سے آراستہ ہے بند کیوں پڑا ہے۔ چنانچہ اس نے سیساگر سے دریافت کیا۔ یہ کمرہ بند کیوں پڑا ہے۔ سیساگر کی آنکھیں پر نم ہو گئیں اس نے کہا پتری میری ایک بیٹی تھی۔ وہ اس کمرہ میں رہا کرتی تھی۔ اس کا انتقال ہو گیا اس وقت سے یہ کمرہ بند ہے مگر میں اسے خود ہر روز صاف کرتا ہوں۔ طاہرہ کو افسوس ہوا کہ اس نے کیوں ایسا ذکر چھیڑا جس سے سیساگر کے دل کو تکلیف پہنچی۔ اس نے کہا معاف کرنا میں نے آپ کے دل کو دکھانے والی بات پوچھی۔

سیساگر۔ میں جانتا تھا کہ تو پوچھیگی اچھا اب میں جا رہا ہوں صبح آؤں گا۔

سیساگر کے بشرہ سے ظاہر تھا کہ اسے اپنی لڑکی یاد آ گئی ہے اور وہ سخت غمزدہ ہو گیا چنانچہ وہ جلدی سے چلا اور کمرہ سے باہر نکل گیا اس کے چلے جانے کے بعد دیر تک طاہرہ بیٹھی افسوس کرتی رہی۔ جب وہ اٹھی تو آفتاب نکل آیا تھا۔ اسے افسوس ہوا کہ صبح کی نماز قضا ہو گئی۔ چونکہ وہاں پانی نہ تھا اور اسے وضو کرنا تھا۔ بغیر وضو کئے نماز نہ پڑھ سکتی تھی اس لئے اٹھ کر سوچنے لگی کہ پانی کیسے اور کہاں سے ملے۔ کچھ دیر کے بعد سیساگر آ گیا۔ وہ کئی قسم کے کپڑے لایا تھا۔ اس نے

آتے ہی کہا بیٹی میں تیرے واسطے کپڑے لایا ہوں۔ طاہرہ نے کہا۔ بڑی مہربانی کی آپ نے اس نے اس سے کپڑے لے کر دیکھے اور رکھ دیئے۔ سیساگر نے دریافت کیا۔ ٹھیک ہیں نہ یہ کپڑے؟

طاہرہ۔ جی ہاں ٹھیک ہیں۔

سیساگر اور کس چیز کی ضرورت ہے۔

طاہرہ۔ سب سے پہلے تو پانی چاہیئے مجھے وضو کر کے نماز پڑھنا ہے۔

سیساگر، اور پھر؟

طاہرہ۔ اور پھر سوئی دھاگے کی ضرورت ہوگی۔

سیساگر۔ اچھا میں ابھی لائے دیتا ہوں۔

وہ چلا گیا طاہرہ نے اس کے جاتے ہی کپڑے بہ تینے شروع کر دیئے تھوڑی ہی دیر میں سیساگر پانی اور سوئی دھاگہ لے کر آ گیا اور طاہرہ نے وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز پڑھ کر کپڑے سینے لگی سیساگر چلا گیا اور دوپہر کو خود ہی کھانا لے کر آیا۔ طاہرہ نے کھایا وہ چلا گیا۔ چند ہی روز میں طاہرہ نے دو جوڑے تیار کر لیے جو بالکل عرب مجاہدوں کے سے تھے جب کپڑے تیار ہو گئے تب اس نے سیساگر سے کہا آپ مجھے ایک ڈھال ایک تلوار۔ ترکش اور تیر کمان جو میرے قابل ہو فراہم کر دیجئے اور آج مجھے رخصت ہونے کی اجازت دیجئے۔ سیساگر کو طاہرہ سے اپنی بیٹی جیسی محبت ہو گئی تھی اور اب وہ نہیں چاہتا تھا کہ طاہرہ اس کے پاس سے جائے۔ چنانچہ اس نے کہا بیٹی اب تو یہاں سے نہ جا۔ میرے ہی پاس رہ۔ میں تیری ہر طرح سے حفاظت کروں گا۔

طاہرہ نے کہا میرے محسن میرے یہاں رہنے سے آپ کے لئے خطرہ ہے۔ دوسرے میں جہاد میں شریک ہونا چاہتی ہوں اس لئے مجھے جانے سے نہ روکئے۔

سیساگر نے افسردہ دلی سے کہا۔ اچھا میں سب کچھ فراہم کر دوں گا کاش میں تم سے محبت نہ بڑھاتا۔

طاہرہ۔ میں چند روز کے لئے جا رہی ہوں اور پھر اگر زندگی ہے تو آپ کے ساتھ رہوں گی۔

سیساگر نے خوش ہوتے ہوئے کہا یہ تیرا وعدہ ہے۔

طاہرہ۔ جی ہاں

سیساگر۔ اچھا میں آج ہی سب چیزیں مہیا کر دوں گا۔

طاہرہ۔ ایک رہبر کی ضرورت ہوگی۔

سیساگر۔ نہ صرف ایک بلکہ کئی محافظ ساتھ کردوں گا۔

طاہرہ۔ نہیں صرف ایک شخص کو ساتھ کر دیجئے اور اس سے کہہ دیجئے کہ ایک نوعمر عربی لڑکا نیرون سے آیا تھا۔ وہ واپس جانا چاہتا ہے۔

سیساگر۔ اچھا!

وہ چلا گیا۔ رات کے وقت واپس آیا۔ اس وقت طاہرہ نے اپنا لباس سی لیا تھا۔ ایک ڈھیلی آستینوں والا لمبا جبہ پہن لیا تھا۔ اس کے نیچے ازا۔ (شلوار) تھی سر پر عمامہ تھا۔ عمامہ کے اوپر ایک رومال تھا جو سینے پر آ کر رک گیا تھا۔ وہ اچھی خاصی ایک نوعمر عربی لڑکا بن گئی۔ سیساگر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اس لباس میں وہ مطلق بھی نہ پہچان سکا اس نے کہا طاہرہ خوب بھیس بدلا ہے تو نے۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا اب کوئی مجھے لڑکی تو نہ سمجھے گا۔

سیساگر۔ بالکل نہیں۔

اب طاہرہ نے ڈھال پشت پر لٹکائی۔ اس پر ترکش ڈالا۔ کمان شانے پر ڈالی اور تلوار کمر میں لگائی۔ اس طرح سے وہ پورا نوعمر مجاہد بن گئی تھی۔ سیساگر اسے دیکھ کر حیران رہ گیا۔ جب رات زیادہ گزر گئی تو سیساگر اسے اپنے ہمراہ لے کر چلا۔ طاہرہ نے وہ جوڑا جو وہ پہنے تھی اور ایک ایسا ہی مردانہ جوڑا جیسا کہ اس نے اب پہنا تھا دونوں باندھے اور کمر سے لٹکا لئے وہ سیساگر کے ہمراہ چلی محل سے باہر نکلی دونوں خاموشی سے چل کر قلعہ کے دروازہ پر آئے۔ چونکہ سیساگر وزیر اعظم تھا۔ اس لئے پہرہ داروں نے اس سے کسی قسم کی باز پرس نہ کی اور وہ طاہرہ کو ہمراہ لے کر قلعہ سے باہر نکل آیا۔ دونوں خاموشی سے چلتے رہے جب قلعہ سے زیادہ دور نکل گئے تب سیساگر رک گیا اور اس نے آواز دی رنجیت۔

تھوڑی ہی دیر میں ایک ادھیر عمر کا ہندو دو گھوڑوں کی باگیں پکڑے آیا اور اس نے کہا حاضر ہوں۔ سیساگر نے کہا یہ ہے وہ لڑکا جو کہ نیرون جانا چاہتا ہے تم اسے پہنچا کر اور اس کی چھٹی لے کر آیا۔ تجھے انعام دے کر مالا مال کر دوں گا۔

رنجیت نے کہا۔ بہت اچھا۔ سیساگر نے طاہرہ کے سر پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ اچھا رخصت الوداع! وہ گھوڑے پر سوار ہوئی دوسرے پر رنجیت سوار ہوا اور دونوں روانہ گئے۔ دیر تک سیساگر وہاں کھڑا دیکھتا رہا۔ جب وہ دور نکل گئے۔ تب وہ ٹھنڈا سانس بھر کر واپس ہوا۔



اڑتالیسواں باب ۴۸

پیشنگوئی

راجہ داہر عیش و عشرت میں مشغول تھا اس کے گرد ہر وقت سیم تن لڑکیوں کا مجمع رہتا تھا۔ شب و روز ناچ اور گانا دیکھتا اور سنتا رہتا تھا۔ مورخ اس کی تعیشانہ زندگی پر پردہ ڈالنے کے لئے لکھتے ہیں کہ وہ اس لئے داد عیش دے رہا تھا تاکہ اس کی رعایا اور مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ مسلمانوں کی حملہ آوری سے متفکر اور پریشان نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کی پرکاہ کے برابر بھی پرواہ نہیں کرتا۔ حالانکہ یہ بات نہ تھی۔ دراصل وہ عیش پسند تھا۔ حریص حسن تھا اور ہر وقت حسین لڑکیوں سے اختلاط کرتا تھا۔ یا شاید وہ اس لئے داد عیش دے رہا تھا کہ اسے اپنا تباہ خیز انجام قریب نظر آ رہا تھا۔ سمجھتا تھا کہ شاید تباہی سر پر آ گئی ہے پھر کیوں نہ دل کے ارمان پورے کرے ٹھیک اسی طرح جیسے کہ شرابی شراب کو قابل نفرت چیز سمجھتے ہوئے بھی اور یہ بھی جانتے ہوئے کہ شراب اس کی صحت کو تباہ کر کے رفتہ رفتہ اسے موت کی آغوش میں کھینچے لئے جا رہی ہے شراب پیتا ہے بلکہ اپنا عبرتناک انجام قریب دیکھ کر اور بھی کثرت سے شراب پینا شروع کر دیتا ہے اور آخر اس کی جان شراب کی ہی نذر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح داہر سمجھ رہا تھا کہ مسلمان اس کا ملک چھیننے اور اسے قتل کرنے کے لئے حملہ آور ہوئے ہیں۔ یہ سمجھتے ہوئے بھی وہ مشغول عشرت تھا۔ اگر وہ عقلمند ہوتا تو ضد کرنے کے بجائے مسلمانوں کو جنہیں اس کے سپاہیوں نے اپنی حماقت سے قید کر لیا تھا چھوڑ دیتا اور اگر اس کی راجپوتی شان اس کی اسے اجازت دیتی تو جنگ کی تیاری کرتا اور بزم عیش چھوڑ کر میدان کارزار میں جا پہنچتا۔ لیکن ایک عشرت پسند انسان کی دلیری کو زنگ لگ جاتا ہے اور وہ بزدل بن کر موت سے ڈرنے لگتا ہے۔ داہر بھی بزدل بن گیا تھا اور اس کا شغلہ بجز عیش و عشرت کے اور کوئی باقی نہ رہا تھا۔

ایک دن جب کہ محفل رقص و سرود گرم تھی۔ پچاس ساٹھ مہ جبیں لڑکیاں نیم برہنہ لباس میں

اس کے گرد دہ بیٹیں موجود تھیں اور ان کے تنویر حسن سے تمام کمرہ جگمگا رہا تھا۔ داہر مسند پر بیٹھا ناچ اور گانا سن رہا تھا۔ سیساگر تین آدمیوں کو لئے کر حاضر ہوا اور اس نے نہایت ادب سے جھک کر اسے سلام کیا۔ ناچ و گانا بند ہو گیا۔ داہر نے کہا آیئے وزیر اعظم صاحب کہئے اس وقت کیسے آئے۔

سیساگر ایک طرف بیٹھ گیا۔ اس نے کہا۔ مہاراج غالباً حضور نے سن لیا ہوگا کہ محمد قاسم دیبل نیرون، سوستان، بدہیہ اور قندابیل فتح کر لئے ہیں۔

داہر۔ ہاں ہم نے سن لیا۔

سیساگر۔ معلوم ہوا ہے کہ محمد قاسم قندابیل اور بدہیہ سے واپس لوٹ کر نیرون میں آگیا ہے۔

داہر نے ہنستے ہوئے کہا اب وہ ملک عراق یا اور کہیں واپس جانا چاہتا ہے۔

سیساگر۔ نہیں حضور!

داہر۔ تو کیا نیرون میں ہی قیام کرنے کا ارادہ ہے۔

سیساگر۔ ان داتا نہیں

داہر۔ پھر اس کا کیا ارادہ ہے۔

سیساگر۔ وہ دریائے مہران کو عبور کر کے الور پر حملہ کرنے کی فکر میں ہے۔

اب تک داہر تکیہ کے سہارا سے بیٹھا ہوا تھا اب وہ چونک کر خوفزدہ لہجہ میں گویا ہوا الور پر حملہ کرنے کی فکر میں ہیں؟

سیساگر۔ جی ہاں۔

داہر۔ جب تو اس کی گستاخی اور جرأت حد سے بڑھ گئی ہے۔

سیساگر۔ یہی بات ہے مہاراج اب اس بزم عشرت اور محفل رقص و سرود کو بند کیجئے ملک سخت خطرہ میں پھنس گیا ہے اسے بچایئے۔

داہر نے جوش میں آ کر کہا۔ بچاؤں گا۔ اس نے پری جمال لڑکیوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ چلی جاؤ تم سب انسان کو حیوان بنا دینے والی خوب صورت تصویرو چلی جاؤ۔ تمام لڑکیاں ایک ایک کر کے چلی گئیں۔ اب اس نے تمام ارکان سلطنت اور منجموں کو بلایا۔ سیساگر نے بہت اچھا کہا اور اٹھا۔ داہر نے دریافت کیا کہ یہ آدمی کون ہے؟ سیساگر نے کہا یہ بیت کے رہنے والے ہیں محمد قاسم کے بڑھنے کی خبر لے کر آئے ہیں؟

داہر۔ بیت میں موکہ راجہ ہے اسے بچایئے۔

سیساگر۔ وہ مقابلہ کی تیاریوں میں مصروف ہے۔

داہر۔ مجھ سے تو وہی اچھا رہا خیر پرواہ نہیں اب ارکان سلطنت اور جوتشیوں کو بلائیں اتنے میں ایک مسلم دوشیزہ کو بلا کر قتل کرا دوں جس کی وجہ سے مسلمان حملہ کر کے آ رہے ہیں سیساگر خوب جانتا تھا کہ وہ لڑکی روانہ بھی ہو چکی ہے مگر اس نے اس کا ظاہر کرنا مناسب نہ سمجھا اور کہا ضرور قتل کرا دیجئے اسے سیساگر چلا گیا داہر اٹھ کر قید خانہ پر پہنچا اور اس کمرہ کو کھلوا کر جس میں اس نے طاہرہ کو قید کیا تھا۔ اندر گیا دوسرا کمرہ کھلنے پر اس نے کہا۔ طاہرہ آؤ۔ اسے یقین تھا کہ طاہرہ وہاں ہوگی۔ مگر جب جواب نہ آیا تو وہ حیران ہو کر کمرہ کے اندر گیا۔ وہاں اندھیرا تھا اس نے محافظ کو روشنی میں دیکھا کمرہ خالی پڑا تھا وہاں طاہرہ نہ تھی اسے بڑا تعجب ہوا اس نے محافظ سے دریافت کیا کہاں گئی طاہرہ محافظ کا بھی دم خشک ہو رہا تھا اس نے کہا میں کیا بتاؤں حضور!

داہر۔ کیا تم نے اسے نکلتے ہوئے نہیں دیکھا۔

محافظ۔ نہیں حضور۔

داہر۔ تعجب ہے اس میں مجھے تیری شرارت معلوم ہوتی ہے۔

محافظ نے پاؤں پر گرتے ہوئے کہا۔ حضور میں بالکل بے قصور ہوں داہر کچھ سوچنے لگا۔ رنج کر واپس لوٹا۔ جب اس کمرہ کے قریب پہنچا جس میں سے اٹھ کر آیا تھا تو سیساگر ملا داہر نے کہا۔ وزیر طاہرہ غائب ہو گئی۔ سیساگر نے کہا حضور وہ مسلمان بھی اور مسلمان جادوگر ہوتے ہیں۔ یقیناً وہ بھاگ گئی ہوگی فکر نہ کیجئے داہر سیساگر کے ہمراہ کمرہ میں آیا اس وقت تمام ارکان سلطنت اس کا بیٹا جے سیاہ اور کئی پنڈت بیٹھے تھے داہر کو دیکھتے ہی وہ تمام اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی تعظیم کے لئے جھک گئے داہر مسند پر جا بیٹھا اس کے قریب ہی سیساگر بیٹھ گیا ان دونوں کے بیٹھ جانے پر تمام درباری اور پنڈت بھی بیٹھ گئے۔ داہر نے جوتشیوں سے پوچھا اور کہا کہ تم اپنے علم سے دیکھو اور بتاؤ کہ اگر مسلمانوں سے میں لڑوں تو فتح کس کی ہوگی۔ پنڈتوں نے پوتھیاں سنبھالیں اکثر نے رول پر لپٹا ہوا کپڑا کھولنا شروع کیا۔ وہ کھولتے جاتے تھے اور حساب لگاتے جاتے تھے۔ دیر کے بعد انہوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ مشورہ کر کے پھر حساب لگایا۔ دو تین مرتبہ اس طرح کرنے کے بعد ایک بڈھے منجم نے کہا۔ اندا تا بہتر ہے کہ حضور اس بات کو دریافت نہ کریں۔ داہر نے کہا نہیں میں پوچھوں گا اور تمہیں بتانا ہوگا۔

منجم۔ مہاراج علم تو ہمیں یہ بتاتا ہے کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔

داہر اور تمام ارکان سلطنت چونک پڑے داہر نے غضب ناک ہوتے ہوئے کہا۔
کم بختو کیسی بدشگونی کی بات کہی تم نے؟ منجموں نے ہاتھ جوڑ کر کہا ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ حضور اس بات کو دریافت ہی نہ کریں۔

داہر۔ گویا فتح مسلمانوں کی ہوگی؟

منجم۔ جی ہاں۔

ایک آواز آئی اور یہ بالکل ٹھیک ہے سب نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو سامنے جوگنی کھڑی تھی۔ سب نے اس کے سامنے سر جھکا دیئے۔



انچاسواں باب ۴۹

راج ہٹ

جوگنی سے سب ڈرتے تھے اور اس لئے اس کی تعظیم کرتے اس کی بابت مشہور تھا کہ وہ دم کے دم میں سراندیپ ہو آتی ہے روزانہ گنگاجی میں اشنان کرنے جاتی ہے اور سندھ میں بھی ہر وقت ہر جگہ موجود رہتی ہے اس وقت بھی جوگنی کے الجھے ہوئے غبار آلود بال اس کے کندھوں اور کمر پر بکھرے ہوئے تھے مگر اس وقت خلاف معمول اس کے چہرہ سے حزن و ملال کے آثار ظاہر ہو رہے تھے۔ سیساگر نے اس سے کہا ماتاجی کیا مسلمانوں کی فتح ہو گی۔ جوگنی نے کہا ہاں بالکل اسی طرح[1] جس طرح رام چندرجی نے راون پر فتح پائی۔

سیساگر۔ مگر راون تو ستیاجی کو لے گیا تھا۔

جوگنی۔ راجہ داہر مسلمانوں کو اسیر کر لائے ہیں۔

---

[1] چندرجی راجہ دسرتھ کے بڑے بیٹے تھے دسرتھ اجودھیا میں حکمران تھا اس کے کئی رانیاں تھیں اور اور کئی رانیوں سے کئی اولاد تھی۔ رانی کئی سب سے چھوٹی اور حسین رانی تھی وہ اسے سب سے زیادہ چاہتے تھے اس نے رام چندرجی کو چودہ برس کا بن باس دلایا تھا تاکہ اس کے بعد رانی کا بیٹا بھرت تخت حاصل کرے رامچندر جی اپنے بھائی لچھمن اور اپنی ستیاکو لے کر گئے اور جنگل میں رہنے لگے اس زمانہ میں راون لنکا کا راجہ تھا وہ وہ ستیاجی کی خوبصورتی کی تعریف سن کر آیا اور دھوکہ دے کر انہیں اٹھا لے گیا رامچندرجی کو بے حد رنج ہوا اور وہ ان کے فراق میں گھومتے پھرے آخر انہیں معلوم ہو گیا کہ راون لے گیا چنانچہ انہوں نے بندروں اور ریچھوں کی فوج لے جا کر حملہ کیا اور اسے مار کر اپنی بیوی ستیاجی کو چھڑا لائے۔ جب وہ اجودھیا واپس آئے تو لوگوں نے ستیاجی کی پاک دامنی پر شبہ کیا چنانچہ ستیاجی کو آگ میں بیٹھ کر اپنی غنیمت آبی امتحان دینا پڑا۔ اور وہ اس میں رکھی گئی مگر فوراً ہی ملک میں قحط پڑ گیا (بقیہ صفحہ ۲۷۹ پر دیکھو)

داہر نے جوگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو کیا ہمیں جنگ نہ کرنا چاہیئے۔

جوگنی۔ جس جنگ کا نتیجہ تباہی اور بربادی ہو اس سے کیا فائدہ ہے۔

داہر۔ کچھ ہو میں ضرور لڑوں گا۔

جوگنی۔ افسوس تم اب بھی ضد نہیں چھوڑتے تم اپنی جاتی (قوم) تباہ کرانے پر تلے ہوئے ہو چاہتے ہو کہ بھارت درش کا ناش ہو جائے۔

داہر۔ اطمینان رکھو بھارت درش کا ناش نہ ہوگا۔ جاتی تباہ نہ ہوگی بلکہ مسلمانوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

جوگنی۔ کاش ایسا ہوتا۔

داہر نے جوش میں آکر کہا ایسا ہی ہوگا۔

جوگنی۔ جو مجھے معلوم ہے اور راجہ جو کچھ ان منجموں کو اپنے علم سے معلوم ہو گیا ہے اگر تم کو بھی یہ معلوم ہو جاتا تو لڑائی کا نام نہ لیتے۔

داہر۔ میں راجپوت ہوں اور راجپوت لڑنے سے نہیں گھبرایا کرتے!

جوگنی۔ افسوس تم اپنی قوم اور اپنے ملک کی پرواہ نہیں کرتے اور اگر سچ پوچھو تو اپنی بھی پروا نہیں ہے۔

داہر۔ بے شک اب مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

جوگنی۔ کیا تم اپنا اپنے ملک کا اور اپنی قوم کا انجام دیکھنا چاہتے ہو؟

داہر۔ میں جادوگروں کی کوئی بات دیکھنا نہیں چاہتا۔

جوگنی کو اس کی بات سخت ناگوار گزری۔ اس نے کہا نہ دیکھو لیکن جب دریا کے اندر تمہارا ہاتھی گھس جائے اور موت تم کو آگھیرے اس وقت مجھے یاد کرنا شاید میں تم کو بچا سکوں۔ یہ کہتے ہی جوگنی چلی گئی۔ اس کی یہ باتیں سن کر تمام لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد داہر قہقہہ لگا کر ہنس دیا اور اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ مجھے ڈرانا چاہتی ہے لیکن نہیں جانتی کہ میں ڈرنے والوں میں سے نہیں ہوں سیساگر نے کہا لیکن مہاراج جب جوتشی بھی وہی کہہ رہے ہیں جو ماتا جوگنی کہہ

(نوٹ صفحہ ۷۸ سے پیوستہ) اس سے رام چندر جی کو دل میں ستیا جی کی پاک دامنی میں پھر شبہ ہوا اور انہوں نے انہیں نکال دیا۔ مگر تھوڑے ہی عرصے کے بعد رام چندر کے دل میں ستیا جی کی محبت نے پھر شعلہ مارا اور انہوں نے دریا میں غرق ہو کر جان دے دی۔ (صدیقی)

رہی ہے تو جنگ ملتوی کر دینا چاہیئے۔

داہر نے غصہ بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ کبھی نہیں ایک راجپوت اپنی آن قائم رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ بلیدان دے دیتا ہے داہر اپنے آپ کو راجپوت کہا کرتا تھا۔ حالانکہ وہ آدھا راجپوت اور آدھا برہمن تھا۔ راجپوت تو اس لئے کہ اس کی ماں راجپوتنی تھی اور برہمن اس لئے کہ اس کا باپ برہمن تھا۔ سیساگر نے کہا جب یہ خیال ہے تو دیر نہ کیجئے۔ فوراً لشکر لے کر مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے چلیئے۔

داہر۔ یہ ہے بہادری کی بات (اراکین سلطنت سے خطاب کر کے) کہو تمہاری۔
ایک آدمی نے کہا اندتا رائے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں ہے جب آپ جنگ کا فیصلہ کر چکے ہیں تو چلیئے ہم سب ساتھ ہیں۔

داہر۔ مگر دل سے تم بھی لڑائی کو اچھا نہیں سمجھتے۔

وہی شخص۔ صحیح بات یہ ہے کہ مقابلہ ہے مسلمانوں سے اور مسلمان وہ قوم ہے جس کی بہادری کا ڈنکہ تمام دنیا میں بج رہا ہے ایران جیسی زبردست سلطنت کو انہوں نے فتح کر لیا ہے شام اور عراق کی حکومتوں کا انہوں نے تختہ الٹ دیا ہے ان سے جنگ کرنا ہنسی کھیل نہیں ہے اس کے علاوہ جوتشیوں کو ان کا علم بھی یہی بتا رہا تھا کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی لیکن ان باتوں کو دیکھتے اور سمجھتے ہوئے بھی اگر آپ لڑائی کے لئے تیار ہیں تو ہم بھی آمادہ ہیں۔

داہر۔ ٹھیک ہے اپنے ملک اپنی قوم اور اپنے راجہ کی آن کو برقرار رکھنے کے لئے سینہ سپر ہونا چاہیئے اب یہ بتاؤ کہ محمد قاسم کو مہران سے اس طرف اترنے دیا جائے یا ہم دریا کے پار پہنچیں؟
سیساگر۔ ہمیں خود ہی دریا کے پار اترنا چاہیئے اس لئے کہ اگر محمد قاسم دریا پار آگیا تو رعایا پر برا اثر پڑے گا۔

ایک راجپوت۔ مناسب یہی ہے۔

داہر۔ یہ کیسے مناسب ہو سکتا ہے اگر محمد قاسم دریائے مہران پار کر کے اس طرف آجائے۔ تو اس کے سامنے ہمارا لشکر اور پشت پر عظیم الشان دریا ہوگا۔ اس سے وہ گھبرا جائے گا۔ اور پھر فتح تمہاری ہوگی۔

سیساگر۔ جو ہماری سمجھ میں آتا ہے وہ ہم کہہ دیتے ہیں اگر یہی مناسب ہے کہ محمد قاسم دریا کو پار کر کے آجائے تو ایسا ہی کیجئے۔

داہر۔ ہاں میں بھی یہی مناسب سمجھتا ہوں اچھا لشکر تیار کرو۔ لیکن جے سیاہ تم کچھ لشکر لے کر کل ہی روانہ ہو جاؤ۔

جے سیاہ نے جھک کر کہا بہت اچھا۔

داہر۔ اپنے ہمراہ کافی ہاتھی لے جانا۔

جے سیاہ۔ بہتر ہے۔

ایک بڈھے جوتشی نے کہا۔ اندا تا جب آپ لڑائی کے لئے جا رہے ہیں تو رانیوں کو بھی ہمراہ لے جائیے۔

داہر۔ میرا خود بھی یہی خیال تھا بلکہ کچھ کنیزوں کو بھی لے جاؤں گا۔

جوتشی۔ خیر کنیزوں کو آپ لے جائیں یا نہ لے جائیں مگر رانیوں کو میدان جنگ میں لے جاتے رہے ہیں۔

داہر۔ اچھا اے ملک وقوم کے بہی خواہو اب تیاریاں شروع کر دو اور ایک ہفتہ کے اندر اندر روانہ ہونے کے لئے تیار ہو جاؤ۔

بہت بہتر سب نے کہا اور راجہ کو سلام کر کے اٹھ اٹھ کر چلے گئے ان کے لوا س (شاہی محل) سے باہر جاتے ہی لوگوں کو معلوم ہو گیا کہ راجہ مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے مع اپنی رانیوں کے جانے والے ہیں لوگوں کو بڑا فکر ہوا در اصل مسلمانوں سے لڑنا کوئی بھی پسند نہ کرتا تھا۔ لیکن راج ہٹ مشہور ہے داہر کی ضد کے سامنے کسی کی بھی پیش نہ جاتی تھی اور لوگ مارے باندھے تیاریاں کر رہے تھے۔ دوسرے دن علی الصباح داہر کا بیٹا جے سیاہ پندرہ ہزار لشکر جرار اور تقریباً سو ہاتھی لے کر نہایت شان سے الور سے نکلا اور دریائے مہران کی طرف روانہ ہوا راجہ داہر اسے دور تک پہنچانے آیا جب وہ کئی میل نکل آیا تب راجہ لوٹ کر الور چلا گیا۔



پچاسواں باب ۵۰

مصالحت

محمد قاسم معہ مجاہدین اسلام کے سیسم سے روانہ ہو کر نیرون آگیا سامنی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی یہاں بہت سے ہندو مسلمانوں کے اخلاق و عادات طریقہ عبادت دیکھ کر خود بخود مسلمان ہو گئے۔ چنانچہ ان کے لئے ایک مسجد کی بنیاد ڈال دی اور ہندوستان میں یہ سب سے پہلی مسجد بنائی گئی تھی ابھی مسجد کی تعمیر جاری تھی کہ لشکر اسلام نے دریائے سندھ کی طرف کوچ کر دیا۔ چونکہ اب تک ہر جگہ مسلمانوں کی فتح ہوتی رہی تھی اس لئے ہندوؤں پر ان کی ہیبت چھا گئی اور وہ مسلمانوں کی صورتیں دیکھنا تو کجا ان کے آنے کی خبر سنتے ہی اپنا سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر بھاگ پڑتے تھے۔

چنانچہ جس طرف سے اسلامی لشکر گزرا آبادیاں غیر آباد ملتی چلی گئیں مسلمان بھی نہایت اطمینان کے ساتھ کوچ و قیام کرتے دریائے سندھ کی طرف بڑھتے رہے آخر ماہ محرم ۹۳ھ کو وہ قلعہ اشتہار کے سامنے پہنچے یہ قلعہ نہایت مضبوط اور وسیع تھا۔ ہندوؤں نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا اور فصیل پر فوج تعینات کر دی۔ محمد قاسم نے قلعہ کے سامنے لشکر کو ٹھہرا کر دوسرے ہی دن سے اپنے کیمپ کے گرد خندق کھودوانا شروع کر دیا۔ ہندو قلعہ کے اوپر سے مسلمانوں کو خندقیں کھودتے ہوئے دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ مسلمان خندقیں کیا کھود رہے تھے قلعہ اشتہار کے سامنے ایک کچا قلعہ بنا رہے تھے ہندوؤں نے سمجھ لیا کہ مسلمانوں کا ارادہ یہاں چھاؤنی ڈال کر رہنے کا ہے اس خیال سے انہیں بڑی تکلیف ہوئی۔ کیونکہ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ مسلمان دو چار یا دس بیس دن محاصرہ کر کے یا تو آگے بڑھ جائیں گے یا کسی اور طرف چلے جائیں گے۔ مگر جب انہوں نے مسلمانوں کو خندق کھود کر قلعہ بناتے دیکھا تو بہت گھبرائے اور انہوں نے فوراً صلح کی درخواست کی۔ محمد قاسم لڑائی پر صلح کو ترجیح دیتا تھا اور وہ جب بھی کہیں لڑا مجبور ہو کر لڑا۔ چنانچہ اس نے فوراً درخواست صلح منظور کر لی۔ صلح ادائے مالگزاری اور خلیفہ کے تابع رہنے

پر ہوئی صلحنامہ مرتب ہوتے ہی قلعہ اشتہار کی کنجیاں محمد قاسم کے حوالہ کر دی گئیں اور بہ شبیر اسلام فاتحانہ قلعہ میں داخل ہوا۔ ہندوؤں نے خلوص دل سے اس کا استقبال کیا۔ محمد قاسم نے مسلمانوں کو قلعہ کے اندر رہنے اور زیادہ تعداد میں آنے کی اجازت نہ دی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندو عورتیں بے پردہ نیم برہنہ حالت میں مسلمانوں کے پاس خرید و فروخت کے آتی جاتی تھیں اس نے اس بات کو گوارا نہ کیا۔ چند دن وہاں قیام کر کے اسلامی لشکر آگے بڑھا۔ جوں جوں اسلامی لشکر بڑھتا تھا۔ ہندوؤں پر رعب قائم ہوتا جاتا تھا۔

سندھ کے اس پار والے ہندو یہ سمجھ گئے تھے کہ مسلمانوں کے سیلاب کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی حقیقت بھی یہی تھی۔ جوان بخت و جوان سال محمد قاسم بڑے عزم صمیم کے ساتھ ہندوستان میں آیا تھا اور اب تک اس نے جس طرف کا رخ کیا تھا مظفر و منصور ہوتا چلا گیا تھا۔ شہروں پر شہر اور قلعوں پر قلعے فتح کر لئے تھے دراصل محمد قاسم کی فتوحات میں خدا پرستی کا راز مضمر تھا۔ اگرچہ محمد قاسم سترہ ہی سال کا تھا۔ کچھ بھی عمر نہ تھی اس عمر کے بچوں میں سمجھ بوجھ کا مادہ بھی نہیں ہوتا مگر محمد قاسم کو خدا نے عجب دل و دماغ عطا کئے تھے وہ ہر بات کو سمجھ سوچ کر کرتا تھا سب سے بڑی بات یہ کہ وہ روزہ و نماز کا پابند تھا۔ امرونہی کا خیال رکھتا تھا ایک وقت کی نماز بھی قضا نہ ہونے دیتا تھا۔ رات رات بھر قرآن شریف کی تلاوت کرتا تھا اس کی پرہیز گاری کا تمام لشکر پر اثر پڑتا تھا۔ ہر شخص نمازی اور پرہیز گار تھا۔ ظاہر ہے کہ وہ خدا سے ڈرتے اور اس کی عبادت کرتے تھے اس سے دعائیں مانگتے تھے خدا ان کی مدد کر رہا تھا اور وہ کامیاب و فتح مند ہو رہے تھے۔ جو شخص بھی خدا کو یاد کرتا ہے خدا اسے یاد کرتا ہے اور جو خدا کو بھول جاتا ہے خدا اسے بھول جاتا ہے۔ خدا کی یاد کا ذریعہ نماز ہے محمد قاسم قلعہ اشتہار سے روانہ ہو کر منزل بمنزل کوچ و قیام کر کے دریائے سندھ کے قریب جا پہنچا یہاں اس نے ایک وسیع میدان میں ہندوؤں کے کثیر التعداد لشکر کو خیمہ زن دیکھا اس نے اس لشکر سے کچھ فاصلے پر اپنے لشکر کو ٹھہرایا۔ ہندوؤں کا یہ لشکر امو کہ راجہ کا تھا۔ موکہ نہایت ہی دانشمند آدمی تھا یہ راجہ داہر کا قریبی رشتہ دار تھا۔ موکہ کو معلوم ہو گیا کہ جے سیاہ محمد قاسم کو روکنے کے لئے اور اس سے لڑنے کیلئے چل پڑا ہے اور عنقریب ہی اس کے پاس پہنچنے والا ہے۔ چنانچہ اس نے قصد کر لیا تھا کہ دریائے سندھ کے اس پار ہی محمد قاسم کا مقابلہ کرے اور اگر ممکن ہو تو اسے شکست دے کر بھگا دے۔ محمد قاسم کو ہزیمت دینے کی تمنا ہر ہندو راجہ کے دل میں ہوتی تھی اور اس تمنا کو اس وجہ سے اور تقویت ہوتی تھی کہ انہوں نے سن لیا تھا کہ وہ ابھی محض بچہ ہے لیکن جب اس بچہ سے ان کا مقابلہ ہوتا تھا اور اسے میدان جنگ میں لڑتا دیکھتے تھے تو

ساری تمنائیں اور حوصلے پست ہو جاتے تھے اور پھر یا تو اس سے مصالحت کر لیتے تھے یا میدان جنگ میں مارے جاتے تھے اور یا بھاگ جاتے تھے۔ چنانچہ موکہ کے دل میں بھی محمد قاسم کو شکست دینے کی تمنا پیدا ہوئی اور وہ اس کے مقابلہ کے لئے اپنی پوری طاقت و عظمت سے آ ڈٹا۔ اس کے ہمراہ تقریباً بارہ ہزار لشکر تھا۔ محمد قاسم کے ہمراہ چھ ہزار ہی تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے مقابلے میں دو ہندو تھے مگر مسلمانوں کو کچھ خوف نہ تھا۔ انہوں نے خیمے نصب کر کے سب سے پہلے عصر کی نماز پڑھی پھر کچھ آدمی رات کو جلانے کے لئے لکڑیاں کاٹنے لگے۔ کچھ قرآن شریف کی تلاوت کرنے لگے اور کچھ میدان میں نکل نکل کر جگہ جگہ دس دس پندرہ پندرہ کی ٹولیوں میں بیٹھ کر ہتھیاروں کو صاف کرنے لگے جب دن چھپا تو مغرب کی اذان ہوئی۔ تمام مسلمانوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور نماز سے فارغ ہو کر کھانا تیار کرنے میں مشغول ہو گئے تمام کیمپ میں ہر خیمہ کے سامنے آگ روشن ہو گئی۔ عشا کے وقت تک کھانا تیار ہوا۔ سب نے پہلے عشار کی نماز پڑھی اور پھر کھانا کھایا۔ پانصد آدمی لشکر کی حفاظت کرنے لگے اور باقی تمام اطمینان سے سو گئے۔ صبح اٹھتے ہی انہوں نے نماز پڑھی اور محمد قاسم نے انہیں مسلح ہو کر میدان کارزار میں پہنچنے کا حکم دیا۔ اذان سنتے ہی مجاہدین اسلام بڑے ذوق سے صف بستہ ہونے لگے ہر سردار اپنا علم لے کر اپنے اپنے دستہ میں جا کھڑا ہوا۔ محمد قاسم بھی علم لے کر سب سے آگے جا پہنچا۔ تمام علموں کے پھریرے ہوا میں لہرا رہے تھے اور لہرا لہرا کر عجب سماں پیدا کر رہے تھے۔ ان تمام علموں پر آیات لکھی ہوتی تھیں مسلمان جب ان کی طرف دیکھتے تھے تو جوش اور ولولہ ان کے دلوں میں پیدا ہوتا تھا۔ مسلمان منتظر تھے کہ ہندو بھی مسلح ہو کر اپنی صفیں مرتب کریں گے مگر وہ میدان میں نہ نکلے کچھ دیر انتظار کرنے کے بعد اسلم محمد قاسم کے پاس آیا اس نے کہا یا سیدی آج ہندوؤں کا ارادہ لڑنے کا نہیں معلوم ہوتا۔ محمد قاسم نے کہا۔ میرا بھی یہی خیال ہے۔

اسلم۔ شاید وہ کسی اور لشکر کے آنے کا انتظار کر رہے ہیں۔

محمد قاسم۔ ممکن ہے۔

اسلم۔ پھر کیوں نہ ہم ہی بڑھ کر حملہ کر دیں۔

محمد قاسم۔ نہیں ابھی انتظار کرو۔

اس وقت ہندوؤں کے لشکر میں سے چند سوار نکل کر ان کی طرف آتے ہوئے نظر آئے۔ وہ ایک سفید جھنڈا لئے آ رہے تھے تمام مسلمان ان کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ مسلمانوں کے لشکر

کی پہلی صف کے سامنے آ کر کے ان میں سے ایک شخص نے عربی زبان میں کہا ہم تمہارے سپہ سالار محمد قاسم سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں اسلم نے کہا آگے بڑھ آؤ وہ آگے بڑھ کر محمد قاسم کے پاس گئے اسلم نے محمد قاسم کی طرف اشارہ کر کے کہا ہمارے سپہ سالار یہ ہیں ہندو نے کہا ہمارا راجہ موکہ آپ سے کچھ گفتگو کرنا چاہتا ہے محمد قاسم نے کہا میں تیار ہوں۔

ہندو۔ کیا آپ ان کے یہاں آنے اور گفتگو کر کے واپس جانے تک امان دیتے ہیں۔

محمد قاسم۔ ہاں میں امان دیتا ہوں۔

ہندو چلے گئے محمد قاسم نے لشکر کو واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ مسلمانوں کو بڑا افسوس ہوا کہ آج لڑائی ملتوی ہوگئی وہ واپس لوٹ کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ محمد قاسم اپنے خیمہ کے سامنے کمبل کے فرش پر جا بیٹھا۔ تھوڑی ہی دیر میں موکہ معہ تیس سواروں کے آگیا۔ سب سے پہلے اسلم نے اس کا استقبال کیا پھر عبدالرحمن اور عجل نے سب کے بعد نبانہ اور عبدالقیس نے موکہ اس طرح استقبال کیے جانے سے بڑا خوش ہوا۔ جب وہ محمد قاسم کے پاس پہنچا تو فوراً وہ اور اس کے ہمراہی گھوڑوں سے نیچے اتر پڑے محمد قاسم بھی چند قدم استقبال کے لئے بڑھا اور بڑے احترام سے اسے لا کر اپنے برابر بٹھایا اس کے اور آدمی اور مسلمان افسران دونوں کے سامنے بیٹھ گئے موکہ بار بار حیرت سے محمد قاسم کی صورت دیکھتا تھا۔ آخر محمد قاسم سے نہ رہا گیا اور اس نے مسکرا کر کہا آپ کیا دیکھ رہے ہیں موکہ جواب دیا میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ آپ کی کتنی تھوڑی عمر ہے اور آپ نے سندھ میں آ کر بہت سے قلعے فتح کر لئے ہیں۔

محمد قاسم۔ یہ اس خدا کا انعام ہے جس کی ہم عبادت کرتے ہیں۔

موکہ۔ جو کچھ بھی ہو لیکن رہے تعجب کی بات۔

محمد قاسم۔ تم شاید اس لئے تعجب کرتے ہو کہ تمہاری قوم کے اس عمر کے بچے لڑنا نہیں جانتے۔

موکہ۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ مگر ہماری قوم کے مجھ سے چھوٹے بچے بھی لڑتے ہیں ہم جب ماؤں اور اناؤں کی گود میں ہوتے ہیں تو ہمیں لڑائیوں کے قصے سناتی ہیں اسی وقت سے ہمارے دلوں میں لڑائی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے جو عمر کے ساتھ ساتھ بڑھتا رہتا ہے اور جب ہم ہوش سنبھالتے ہیں تو جنگ کے ہنر سکھائے جاتے ہیں۔

ہوکہ۔ ٹھیک ہے میں مصالحت کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔

محمد قاسم۔ میں نے اپنے نجومیوں سے دریافت کیا تھا کہ فتح کس کی ہو گی انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کی میں نے اسی وقت طے کر لیا تھا کہ آپ سے صلح کر لوں۔

محمد قاسم۔ جن شرائط پر آپ کہیں میں صلح کرنے کو تیار ہوں۔

موکہ۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ بیت کی حکومت کا نسلاً بعد نسلاً میں مالک رہوں اس کے صلہ میں خراج ادا کروں گا اور سندھ پار اترنے کے لئے کشتیاں مہیا کر دوں گا۔

محمد قاسم۔ مجھے منظور ہے۔

چنانچہ اسی وقت صلح نامہ لکھا گیا اور اس پر فریقین کے دستخط ہو گئے موکہ صلحنامہ لے کر چلا گیا اور دوسرے دن محمد قاسم اپنے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ کی طرف روانہ ہوا۔

اکیانواں باب ۵۱

کسی کی یاد

اسلامی لشکر نہایت جوش وخروش سے نات ملک میں گھسا جا رہا تھا اگرچہ مسلمان سمجھ رہے تھے کہ ان کا ہر قدم خطرہ کی طرف بڑھ رہا ہے اس لئے کہ انہوں نے سن لیا تھا کہ داہر کا بیٹا جے سیاہ زبردست لشکر کے ساتھ ہاتھیوں کی فوج لئے بڑھا چلا آ رہا ہے اور اس کے پیچھے خود داہر بھی آنے والا ہے اور وہ پوری جماعت کے ساتھ آئے گا لیکن باوجود ان متوحش خبروں کے مسلمانوں کو کوئی خوف نہ تھا نہایت بے فکری اور اطمینان کے ساتھ بڑھے چلے جا رہے تھے موکہ کا لشکر بھی اس کے ہمراہ تھا اور اس کی تعداد دس ہزار تھی مگر اس کی شرکت برائے نام تھی اس سے یہ معاہدہ نہ ہوا تھا کہ وہ مسلمانوں کی مدد کرے گا اور ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا اس سے صرف یہ طے ہوا تھا کہ وہ دریائے سندھ پر پہنچ کر کشتیاں فراہم کرے گا اور ان کے ساتھ ہو کر لڑے گا اس لئے یہ توقع ہی نہ تھی کہ وہ ان کی طرف سے لڑے گا بنابریں اس کی شرکت کوئی معنی نہ رکھتی تھی اس کا لشکر مسلمانوں سے آگے چلتا تھا اور آگے ہی قیام کرتا تھا۔ یہ تجویز محمد قاسم کی تھی کیونکہ موکہ پر اسے پورا بھروسہ نہ تھا اسے اندیشہ تھا کہ مبادا کسی وقت مسلمانوں کو غافل پا کر وہ شبخون نہ مارے اس کا یہ اندیشہ حق بجانب تھا۔ اس لئے کہ موکہ ہندو تھا۔ مسلمانوں سے ڈر کر ان کے ساتھ ہو گیا تھا ایسا دشمن جس نے دب کر صلح کی ہو اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا تھا لیکن محمد قاسم کی مروت نے یہ بھی گوارا نہ کیا کہ وہ موکہ سے کہہ دیتا کہ وہ اپنا تمام لشکر واپس کر دے اور صرف ہزار یا دو ہزار سوار ہمراہ رکھ لے کیونکہ یہ بھی معاہدہ میں داخل نہ تھا اور وہ کوئی بات معاہدہ کی خلاف نہ کرنا چاہتا تھا ایک دن جمعہ کی وجہ سے محمد قاسم نے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی۔ جب جمعہ کی نماز پڑھ لی گئی تو وہ میدان میں کیمپ سے باہر کمبل بچھا کر بیٹھ گیا۔ جس جگہ وہ بیٹھا تھا اس کے سامنے دور تک خیموں کے جھنڈ پھیلتے چلے گئے تھے لیکن شرقی جانب کھلا ہوا میدان تھا جو کہ میلوں تک پھیلا ہوا تھا اس تمام

میدان میں چھوٹی چھوٹی گھاس زمین سے ملی ہوئی کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے قدرت نے زمردی فرش بچھا دیا ہو سورج نکلا ہوا چمک رہا تھا۔ سفید سفید دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ خفیف خفیف ہوا کے جھونکے چل رہے تھے نہایت فرحت بخش منظر تھا۔

محمد قاسم اس کے کیف آگین نظارہ میں ڈوبا ہوا تھا کہ موکہ آگیا اور اس کے قریب کھڑا ہو کر اس کی طرف دیکھنے لگا دیکھتا رہا۔ دیر تک خاموش کھڑا ہوا محمد قاسم کو اس کے آنے کی خبر بھی نہ ہوئی۔ کچھ دیر کے بعد اتفاقیہ اس کی نظر اٹھ گئی۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اچھا آپ تشریف لے آئے مجھے خبر بھی نہ ہوئی۔ اطلاع کیوں نہ کرا دی میں آپ کا استقبال کرتا آیئے تشریف رکھیئے! موکہ بڑھ کر اس کے قریب بیٹھ گیا اس نے کہا۔ میں جب آپ کو دیکھتا ہوں تو حیران رہ جاتا ہوں۔ محمد قاسم نے ہنستے ہوئے کہا شاید اس لئے کہ میں ابھی بچہ ہوں۔

موکہ۔ ہاں اس لئے۔

محمد قاسم۔ مگر میں عرض کر چکا کہ میری قوم کے مجھ سے چھوٹے بچے بھی لڑائی کے اس قدر شائق ہوتے ہیں۔ جس قدر کہ بڑے!

موکہ۔ یہ زندہ اور بہادر قوم کی نشانی ہے۔

محمد قاسم۔ آپ نے دریائے سندھ دیکھا ہے۔

موکہ۔ سینکڑوں مرتبہ

محمد قاسم۔ سنا ہے کہ وہ نہایت گہرا اور چوڑا ہے۔

موکہ۔ بالکل ٹھیک سنا ہے آپ نے۔

محمد قاسم۔ اگر پل تیار کیا جائے تو کتنی کشتیاں تیار ہوں گی۔

موکہ۔ سینکڑوں چاہیئے۔

محمد قاسم۔ آپ کشتیاں کہاں سے فراہم کریں گے۔

موکہ۔ دریا میں جس قدر کشتیاں ملاحوں کی ہوں گی تمام پکڑ ڈالوں گا۔

محمد قاسم۔ لیکن اگر پھر بھی کمی رہی؟

موکہ۔ اور بنوا دی جائیں گی۔

محمد قاسم۔ داہر کے کئی رانیاں تھیں؟

موکہ۔ مجھے ٹھیک معلوم نہیں لیکن شاید چار پانچ ہیں اور سینکڑوں خوب صورت اور کمسن

کینزیں ہیں۔

محمد قاسم۔ ہاں میں نے اسے دیکھا ہے۔

موکہ نے مسکراتے ہوئے کہا کیا خواب میں؟

محمد قاسم۔ نہیں عالم بیداری میں

موکہ۔ کہاں دیکھا تھا۔

محمد قاسم دیبل کے قریب

موکہ وہ وہاں کہاں پہنچ گئی تھیں۔

محمد قاسم۔ کسی مندر میں اپنی نصرت کے لئے دعا مانگنے کے لئے آئی تھیں۔

موکہ۔ ٹھیک ہے میں نے بھی سنا تھا کہ رانی لاڈی تمام رانیوں سے زیادہ حسین ہے۔
وہ گلاب کا پھول ہے جو اسے ایک مرتبہ دیکھ لیتا ہے دوبارہ دیکھنے کی آرزو رکھتا ہے

محمد قاسم۔ آپ نے سچ کہا ہے میں نے اسے رات کے وقت دیکھا تھا اگرچہ اس بات کو عرصہ ہوا لیکن اب بھی کبھی کبھی ان کی صورت آنکھوں کے سامنے پھر جاتی ہے۔

موکہ۔ انہوں نے شاید تم کو نہیں دیکھا۔

محمد قاسم۔ اچھی طرح دیکھا ہے۔

موکہ۔ تعجب ہے کیا ان کے ساتھ اس وقت لشکر نہ تھا۔

محمد قاسم۔ تھا مگر کوئی شخص چندر رامی اسے پھسلا کر لایا تھا اور تنہا جنگل میں لے گیا تھا وہ ان پر دست درازی کرنا چاہتا تھا کہ اتفاق سے میں وہاں جا پہنچا میں نے اسے اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا۔

موکہ۔ خوب اور رانی لاڈی کو کیوں نہ گرفتار کیا۔

محمد قاسم۔ ان کی بھولی صورت اور معصوم نگاہیں دیکھ کر مجھے اس کی جرأت ہی نہ ہوئی۔

موکہ۔ اگر تم انہیں گرفتار کر لیتے تو راجہ داہر صلح کر لیتا

محمد قاسم۔ گرفتار نہ کرنے کی ایک اور وجہ بھی تھی۔

موکہ۔ کیا!

محمد قاسم۔ ایک لڑکی طاہرہ داہر کے محل میں ہے اور وہ اس کی محافظ ہے

موکہ۔ بات یہ ہے کہ رانی جس قدر خوب صورت ہے اسی قدر نیک بھی ہے وہ اسی کوشش

میں مصروف رہتی ہے کہ داہر سیاہ کاریاں چھوڑ دے۔

محمد قاسم۔ تعجب ہے کہ ایسی حسین رانی کے ہوتے وہ دوسری رانیوں سے ارتباط محبت بڑھاتا پھرے۔

موکہ۔ اس سے لوگ اسی وجہ سے ناراض ہیں۔

محمد قاسم۔ ہونے ہی چاہئیں

موکہ۔ میں نے سنا ہے کہ راجہ داہر تمام رانیوں کو ہمراہ لے کر لڑائی کے لئے آئے گا۔

محمد قاسم۔ خیر وہ جیسے بھی آئے مگر اس نے اچھا نہ کیا کہ مسلمانوں کو بلاوجہ چھیڑا

موکہ۔ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو تم کیوں آتے۔

محمد قاسم۔ پھر کیا ضرورت تھی یہاں آنے کی؟

موکہ۔ مگر ہماری پرانی کتابوں میں یہ لکھا ہے کہ مسلمان اس ملک پر حملہ کریں گے یہ بات سچی ہونی ضرور ہے آخر مسلمانوں کے حملے کے لئے کوئی نہ کوئی سبب بھی تو ہونا چاہیئے۔

محمد قاسم۔ ٹھیک کہہ رہے ہیں آپ اچھا دریائے سندھ کے اس طرف سب سے پہلا قلعہ کون سا ہے۔

موکہ۔ جے داد (جیپو) لیکن آپ کا وہاں تک پہنچنا بہت مشکل ہے۔

محمد قاسم۔ کیوں؟

موکہ۔ اس لئے کہ جے سیاہ دریائے سندھ پر آگیا ہے۔

محمد قاسم۔ تو شاید وہ ہمارے دریا کو عبور کرنے میں مزاحمت کرے۔

موکہ۔ یقیناً کرے گا۔

محمد قاسم۔ وہ خدا مددگار ہے۔

موکہ۔ کیا آپ ایک بات بتا دیں گے۔

محمد قاسم۔ کیوں نہ بتاؤں گا۔

موکہ اگر رانی لاڈی آپ کو مل جائیں تو آپ کیا کریں گے۔

محمد قاسم۔ اگر میدان کارزار میں گرفتار ہوئیں تو لونڈی شمار کی جائیں گی اور پھر ان کا تصفیہ وائسرائے (حجاج) کر سکیں گے۔

موکہ۔ لیکن اگر وہ خود ہی آپ کے پاس چلی آئیں۔

محمد قاسم۔ تب وہ آزاد ہوں گی۔ مگر یہ کیسے ممکن ہے۔

موکہ۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب آپ انہیں یاد کرتے رہتے ہیں تو وہ بھی آپکو یاد کرتی ہوں گی۔

محمد قاسم۔ اگر ایسا ہوتا تو وہ جاتی ہی کیوں

موکہ ۔ اگر تم نہ جانے دیتے تو کیسے جاتیں۔

اب عصر کی اذان ہوئی اور محمد قاسم نے کہا معاف کیجئے اذان ہو رہی ہے۔ کیونکہ اب مجھے نماز پڑھنے کے لئے جانا ہے۔

موکہ۔ کیا فوراً ہی

محمد قاسم۔ جی ہاں ہمارے لئے حکم ہے کہ اذان کی آواز سنتے ہی تمام کام چھوڑ دو اور نماز کے لئے روانہ ہو جاؤ۔

موکہ۔ بہت خوب جایئے میں بھی اجازت چاہتا ہوں۔

موکہ اٹھ کر چلا گیا۔ محمد قاسم نے لشکر کے ساتھ نماز پڑھی اور وہ رات اسی میدان میں بسر کی دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی لشکر نے کوچ کیا دوپہر کے قریب وہ دریائے سندھ کے کنارہ پر جا پہنچے۔ مسلمانوں نے اس عظیم الشان دریا کو دیکھا وہ نہایت چوڑا تھا۔ جہاں تک نظر جاتی تھی پانی ہی پانی موجیں مارتا نظر آرہا تھا۔ دریا کے دوسرے کنارہ پر راجپوتوں کا لشکر خیمہ زن تھا۔ مسلمانوں نے قیاس سے سمجھ لیا کہ وہ لشکر داہر کے بیٹے جے سیاہ کا ہے مسلمانوں نے بھی اس کے کنارے پر خیمے نصب کر دیئے اس سے کچھ دور ہٹ موکہ کا لشکر خیمہ زن ہوا۔



باونواں باب ۵۲

عجیب پُل

ہم بیان کر چکے ہیں کہ دریائے سندھ ایسا عظیم الشان دریا ہے کہ اہل ہند اسے اباسی دریاؤں کا باپ کہتے ہیں دنیا میں بہت کم ایسے دریا ہیں جو اس کا مقابلہ کرتے ہیں اسلامی لشکر جہیم کے میدان میں ٹھہرا تھا۔ مسلمان صبح کی نماز پڑھتے ہی روانہ ہوئے اور دریا کے کنارے پر پہنچ گئے اور اسے عبور کرنے کی تدابیر سوچتے اگر کوئی معمولی دریا ہوتا تو شاید عرب اس میں گھوڑے ڈال دیتے اور اسے عبور کر لیتے مگر سندھ جیسے ذخار دریا کو اس طرح پار کرنا غیر ممکن تھا اور اس لئے وہ کشتیوں کا انتظام کر رہے تھے موکہ ساگر چلا گیا تھا اور وہاں کشتیاں فراہم کرنے لگا تھا۔ چند دن میں اس نے بہت سی کشتیاں فراہم کر لیں ادھر مسلمانوں نے بھی درختوں کو کاٹ کاٹ کر کشتیاں بنا لیں۔

جب دو سو کشتیوں کے قریب تیار ہو گئیں تب اسلامی لشکر نے ان کے ذریعہ سے دریا کو عبور کرنے کا ارادہ کیا لیکن جے سیاہ اپنا زبردست لشکر لئے دوسرے کنارے پر پڑا ہوا تھا وہ روزانہ صبح ہوتے ہی چار پانچ ہزار سپاہیوں کو کنارہ پر کھڑا کر دیتا تھا اور وہ تیر کمان لے کر اس انتظار میں رہتے تھے کہ جونہی مسلمان کشتیوں پر بیٹھ کر دوسرے کنارے کی طرف چلیں اور وہ تیروں کا مینہ برسا کر انہیں ختم کر ڈالیں۔

کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ مسلمان چند کشتیوں میں بیٹھ کر چلے اور جب دریا کے بیچ میں پہنچے تو ہندوؤں نے اس کثرت سے تیر برسائے کہ انہیں مجبور ہو کر واپس لوٹنا پڑا۔ محمد قاسم نے اس طرح پار ہونے کی کوشش بند کر دی ایک دن اس نے تمام کشتیوں کو چھوڑ دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ وہ بھی تیر اندازی کرتے ہوئے بڑھتے چلے جائیں۔ آج جے سیاہ خود مع اپنے تمام لشکر کے کنارہ پر آگیا تھا اور اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دے دیا تھا۔

جب اسلامی کشتیاں دریا کے بیچ میں آجائیں اس وقت ان پر تیر افگنی کی جائے ایک کنارے
مسلمان کھڑے ہو گئے اور دوسرے پر ہندو کشتیاں چلیں اور پانی کو چیرتے ہوئے بڑھیں آج
دریا کسی قدر تیز تھی اس لئے عظیم الشان دریا میں اونچی اونچی موجیں اٹھ رہی تھیں ان موجوں سے
کشتیاں تھپیڑے کھاتی اُن کے اُوپر سے گزرتی چلی جارہی تھیں۔ جب وہ منجدھار میں پہنچیں
ہندوؤں نے ایک دم شور کر کے ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی۔ مسلمانوں نے بھی تیر برسا
برسا کر ان کا جواب دینا شروع کیا۔ مگر ہندوؤں کے تیر اس کثرت سے آنے لگے کہ ان سے
بچنا دشوار ہو گیا اور مسلمان زخمی ہو ہو کر کشتیوں میں بیٹھنے لگے۔ محمد قاسم اور تمام مسلمان یہ کیفیت
دیکھ دیکھ کر بہت غضب ناک ہو رہے تھے ان کے چہرے جوش سے سرخ ہو رہے تھے۔ آنکھیں
ابل آئی تھیں اکثر پر جوش مسلمانوں نے اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ مگر فوراً ہی محمد
قاسم نے ان کو روکا اور واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ مجبوراً وہ لوگ جنھوں نے گھوڑے دریا میں ڈال
دیئے تھے واپس لوٹ آئے۔ مسلمانوں کو جوش اور غصہ تو بہت آرہا تھا دریائے زخار پر کچھ
بس نہ چلتا تھا اسے عبور کرنے کی کوئی سبیل نظر نہ آتی تھی اور کوئی قوم ہوتی تو ہمت ہار دیتی مگر مسلمانوں
نے ہمت نہ ہاری وہ برابر دریا کو عبور کرنے کی فکر میں رہے بغیر قربانی کے کسی قوم نے کسی زمانہ
میں بھی کچھ حاصل نہ کیا۔ مسلمانوں نے بھی بڑی بڑی قربانیاں کیں اور ان قربانیوں کی بدولت ہی سب
کچھ حاصل کیا۔ ابھی کشتیاں منجدھار میں نہ پہنچنے پائی تھیں کہ ان پر تیروں کی بارش شروع کر دی
گئی پھر اس کثرت سے کہ جب آتے تھے تو آفتاب ان کے پیچھے چھپ جاتا تھا۔ چونکہ مسلمان
مجروح ہو ہو کر کشتیوں میں بیٹھنے لگے تھے۔ اس لئے محمد قاسم کو اندیشہ ہو گیا تھا کہ کہیں تمام کشتیوں
والے مسلمان زخمی ہو ہو کر ناکارہ نہ ہو جائیں۔ چنانچہ اس نے فوراً جھنڈا سے اشارہ کیا اور
انہیں واپس لوٹنے کا حکم دیا۔ کشتیوں والے مسلمان نہ چاہتے تھے کہ واپس لوٹیں اگرچہ وہ مجروح
ہو رہے تھے اور خوب جانتے تھے اور دوسرے کنارے پر صحیح وسالم پہنچنا غیر ممکن ہے
لیکن پھر بھی چاہتے تھے کہ واپس نہ لوٹیں اور آگے ہی بڑھتے رہیں مگر ان کے سپہ سالار نے
انہیں واپس لوٹنے کا اشارہ کیا تھا اور اس لئے اب وہ آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔

چنانچہ تمام کشتیاں واپس لوٹا دی گئیں ہندوؤں نے جب انہیں دیکھا تو فرط مسرت
سے اچھل اچھل کر جیکارے لگانے لگے اور شور مچانے لگے ان کے شور سے تمام وادی اور
سارا دریا گونج اٹھا تھوڑی ہی دیر میں تمام کشتیاں کنارہ سے آلگیں مسلمان اتر اتر کر خشکی پر آگئے۔

اور جو لوگ مجروح ہو گئے تھے ان کی مرہم پٹی کی جانے لگی آج بقیہ دن مسلمانوں نے کچھ نہ کیا واپس لوٹ کر اپنے کیمپ میں پہنچ گئے اور آرام کرنے لگے لیکن محمد قاسم کو بڑا فکر تھا اسے آرام کہاں ملتا وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور دریا کے کنارے شمال مشرق کی طرف بڑھا کئی میل چلا لیکن کہیں بھی دریا کچھ تھوڑا سا تنگ ہوتا بھی نظر نہ آیا وہ واپس لوٹ آیا اور تمام شب اسی فکر میں غلطان و پیچان میں رہا صبح اس نے نماز پڑھتے ہی پھر لشکر کو کنارہ صف بستہ ہونے کا حکم دیا۔ تمام لشکر مسلح ہو کر کنارہ پر جا پہنچا سب کے بعد محمد قاسم آیا اور اس نے کہا۔ مسلمانو! آج میرے ذہن میں ایک تجویز آئی ہے اگر خدا نے چاہا تو ہم دریا پر پل بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ تمام افسران کے قریب آ کھڑے ہوئے تھے وہ حیرت سے محمد قاسم کو دیکھ رہے تھے۔ ایک افسر کا نام ذکوان تھا اس نے کہا یا سیدی پل اس وقت تک نہیں بنایا جا سکتا جب تک کہ کشتیاں دوسرے کنارے پر نہ پہنچ جائیں اور دشمن کشتیوں کو دوسرے کنارے پر نہیں پہنچنے دیتے پھر پل کیسے بن سکتا۔

محمد قاسم ۔ اگر عقل و تدبر سے کام لیا جائے تو پل بن سکتا ہے۔

عجل ۔ ہم نے بہت کچھ فہم و ادراک سے کام لیا مگر ہماری سمجھ میں کوئی تدبیر نہیں آئی۔

عبدالرحمٰن۔ میری بھی کئی راتیں سوچتے ہوئے گزری ہیں مگر کچھ سمجھ میں نہیں آیا۔

محمد قاسم ۔ اچھا یہ اندازہ لگاؤ کہ دریا کتنا چوڑا ہے۔

عبدالرحمٰن۔ میرے خیال میں کم سے کم نو سو گز چوڑا ہے۔

نباتہ ۔ اس جگہ دریا کا عرض ذرا کم ہے اس لئے میرا خیال بھی یہی کہ نو سو گز چوڑا ہوگا۔

محمد قاسم ۔ اور ہماری کشتیاں اوسطاً کتنی لمبی ہیں۔

اسلم ۔ زیادہ سے زیادہ آٹھ آٹھ گز لمبی ہیں۔

عجل ۔ بالکل ٹھیک ہے چھوٹی بڑی کشتیاں سب ملا کر آٹھ گز اوسطاً ہوا۔

محمد قاسم ۔ اس حساب سے ایک سو تیرہ کشتیوں سے پل تیار ہو سکتا ہے۔

اسلم ۔ جی ہاں

محمد قاسم۔ اور ہمارے پاس ایک ۱۸۰ سو اسی کشتیاں ہیں۔

اسلم ۔ یہ میں نے شمار نہیں کیا۔

محمد قاسم۔ میں نے گن لیا ہے۔

اسلم۔ بس تو ٹھیک ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا تم دریا کے چڑھاؤ یعنی شمال کی طرف کشتیاں جوڑے چلے جاؤ اور ایسی مضبوط جوڑو کہ ان سے پل تیار ہو جائے۔

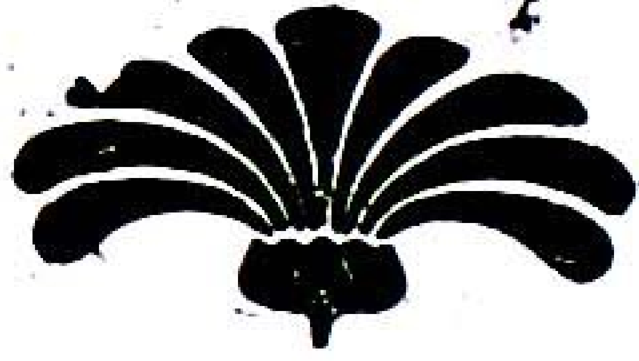
ذکوان۔ مگر اس سے کیا فائدہ ہوگا ہمیں پل بنانا چاہیئے مغرب سے مشرق کی طرف اس وقت تم ہم دریا سے پار ہو سکتے اگر ہم نے جنوب سے شمال کی طرف پل باندھا تو۔۔

محمد قاسم۔ شاید کوئی نتیجہ نکل آئے تم دریا کے چڑھاؤ کی طرف پل بنانا شروع کر دو کوشش کی۔ مگر فوراً کشتیوں کو جوڑ جوڑ کر دریا کے چڑھاؤ کی طرف پل بنانا شروع کر دیا گیا۔ تمام کشتیوں سے بڑی بڑی کشتیاں چھانٹ چھانٹ کر اس پل میں لگا دی گئیں۔ عام طور پر کشتیاں آٹھ گز لمبی اور پانچ گز چوڑی تھیں اکثر کشتیاں چھ چھ گز اور چار چار گز لمبی تھیں۔ مگر چھوٹی کشتیاں تھوڑی تھیں اور بڑی زیادہ تھیں مسلمانوں نے ہر کشتی کو دوسری سے ملا کر موٹے موٹے رسوں سے خوب مضبوط کس کس کے پل تیار کر دیا۔ جب پل تیار ہو گیا تو محمد قاسم کشتیوں میں گیا اور اس نے جانچ لیا کہ پل ایسا مضبوط بنا دیا ہے جو آسانی سے نہیں ٹوٹ سکتا اب اس نے ان پر تختے بچھوانے شروع کر دیئے۔ چنانچہ تمام کشتیوں پر تختے بچھا بچھا کر جڑ دیئے گئے تاکہ وہ کسی وقت بھی جنبش نہ کھا سکیں جب اس طرح تیار ہو گیا اور دن چھپنے کے قریب پہنچ گیا تو محمد قاسم نے آج مسلمانوں کو پل کے پاس اور پل کے اوپر ہی آرام کرنے کا یا ٹھہرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ مسلمان پل کے تختوں پر اور دریا کے کنارے پر کھڑے دیکھتے رہے ان کی سمجھ میں ہی نہ آتا تھا کہ مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ ہندو تو کیا خود مسلمان ہی نہ سمجھتے تھے۔ لیکن ہندوؤں کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ مسلمان رات کے وقت کوئی کارروائی کریں گے۔ اس لئے وہ سامنے والے کنارے پر آ گئے تھے اور مسلمان کے بالمقابل ٹھہر گئے تھے ساری رات مسلمان اور ہندو آگ روشن کئے باری باری جاگتے سوتے رہے جب صبح ہوئی تو مسلمانوں نے نماز پڑھی نماز پڑھ کر محمد قاسم نے دعا مانگی۔ خدایا مسلمانوں کی امداد کر اور تجویز جو میں نے سوچی ہے۔ اس میں کامیابی عطا فرما دعا مانگ کر وہ اٹھا اور مسلمانوں کو مسلح ہونے کا حکم دیا۔ فوراً تمام مسلمان مسلح ہو ہو کر کھڑے ہو گئے اور ادھر ہو کر اور اس کا لشکر بھی حیرت سے مجاہدین اسلام کی طرف کی دیکھ رہے تھے کہ محمد قاسم کیا کرنے والا ہے۔

ہو کر رہ رہ کر حیران ہو رہا تھا کہ پل تو بنایا گیا ہے دریا کے چڑھاؤ کی طرف اور مسلمانوں کو اترنا ہے مغرب سے مشرق کی طرف پھر یہ پل کیا کام دے گا۔ اب محمد قاسم نے سب سے آخری

کشتی جو چڑھاؤ کی طرف تھی اس میں ستو بہادر مسلمانوں کو بٹھا کر ہدایت کی کہ وہ قطاروں میں اس طرح سے بیٹھ جائیں جس طرح نماز پڑھتے وقت دو زانو بیٹھا کرتے ہیں۔ چنانچہ اسی طرح مسلمان بیٹھ گئے اب اس نے کہا کہ ڈھالیں سامنے کھڑی کر لو اور اپنی حفاظت کے لئے ان کا قلعہ بنالو اس کے حکم کے بموجب ڈھالیں کھڑی کر کے قلعہ بھی بنالیا گیا۔ اب محمد قاسم نے بہت سے موٹے موٹے رسے کشتی کے کنڈوں میں باندھ باندھ کر ان ڈھالوں کو کشتی میں ڈلوادیا اور ان میں میخیں باندھ دیں چند کشتیاں جنوب کی طرف لگا کر پل سے باندھ دی گئیں اور ان میں بھی مجاہدین کو بٹھا دیا گیا اس کے علاوہ آگے پیچھے تمام کشتیوں پر مسلمان کھڑے کر دیئے گئے اور ان کو زیادہ تعداد میں تیر دے دیئے گئے اب محمد قاسم نے رسوں کو کھلوایا جو کنارہ میں میخوں سے بندھے تھے اور جن کے سہارا سے پل ٹھہرا ہوا تھا ملاحوں کو حکم دیا کہ وہ شمال سے مشرق کی طرف پل کو تیرائیں چنانچہ ملاحوں نے پتوار اور ڈنڈا ے کر شمالی جانب کی آخری کشتی کو مشرق کی طرف پھیلایا۔ جوں جوں وہ بڑھتی جاتی تھی۔ پل مشرق کی طرف پھیلتا جاتا تھا اب ہر ایک کی سمجھ میں آگیا کہ محمد قاسم کیا چاہتا ہے اس کا مطلب یہ تھا کہ اس طرح شمال کی طرف کشتیاں دھکیل کر مشرق کی طرف بڑھتی جائیں گی اور پل مغرب سے مشرق کی طرف پھیلتا جائے گا۔ چونکہ پل بنانے کی یہ عجیب اور نرالی تدبیر تھی اس لئے سب نوجوان مجاہد محمد قاسم کی عقل و دانش پر آفرین پکار اٹھے۔ چونکہ کشتیاں ایک دوسری سے بندھی ہوئی تھیں۔ اس لئے سرے والی کشتی کے ساتھ مشرق کی طرف بڑھتی چلی جا رہی تھیں یہ عجیب تدبیر پل بنانے کی دیکھ کر ہندو حیرت زدہ ہو گئے دیر تک دیکھتے رہے جب پل بہہ کر ان کے زیادہ قریب پہنچ گیا تو وہ حیرت سے چونکے اور شور کر کر کے تیر برسانے لگے۔ محمد قاسم نے تیروں سے بچنے کے لئے تدبیر پہلے ہی کر رکھی تھی اس نے ڈھالوں کا قلعہ بنوا دیا تھا۔ ہندوؤں کے تیر ڈھالوں پر آ آ کر رک رہے تھے ادھر وہ کشتیاں جو پل کے ادھر ادھر لگائی گئی تھیں ان میں جو مسلمان سوار تھے انہوں نے ہندوؤں پر تیر برسانے شروع کیا۔ ملاحوں نے اپنی پوری طاقت سے کشتیوں کو کھینا شروع کیا وہ بھی ڈھالوں کی آڑ میں بیٹھے پتوار چلا رہے تھے۔ کشتیاں نہایت تیزی سے پھیلتی جاتی تھیں جوں جوں پھیلتی جاتی تھیں پل بندھتا چلا جا رہا تھا مسلمان نہایت خوش ہو رہے تھے ان کے ادھر ادھر پانی کی لہریں اٹھ رہی تھیں اور وہ نہایت اطمینان سے بیٹھے اور کھڑے تھے جو مسلمان پچھلی کشتیوں میں کھڑے تھے اور وہ بھی ہندوؤں پر تیر پھینک رہے تھے آج ہندو بھی مسلمانوں کے تیروں سے مجروح ہو رہے تھے۔ محمد قاسم۔ اسلم۔ ذکوان اور ربحل سب سے اگلی کشتی میں ڈھالوں کے پیچھے بیٹھے تھے وہ اس بات کا خیال کر رہے تھے کہ کہیں پل چھوٹا نہ رہا بلکہ جب کشتی مشرقی کنارہ پر پہنچی تو ساحل سے ٹکرا کر رک گئی۔ ہندوؤں نے شور مچانا شروع کیا چونکہ اب ان کے تیر بے کار

ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے شمشیریں سونت لیں اور کشتی کی طرف بڑھے ۔ ایک موٹا تازہ ہندو جھپٹا۔ ابھی وہ کشتی کے قریب پہنچا بھی نہ تھا کہ دریا کے شمال کی طرف سے ایک تیر آکر اس کے سینے میں لگا اور وہ چیخ مار کر اوندھے منہ گرا مسلمانوں کو حیرت ہوئی کہ اس طرف سے کس نے تیر چلایا اسلم کی نظر جب سامنے گئی تو اس نے اس طرف ایک نوعمر لڑکے کو تیر کمان لئے کھڑے دیکھا وہ ریشمین عربی لباس پہنے تھا دھوپ میں اس کا چہرہ چمک رہا تھا دور سے بالکل فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ اسلم نے محمد قاسم کو اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ نے دیکھا اس عربی لڑکے کو؟ محمد قاسم بھی دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا ہاں دیکھا تعجب ہے کہ یہ کون لڑکا ہے اور کیسے ہم سے پہلے اس طرف پہنچ گیا اب مسلمان کشتیوں سے کود کود کر کنارہ پر پہنچے اور ہندوؤں سے لڑنے لگے۔ ہندو بھی پیدل تھے۔ لیکن وہ بے شمار تھے۔ مسلمان کود کود کر خشکی پر جا پہنچے اور انہوں نے سب سے پہلے رسے کھینچ کر میخیں گاڑ دیں اور اس طرح مغرب سے مشرق تک پل قائم ہو گیا اب مسلمان دوڑ دوڑ کر پل عبور کر کر کے شرقی کنارے پر جا پہنچے اور پہنچتے ہی لڑنے لگے۔



تریپنواں باب ۵۳

شکست فاش

محمد قاسم کے ذہن میں جو پل بنانے کی تدبیر آئی وہ نہایت ہی عجیب و غریب تھی۔ اس سے پہلے کسی نے اس طرح کوئی پل کسی دریا پر نہ بنایا تھا۔ تمام ہندو سارے مسلمان ہو کر اور اس کے سب ساتھی کمال متحیر ہوئے اور وہ محمد قاسم کی دانش مندی کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے جے سیاہ نے اپنے ساتھیوں کو للکار کر حملہ کرنے پر برانگیختہ کیا۔ ہندوان مسلمانوں پر جو کشتیوں سے نیچے اتر آئے تھے ٹوٹ پڑے اور نہایت زور و شور سے جنگ شروع کر دی۔ مسلمان جوش و غضب سے بھرے ہوئے تھے وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر کر کے انہیں دریا کے کنارے سے پیچھے دھکیلنے لگے۔ جنگ شروع ہو گئی تلواریں جلد جلد اٹھ اٹھ کر سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں۔ سرفروش کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ لاشیں لڑھک لڑھک کر دریا میں گرنے لگیں۔ خون دریا کے پانی میں مل مل کر پانی کو سرخ رنگ میں رنگنے لگا۔ شرقی کنارے پر ہندوؤں کا تمام لشکر تھا اور لشکر بھی بہت زیادہ تھا۔ اگرچہ مسلمان بھاگ بھاگ آ رہے تھے۔ مگر ابھی تک گنتی کے چند مسلمان ہی آ سکے تھے مگر جو آ گئے تھے وہ موت کی لڑائی لڑ رہے تھے ہر مسلمان حقیقت میں شیر بن گیا تھا اور شیروں کی طرح حملے کر کر کے ہندوؤں کو دریا کے کنارے سے پیچھے ہٹانا چاہتے تھے تاکہ آنے والے مسلمانوں کے لئے کنارہ پر اترنے کی جگہ نکل آئے اور ہندو ایک قدم بھی پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھے وہ جہاں تھے وہیں کھڑے لڑ رہے تھے آتش جنگ مشتعل ہوتی جا رہی تھی اور دم بدم پھیلتی جاتی تھی۔ مسلمان دوڑ دوڑ کر آ رہے تھے لیکن کنارہ پر ہندوؤں کی اس قدر کثرت تھی کہ وہ کشتیوں سے نیچے نہ اتر سکتے تھے۔ چونکہ مسلمانوں کو معلوم تھا کہ کنارہ پر پانی کم ہوتا ہے اس لئے اب مسلمانوں کچھ دریا میں کود کود کر کنارہ پر پہنچنا اور پہنچتے ہی لڑائی شروع کر دی اس طرح سے مسلمان دور تک پھیل گئے اور جہاں تک وہ پھیلے محاذ جنگ بھی پھیلتا چلا گیا آج مطلع صاف تھا آفتاب پوری آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ دھوپ اچھی طرح پھیلی ہوئی تھی ہوا کے خوشگوار

جھونکے چل رہے تھے دونوں فریق جوش و غصہ سے بھرے ہوئے ایک دوسرے کو فناہ کر ڈالنے کے لئے پوری طاقت سے حملے کر رہے تھے ہندو دیکھ چکے تھے کہ اول تو مسلمانوں کا تمام لشکر ان سے بہت ہی کم ہے دوسرے جس قدر مسلمان اب کشتیوں کے پل سے کود کود کر ان کے مقابلہ میں آئے تھے وہ آٹے میں نمک کی مثال تھے اس لئے ان کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اور وہ اپنی پوری طاقت سے مسلمانوں کو قتل کر کر کے دریا میں دھکیلنے کی کوشش کر رہے تھے مگر مسلمان ایسے جوش سے لڑ رہے تھے کہ ہر اس ہندو کو مار ڈالتے تھے جوان پر حملہ کرتا اور اگر ان پر کوئی حملہ نہ کرتا تھا تو وہ خود جھپٹ جھپٹ کر حملہ کرتے تھے۔ محمد قاسم تلوار لئے ادھر ادھر لپک کر حملے کرتا اور دشمنوں کو قتل کر کر کے گراتا بڑھا چلا جا رہا تھا اس کے پیچھے اسلم بھی اسی تیزی سے لڑتا دشمنوں کو مار مار کر گراتا اس کے پیچھے لگا چلا آ رہا تھا۔ ذکوان اور عبل جنوب کی طرف راستہ صاف کرتے دشمنوں کو ہٹاتے اور مارتے بڑھ رہے تھے غرض کہ آتشیائے جنگ نہایت تیزی سے چل رہی تھی اور ہندو مسلمان آپس میں پس رہے تھے البتہ یہ بات ضرور تھی کہ مسلمان کم رہے تھے اور دشمن زیادہ ہندوؤں کو خیال تھا کہ وہ مسلمانوں کو ختم کر ڈالیں گے۔ لیکن جب مسلمانوں نے خود ہی ان کو قتل کرنا شروع کیا تو وہ ذرا احتیاط سے لڑنے لگے ادھر مسلمانوں کے جب وہ دستے جو محمد قاسم نے کشتیوں میں بٹھا دیئے تھے کسی نہ کسی طرح کنارے پر پہنچ کر لڑائی میں مشغول ہو گئے تو اب سواروں کے رسالے بڑھنے لگے یہ لوگ بھی سرعت سے گھوڑوں کو دوڑاتے دوسرے کنارے پر پہنچتے اور جوں توں کر کے گھوڑوں کو گدا گدا کر ساحل پر جا اترے ان سواروں نے خشکی پر پہنچتے ہی ایسے جوش و خروش سے حملے کئے کہ ہندوؤں کی تعداد کثیر نذر اجل ہو گئی۔ جہاں تہاں مردوں کے ڈھیر لگ گئے اور ان کی صفوں کی صفیں الٹ گئیں۔

یہ کیفیت دیکھ کر جے سیاہ نے اپنے لشکر کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ کیا۔ ہندو پیچھے ہٹ گئے اور مسلمان آگے بڑھے اور اس طرح کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اب اسلامی لشکر کے سواروں کو جگہ ملی اور وہ جلدی جلدی پل کو عبور کر کے کنارے پر اترنے اور میدان میں پھیلنے لگے۔ ہر مسلمان یہ چاہتا تھا کہ اسے جلدی سے ذرا سی جگہ خشکی پر مل جائے اور وہ وہاں پہنچ کر جنگ شروع کر دے مگر وہ ایسی سرعت اور گڑبڑ بھی نہیں کر رہے تھے جس سے بوجھ زیادہ ہونے کی وجہ سے پل ہی دریا میں بیٹھ جاتے یا ایک سوار دوسرے پر چڑھ جاتے۔ اگرچہ ان میں سے ہر ایک جلد سے جلد میدان کارزار میں پہنچ کر لڑنا چاہتا تھا۔ مگر پل کو بڑے اطمینان کے ساتھ عبور کیا جا رہا تھا۔

اب جے سیاہ ہاتھیوں پر سوار ہو گیا۔ اس نے تمام ہاتھیوں کو اپنے ہاتھی کے ادھر ادھر پھیلا دیا۔ اور وہ مسلمانوں کی طرف ان کالے پہاڑیوں کو لے کر چلا۔ خوش قسمتی سے ان ہاتھیوں کا رخ اس طرف ہو گیا۔ جس طرف پیدل مسلمان تھے اور نہایت جوش سے لڑ رہے تھے اگر یہ عظیم الجثہ جانور کالی رات کی طرح گھوڑوں کی طرف بڑھتے تو چونکہ عربی گھوڑے ایسی کالی بلاؤں سے ناواقف تھے اس لئے وہ ضرور بھڑک اٹھتے اور ان کے بھڑکنے سے شاید لڑائی کا پانسہ بدل جاتا لیکن جے سیاہ سے یہ حماقت ہوئی کہ وہ ہاتھیوں کی فوج بجائے سواروں کے پیدلوں کی طرف لے گیا۔ شاید اسے خیال ہوا کہ ان ہاتھیوں سے وہ پیدل مسلمانوں کو پامال کر دے گا۔

چنانچہ وہ اس جگہ پہنچا جہاں محمد قاسم۔ اسلم اور ساٹھ ستر اور مسلمان مصروف پیکار تھے مسلمانوں نے ہاتھیوں کو آتے ہوئے دیکھا وہ گھبرا گئے اور ان بلاؤں سے چھٹکارہ پانے کے لئے کوئی تجویز سوچنے لگے۔ لیکن اتنا موقعہ نہ تھا کہ وہ اطمینان سے کھڑے ہو کر سوچتے کیونکہ ہندو ان کے گرد تھے اور ان کی تلواریں ان پر برس رہی تھیں وہ بھی لڑ رہے تھے۔ مگر وہ یہ دیکھ رہے تھے کہ ان کے اور ہاتھیوں کے درمیان جو ہندو تھے وہ ادھر اُدھر کھچے چلے جا رہے تھے وہ بھی ترچھی نظروں سے ہاتھیوں کو دیکھ دیکھ کر ان ہندوؤں سے لڑ رہے تھے۔ جو ان کے ادھر ادھر پھیلے ہوئے تھے انہوں نے سمجھ لیا تھا کہ ہندوؤں نے انہیں محاصرہ میں لے کر ہاتھیوں کے سامنے لے جانے کی کوشش کی ہے ظاہر کہ انسانوں کا ہاتھیوں سے کیا مقابلہ مسلمانوں نے بھی سمجھ لیا تھا کہ ان کی شہادت کا وقت قریب آ گیا ہے مگر باوجود اس کے ان پر خوف کا غلبہ نہ ہوا اور وہ جس جوش اور جس شان سے لڑ رہے تھے برابر لڑتے رہے ابھی ہاتھی ان سے کچھ فاصلے پر تھے مگر قدم قدم بڑھے چلے آ رہے تھے اسلم نے محمد قاسم سے کہا۔ ان کالی پہاڑیوں کا مقابلہ کیسے کیا جائے گا۔ محمد قاسم نے کہا۔ خدا پر اعتماد رکھو لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ (یعنی کوئی خوف اور طاقت سوائے اللہ کے نہیں ہے) کا ورد کرتے رہو۔ جب ہاتھی ان کے قریب آ گئے تب محمد قاسم نے بلند آواز سے کہا۔ ان کی سونڈوں پر ضربیں لگاؤ۔ مسلمان تیار ہو گئے۔ لیکن سب سے پہلے انہوں نے ادھر ادھر حملہ کر کے ہندوؤں کو دبانا اور پیچھے ہٹانا شروع کیا جنگ کچھ ایسی شد و مد کے ساتھ ہو رہی تھی کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کو دوسری جماعت کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ ہر گروہ اپنے حال میں گرفتار تھا۔ چونکہ ہندوؤں کی کثرت تھی اس لئے ہر طرف اور ہر جگہ ہندو مسلمانوں کو گھیرے ہوئے جنگ کر رہے تھے۔ مسلمان بھی سر جھکائے نہایت اطمینان اور بڑے استقلال سے لیکن کمال

جوش اور بڑی پھرتی سے لڑ رہے تھے وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتے تھے اور ہر حملے میں ایک دو ہندوؤں کو مار کر گرا دیتے تھے موت کا بازار گرم ہو رہا تھا اور بہادر کٹ کٹ کر گر رہے تھے جہاں تک نظر جاتی تھی خون آلودہ تلواریں اٹھتی اور جھکتی نظر آتی تھیں ہاتھ اور سر کٹ کٹ کر اچھلتے اور گرتے نظر آتے تھے۔ محاذ جنگ بہت کچھ پھیل گیا تھا اور ہر جگہ نہایت زور و شور سے جنگ ہو رہی تھی۔ محمد قاسم۔ اسلم اور ان کے ساتھیوں نے ہندوؤں کو مار مار کر اپنے گرد لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے اب ہاتھی بالکل ان کے قریب پہنچ گئے تھے اور ان کی پھنکاروں کی آوازیں سننے لگے تھے وہ بھی ان پر حملہ کرنے کے لئے مستعد ہو گئے تھے دفعتاً ان کی پشت کی طرف سے آ کر ہاتھی کی آنکھ میں تیر لگا اور اس نے چیخ ماری۔ اس کے چیختے ہی تمام ہاتھی رک گئے اور لمبی لمبی سونڈیں موڑ موڑ کر اپنے موتھوں میں دبا دبا کر کھڑے ہو گئے۔ مجروح ہاتھی بڑی طرح سے چنگھاڑ رہا تھا اور اگلے پیروں کو زمین پر مار رہا تھا۔ محمد قاسم۔ اسلم اور اس کے ساتھی حیران ہو رہے تھے کہ کس بہادر نے اس وقت تیر چلا کر ہاتھی کو زخمی کرنے کی جرأت کی بھی ان کی حیرت دور نہ ہوئی تھی کہ پھر ایک تیر آ کر لگا۔ جو دوسرے ہاتھی کی آنکھ میں پیوست ہو گیا اور اس نے بھی دل روز چیخ ماری اب اسلم نے پشت کی طرف دیکھا اسے وہی لڑکا تیر کمان لئے کھڑا نظر آیا۔ جو کشتیوں کے پل پر اس وقت نظر آیا تھا۔ جب اس نے ایک موٹے ہندو کو تبر سے زخمی کر دیا تھا۔ چونکہ وہ اس سے ذرا قریب تھا اب بجائے پیدل کے گھوڑے پر سوار تھا اس لیے اس کی صورت صاف نظر آ رہی تھی۔ اسلم کو اس کے چہرہ سے حسن کی شعاعیں نکلتی معلوم ہوئیں اس نے محمد قاسم سے کہا دیکھئے اس فرشتہ کو دیکھئے محمد قاسم اور تمام مسلمانوں نے پھر پھر کر دیکھا۔ سب اسے دیکھ کر حیران رہ گئے محمد قاسم نے کہا حقیقتاً کوئی فرشتہ ہے۔ مسلمانو بڑھو اور ان ہاتھیوں پر حملہ کرو۔ چنانچہ مسلمان بڑھے اور ہاتھیوں کے قریب پہنچ کر انہوں نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ نعرہ لگاتے ہی ہاتھیوں کے سونڈوں پر وار کئے فیلبانوں نے للکار کر ہاتھیوں کو بڑھایا اور ساتھ ہی فیل نشینوں نے بھی مسلمانوں پر حملے شروع کئے لیکن مسلمانوں نے کسی بات کی بھی پروانہ کی۔ انہوں نے جھپٹ جھپٹ کر سونڈوں پر تلواروں سے ضربیں لگانا شروع کیں ادھر مسلمانوں کے پشت کی طرف اسی نوجوان نے جو ریشم کی پوشاک پہنے تھا۔ جلدی جلدی تیر چلا کر ہاتھیوں کو مجروح کرنا شروع کر دیا۔ ان پیہم حملوں سے ہاتھی گھبرا لئے اور پیچھے ہٹے ان کے پیچھے ہٹتے ہی مسلمانوں نے ان کے پیروں پر تلواریں مارنا شروع کیں۔ تمام ہاتھی بدحواس ہو کر بھاگے اور اپنے ہی لشکر کو کچلتے ہوئے دوڑنے لگے۔ ہاتھیوں کے

اس طرح بھاگنے سے ہزاروں ہندو مسلے گئے اور سارے لشکر میں ابتری پھیل گئی۔ ادھر مسلمانوں نے اللہ اکبر کے نعرہ کی آواز سن کر ہر دستہ نے ہر جگہ نعرہ لگایا اور ان نعروں سے تمام میدان گونج اٹھا۔ ہندو ہاتھیوں کے بھاگنے سے بہت کچھ نقصان اٹھا چکے تھے۔ ہاتھی کسی ایک طرف نہ گئے بلکہ مختلف اطراف میں دوڑ رہے تھے اور جس طرف نکل جاتے تھے اسی طرف تباہی پھیلاتے جاتے تھے اس لئے ہندو خوف زدہ ہو گئے تھے اب جب کہ انہوں نے نعرہ تکبیر کی آواز سنی تو وہ سمجھے کہ شاید مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور راجہ جے سیاہ ہزیمت اٹھا کر بھاگ نکلا۔ اس خیال نے ہندوؤں کے حوصلے پست کر دیئے اور وہ ہر جگہ سے گھبرا کر بھاگنے لگے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کر کے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ ہر طرف اور ہر جگہ ہندو کثرت سے قتل ہونے لگے محمد قاسم اور اسلم نے بے شمار ہندوؤں کو قتل کیا تھا اور ابھی تک بدستور مصروف قتل تھے کہ انہوں نے اس ریشمین پوشاک والے نوجوان کو اپنے قریب ہی ہندوؤں سے لڑتے دیکھا وہ نہایت سرعت سے تلوار چلا رہا تھا اور دشمن کے حملوں کو اپنی چھوٹی سی ڈھال پر روک رہا تھا۔ قریب ہر حملہ میں وہ ایک ہندو کو مار ڈالتا تھا۔ نہایت جوش سے لڑ رہا تھا اس کا چہرہ فرط غیظ و غضب سے تمتما رہا تھا اور گل لالہ سے زیادہ سرخ ہو رہا تھا۔ دفعتاً کئی ہندوؤں نے ان پر یکلخت حملہ کیا۔ اس نے نہایت ہوشیاری سے ان کے حملوں کو ڈھال پر روکا۔ محمد قاسم نے اسلم سے کہا۔ جلد بڑھو ہندوؤں نے اسے نرغہ میں لے لیا ہے دونوں اس طرف جھپٹے ہندو اس نوجوان کو نرغہ کئے تھے اور اسے ختم کرنے کے لیے حملے پر حملہ کر رہے تھے۔ اب وہ ان کے حملے روک رہا تھا لیکن معلوم ہو رہا تھا کہ اس کی طاقت زائل ہو چکی ہے کیونکہ اب اس سے جلد جلد ڈھال نہ اٹھتی تھی۔ چنانچہ ایک ہندو کی تلوار اس کی ڈھال پر پڑی اور ڈھال سے شانہ پر آ کر شانہ مجروح کر گئی اس نے ایک خفیف آہ سی کی اور اس کے چہرہ کا گلابی رنگ اڑ کر سفید ہو گیا۔ اس عرصہ میں محمد قاسم اور اسلم دونوں اس کے قریب پہنچ گئے اور دونوں نے نعرہ لگا کر ہندوؤں پر حملے کر دیئے ہندو خوف زدہ ہو کر بھاگے محمد قاسم نے کہا اسلم اس نوجوان کی خبر لو یہ مجروح ہو گیا تھا اور گھوڑے سے گرنے والا تھا کہ فوراً اسلم اس کے قریب پہنچا اور اس نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا۔ حوصلہ کرو نوجوان۔ نوجوان نے اسلم کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت کے لہجہ میں کہا۔ کون اسلم۔

اس نوجوان کی زبان سے اپنا نام سن کر اسلم کو کمال حیرت ہوئی مگر یہ حیران رہنے کا موقعہ نہ تھا۔

اس نے فوراً کہا۔ ہاں میں اسلم ہی ہوں۔ نوجوان نے کمزور آواز سے کہا۔ میں زخمی ہو گیا ہوں اگر ممکن ہو تو مجھے آہستہ سے گھوڑے سے نیچے اتار لو۔ جلدی سے اسلم نے اسے گود میں لے کر گھوڑے سے کھینچ لیا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس نوجوان کا جسم نہایت ملائم ہے مگر اس وقت اس بات پر بھی غور کرنے کا موقعہ نہ تھا اس نے اسے زمین پر کھڑا کر کے اپنے عمامہ میں سے دھجیاں پھاڑ کر اس کے شانہ پر باندھیں اور اسے بٹھا کر اس کے پاس خود اس کی حفاظت کے لئے کھڑا ہو گیا ادھر ہندوؤں کو ہر محاذ پر شکست ہو گئی تھی اور وہ بُری طرح سے بھاگ رہے تھے۔ مسلمان ان کے پیچھے انہیں قتل کرتے بڑھے چلے جا رہے تھے۔ جے سیاہ ہاتھی پر سوار تھا۔ لشکر کی پراگندگی دیکھ رہا تھا۔ فیلبان نے اس سے کہا اندا تا ہندو بھاگے جا رہے ہیں۔ ہاتھی کو پیچھے ہٹاؤں یا آگے بڑھاؤں۔ جے سیاہ نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ افسوس بزدل ہندو ہزیمت اٹھا کر بھاگ رہے ہیں اس وجہ سے اب ہاتھی آگے بڑھانے سے کیا ہو گا۔ فیلبان سمجھ گیا کہ جے سیاہ بھی بھاگنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ہاتھی کو اشارہ کیا اور وہ جے سیاہ کو لے کر بیت کی طرف لپکا۔ وہ جس طرف سے گزرا اس نے تباہ حال اور پریشان حال ہندوؤں کو ڈرتے ہوئے دیکھا۔ جو ہندو پیدل تھے ان میں سے تو ایک بھی بچ کر نہ جا سکا۔ سب کو مسلمانوں نے ایک ایک کر کے قتل کر ڈالا۔ البتہ جو سوار تھے وہ اپنی جانیں بچا کر لے جا سکے دوپہر کے وقت تمام میدان ہندوؤں سے پاک ہو گیا۔ اب مسلمانوں نے ہندوؤں کے کیمپ کا رخ کیا اور وہاں پہنچ کر کیمپ پر اپنا قبضہ کر لیا۔



لہ ہندوؤں کو بھاگتا دیکھ کر جے سیاہ کی ہمت ٹوٹ گئی تھی اور اس لئے اس نے لڑنے پر بھاگ جانے کو ترجیح دی۔ (از تاریخ ہند) صفحہ ۱۴۱۔

چوّنواں باب ۵۴

زخمی نوجوان

اسلامی تاریخوں کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے اکثر و بیشتر ایسے ایسے کام کئے جن کو سن سن کر ہی حیرت ہوتی ہے جو طریقہ پل بنانے اور اسے تیرا کر قائم کرنے کا قاسم کے ذہن میں آیا وہ عجیب ہی تھا اور اس وقت تک کسی کی سمجھ میں ہی نہ آیا۔ جب تک وہ تیر کر دوسرے کنارہ کی طرف نہ چلا۔ موکہ بھی حیران ہوا اب سب سے زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی کہ اس کے خیال میں محمد قاسم بچہ تھا جو لہو و لعب میں اپنی نوعمری کے دن گزارتا نہ کہ میدان جنگ میں آکر لڑتا اور پھر کس شان سے لشکر کا سپہ سالار بن کر اور ایسی ایسی تجویزیں اس کے ذہن میں آتی جو بڑے بڑے مدبروں کے دماغ میں نہ آسکیں مسلمانوں نے ہندوؤں کے کیمپ پر قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد انہوں نے زخمیوں کی مرہم پٹی کرنا شروع کی اور کچھ لوگ دوسری طرف جا کر اپنے ڈیرے خیمے اور سامان پل کے ذریعہ سے لے آئے جب کہ تمام مسلمان کسی نہ کسی کام میں مشغول تھے اس وقت اسلم اس نوجوان کو جو مجروح ہو گیا تھا اپنے ہمراہ لے کر ہندوؤں کے کیمپ میں پہنچا اور خیمہ میں جا گھسا جس خیمہ میں وہ گھسا وہ کسی ہندو سردار کا تھا۔ کیونکہ اس میں آرام و آسائش کا تمام سامان موجود تھا۔ فرش پر مسند بچھی ہوئی تھی تکیے لگے ہوئے تھے۔ نوجوان کو سخت تکلیف تھی۔ غالباً چلنے سے زخم میں ٹیس لگتی تھی وہ جھکا جاتا تھا۔ اسلم اسے سہارا دے کر لایا تھا اس نے اسے مسند پر بٹھا دیا تو د بھی اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اب اس نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھا اسے خیال ہوا کہ اس نے اس وقت سے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے۔ لیکن کہاں دیکھا اسے یاد نہ آیا۔

چونکہ تکلیف کی وجہ سے اس کے چہرہ کا رنگ پھیکا پڑا ہوا تھا۔ آنکھیں بند ہوئی جاتی تھیں لبوں پر خشکی دوڑ گئی تھی اس لئے اسلم بہت زیادہ متاثر ہوا۔ اس نے کہا اس وقت آپ کو سخت تکلیف ہے آپ یہاں آرام کریں میں کسی جرّاح کو بلانے جاتا ہوں وہ زخم صاف کر کے دوائی لگا

کر پٹی کس دے گا۔ نوجوان نے اپنے نازک لبوں کو دانتوں سے دباتے ہوئے کہا۔ نہیں اس کی ضرورت نہیں۔

اسلم۔ ضرورت نہیں خوب کہا آپ نے یہ تکلیف جو اس وقت آپ کو ہے اسی وقت دور ہوگی۔ جب آپکے زخم پر دوا لگا کر پٹی کسی جائے گی۔

یہ کہتے ہی وہ اٹھا اور چلنے لگا۔ نوجوان نے کمزور آواز سے کہا۔ ٹھہریئے۔

اسلم۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں۔

وہ چلا گیا۔ نوجوان اب تک تو ضبط کرتا رہا لیکن اب نہ ہو سکا مسند پر لیٹ گیا اور بے چینی سے کروٹیں بدلنے لگا۔ تھوڑی ہی دیر بس اس نے قدموں کی چاپ سنی۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اس وقت اسلم ایک جراح کو ہمراہ لے کر آگیا۔ دونوں نوجوان کے پاس جا کر بیٹھ گئے۔ جراح نے کہا اوہو کس قدر کمسن نوجوان ہے اطمینان رکھو۔ صاحبزادہ میری دوا لگاتے ہی چین پڑ جائے گی۔ ٹھہرو میں تمہارے پہلے کپڑے اتار ڈالوں؟ یہ کہتے ہی وہ نوجوان کی طرف بڑھا۔ باوجود اشد تکلیف ہوتے کے نوجوان جلدی سے پیچھے ہٹ گیا۔ اس نے کہا نہیں میں کپڑے نہیں اتروا سکتا۔ اسلم اور جراح دونوں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ جراح نے کہا تعجب ہے پھر کیسے دوائی لگائی جا سکے۔

نوجوان۔ نہ لگائیے

جراح۔ مگر یہ آپ کی تکلیف

نوجوان۔ خدا خود دوا کرے گا۔

جراح۔ یہ ٹھیک ہے لیکن دوا کا حکم تو خدا نے بھی دیا ہے

نوجوان۔ مگر میں کپڑے نہیں اتار سکتا۔

جراح۔ کیا ہرج ہے اس میں۔

نوجوان۔ کچھ ہرج نہیں مگر میری شرم اس کی اجازت نہیں دیتی۔

جراح۔ اس قدر شرم ٹھیک نہیں ہے؛

نوجوان کیا آپ حضرت عثمان غنیؓ کو بھول گئے کسی نے آپ کے جسم کو نہ دیکھا تھا۔

جراح لیکن بیمار دل اور مجروحوں کے لئے تو روا ہے۔

نوجوان۔ بے شک مگر میں اس کے لئے تیار نہیں۔

جرّاح۔ اور ہم لوگوں سے آپ کی تکلیف نہیں دیکھی جاسکتی۔

نوجوان۔ آپ مجھے تنہا چھوڑکر چلے جایئے۔

اسلم۔ اسے اسلامی اخوت گوارا نہیں کرتی۔

نوجوان۔ لیکن میری غیرت کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دیتی۔

جراح نے اسلم سے کہا آپ اس بات کی جاکر سپہ سالار کو اطلاع کریں۔

اسلم۔ بہت اچھا۔

اسلم اٹھا نوجوان نے کہا نہ جاؤ اسلم ان کے پاس نہ جاؤ۔

اسلم۔ اگر تم دوا لگوالو تو میں نہ جاؤں

نوجوان۔ بخدا مجھے شرم آتی ہے۔

اسلم۔ اور خدا کی قسم ہم سے تمہاری تکلیف دیکھی نہیں جاتی اچھا میں باہر چلا جاتا ہوں اور تم دوا لگوالو۔

نوجوان۔ نہیں میں دوا نہیں لگواسکتا تم کپڑا پانی میں ترکر کے کیوں نہیں باندھ دیتے۔

جرّاح۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ زخم کس قدر گہرا ہے اس وقت تک صرف پانی سے ترکر کے کپڑا باندھنا مناسب نہیں ہے۔

نوجوان۔ بس تو رہنے دیجئے۔

اسلم چلا گیا اور بہت جلد محمد قاسم کو بلا لایا۔ نوجوان نے اٹھنے کا ارادہ کیا۔ محمد قاسم نے کہا مت اٹھو۔ میرے دوست مت اٹھو۔ خدا کی قسم کس دلیری سے لڑے ہو تم:۔

نوجوان۔ آپ کی اس حوصلہ افزائی کا شکریہ

محمد قاسم بڑھ کر اس کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے کہا مجھے بھائی اسلم نے بتایا ہے کہ تم دوا نہیں لگواتے۔

نوجوان۔ میرا زخم معمولی ہے صرف پانی کے کپڑے سے اچھا ہو جائے گا۔

محمد قاسم۔ مگر زخم تو دیکھنا تو ضروری ہے

نوجوان۔ لیکن میری شرم مجھے کپڑے اتارنے کی اجازت نہیں دیتی۔

محمد قاسم۔ کپڑے نہ اتروایئے (جراح سے) آپ جس جگہ زخم ہے وہاں سے تھوڑی سی عبا چاک کر کے زخم دھو کر دوا لگادیں۔

جرّاح۔ مناسب ہے۔

محمد قاسم۔ میرے خیال میں اس میں آپ کو بھی کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

نوجوان۔ بشرطیکہ عبا کو زیادہ چاک نہ کیا جائے۔

جراح۔ زیادہ بالکل نہ چاک کیا جائے گا۔

جراح اٹھا اور اس نے اسلم کو پانی لانے کے لئے بھیج دیا اور خود نوجوان کے پاس پہنچا۔ اس کے شانہ پر سے عبا کو چاک کر کے زخم دیکھا۔ واقعی زخم معمولی تھا نہ زیادہ گہرا نہ تھا۔ مگر پھر بھی زخم تھا۔ ذرا سا چاقو لگنے سے ہی تکلیف ہو جاتی ہے وہ تو تلوار کا زخم تھا اس لئے نوجوان کو تکلیف تھی۔ اس عرصے میں اسلم پانی لے آیا۔ جراح نے زخم دھو کر دوائی لگائی اور پٹی کس دی جب تک پٹی کستا رہا نوجوان کا ہاتھ اس کے سینہ پر رکھا رہا۔ پٹی کس کر جراح نے کہا انشاء اللہ تعالیٰ یہ ایک ہی پٹی کافی ہو گی۔ زخم زیادہ گہرا نہیں ہے۔ جراح چلا گیا۔ محمد قاسم اور اسلم بیٹھے رہ گئے۔ محمد قاسم نے پوچھا۔ کیسے کچھ تکلیف میں کمی ہوئی؟

نوجوان۔ میرے خیال میں آدھی تکلیف رہ گئی ہے۔

اسلم۔ مگر آپ ضد کئے جاتے تو تکلیف ضرور بڑھ جاتی۔

نوجوان۔ کیا کروں مجبور ہوں

محمد قاسم۔ تمہارا کیا نام ہے۔

نوجوان۔ بدر جمال

محمد قاسم۔ ماشاءاللہ نام صورت کی مناسبت سے خوب رکھا ہے۔

نوجوان۔ یہ سن کر کچھ جھیپ گیا۔

محمد قاسم۔ تم اس وقت کہاں سے آ رہے ہو؟

بدر جمال۔ الور سے

محمد قاسم اور اسلم دونوں کو حیرت ہوئی دونوں حیران ہو کر اس کی صورت دیکھنے لگے اس نے اپنی نگاہیں جھکا لیں۔ محمد قاسم نے تعجب کے لہجہ میں کہا الور سے۔

بدر جمال۔ جی ہاں

محمد قاسم۔ کیوں گئے تم وہاں

بدر جمال۔ ایک لڑکی طاہرہ کو راجہ داہر گرفتار کر کے لے گیا تھا۔

یہ کہتے وقت بدر جمال نے اسلم کی طرف دیکھا اسلم ہمہ تن متوجہ ہوا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔

.... محمد قاسم نے کہا ہاں ے گیا تھا کیا تم اُسے رہا کرانے کے لئے گئے تھے؟

بدر رجمال۔ جی ہاں

دونوں کو اور بھی تعجب ہوا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا مگر تم ناکام رہے۔

بدر رجمال۔ میں طاہرہ سے ملا تھا ....

دونوں نے نہائیت حیران ہو کر اسے دیکھا۔ محمد قاسم نے حیرت بھرے لہجہ میں کہا تم اس سے ملے تھے۔

بدر رجمال۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ پھر اسے کیوں نہ لے آئے؟

بدر رجمال۔ رانی لاڈی نے اسے نہ آنے دیا

محمد قاسم نے سرد آہ بھر کر کہا۔ گویا وہ رانی لاڈی کے پاس رہتی ہے۔

بدر رجمال۔ رہتی تھی مگر اس نے ایک دن آپ کے (محمد قاسم) کے متعلق اس سے کچھ گفتگو کی تو راجہ نے سن لی اور اس نے رانی لاڈی کو قید کر دیا۔

محمد قاسم نے چونک کر بدر رجمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کیا بات کہی تھی رانی نے۔

بدر رجمال۔ اس نے کہا تھا کہ اگر محمد قاسم مجھے اپنی خدمت میں رکھنا منظور فرما دیں تو میں جانے کے لئے تیار ہوں۔

محمد قاسم کے دل پر کچھ چوٹ سی لگی۔ اس نے کہا گویا رانی میرے پاس آنے کے لئے تیار تھی۔

بدر رجمال۔ جی ہاں مگر اب قید کر دی گئی ہے۔

محمد قاسم۔ انشاء اللہ میں اسے بھی رہائی دلاؤں گا لیکن جب رانی قید ہو گئی تھی تو پھر طاہرہ تمہارے ساتھ کیوں نہ چلی آئی!

بدر رجمال کچھ گھبرا گیا۔ لیکن اس نے فوراً ہی کہا اس لئے کہ رانی کو رہا کرانے کی فکر میں ہے۔

محمد قاسم، مگر تم نے بڑی جرأت کی۔

بدر رجمال۔ مجھے ایک جادوگرنی نے وہاں تک پہنچایا تھا۔

جوگنی کو اسلم نے اس وقت دیکھا تھا۔ جب ساحل دیبل پر اسے اور سراندیپ سے آنے والے مسلمانوں کو داہر کے سپاہیوں نے قید کیا تھا اس نے کہا ٹھیک ہے شاید وہ

مسلمانوں کی خیر خواہ ہے۔

بدر جمال۔ نہیں وہ اپنے ملک وقوم کی خیر خواہ ہے اس کا خیال ہے کہ مسلمان اس ملک کو فتح کرلیں گے اس لئے وہ نہیں چاہتی کہ جنگ ہو۔

محمد قاسم، اور تم رہنے والے کہاں کے ہو۔

بدر جمال۔ بصرہ کا۔

محمد قاسم۔ کس کے ساتھ یہاں آئے تھے؟

بدر جمال، آپ کے لشکر کے ساتھ

محمد قاسم، تعجب ہے میں نے پہلے تم کو کبھی نہیں دیکھا تھا۔

بدر جمال۔ میں نے خود احتیاط کی تھی کہ آپ مجھے نہ دیکھیں۔

محمد قاسم، کیوں؟

بدر جمال۔ اس خیال سے کہ کہیں آپ مجھے واپس نہ لوٹا دیں۔

محمد قاسم، اور تم واپس نہ جانا چاہتے تھے۔

بدر جمال۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ کس وجہ سے

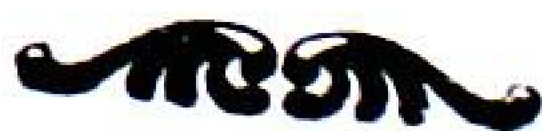
بدر جمال۔ مجھے طاہرہ سے غائبانہ محبت ہوگئی تھی اور میں اسے رہا کرنا چاہتا تھا۔

یہ کہتے ہوئے اس نے اسلم کو دیکھا۔ اسلم کے چہرہ سے رشک کی علامتیں ظاہر ہوئیں اور محمد قاسم نے مسکرا کر کہا لیکن طاہرہ نے تمہاری محبت کی کچھ قدر نہ کی۔

بدر جمال۔ نہیں وہ میری بہت مشکور ہوئی۔

اب ظہر کی اذان ہوئی۔ محمد قاسم نے کہا ہم نماز پڑھ آئیں تم یہیں پڑھ لو۔

محمد قاسم چلا گیا۔ اسلم نے اُسے پانی لاکر وضو کرایا۔ بدر جمال قبلہ رو ہو کر نماز پڑھنے لگا۔



پچپنواں باب ۵۵

پیغام

گذشتہ باب میں جس جنگ کا ذکر ہم نے لکھا ہے اس میں بھی بے شمار ہندو مارے گئے۔ تقریباً ساڑھے پانچ ہزار ہندو اور مسلمان پچاس سے کم شہید ہوئے ظہر کی نماز پڑھ کر شہداء کو جمع کر کے جنازہ کی پڑھی اور انہیں دفن کرا دیا۔ چونکہ بہت سے مسلمان مجروح ہو گئے تھے نہ انہیں وہاں چھوڑ جانا مناسب تھا اور نہ ہمراہ لے جانا ٹھیک تھا اس لئے سارا لشکر ہی ان کے اچھا ہونے کے انتظار میں وہیں مقیم ہو گیا شام کے وقت موکہ بھی معہ اپنے لشکر کے اس پار آ گیا اس نے محمد قاسم کو فتح کی مبارک باد دی اور اس کے پل بنانے کی حسن تدبیر کی بڑی تعریف کی اور اب تمام لشکر دار السلطنت میں بھیج دیا۔ صرف ایک ہزار سوار اپنے پاس رہنے دیئے دوسرے دن تمام منجنیقیں اور دوسری بھاری چیزیں بھی اس طرف سے پل کے اوپر کھینچ لائے محمد قاسم نے موکہ سے کہا کہ وہ اپنے کچھ آدمی بطور جاسوسوں کے اور کی طرف بھیج دے تاکہ وہ خبر لا دیں کہ راجہ داہر کیا کر رہا ہے اور کس قدر لشکر لے کر ہمارے مقابلہ کے لئے آنے والا ہے۔ چنانچہ موکہ نے اپنے معتمدوں کو دریافت حال کے لئے روانہ کر دیا۔ چند دن میں تمام مجروحین کے زخم مندمل ہو گئے۔ بدر جمال بھی اچھا ہو گیا اور اب مسلمانوں نے پیش قدمی شروع کر دی وہاں سے چل کر ایک مختصر قصبہ تارامنی میں پہنچے وہیں ٹھہر گئے۔ کیونکہ سامنے ان کے ایک ایسی جھیل آ گئی۔ جس کو بغیر کشتیوں کے عبور کرنا دشوار تھا۔ جھیل کچھ زیادہ چوڑی نہ تھی لیکن گہری اور لمبی بہت زیادہ تھی۔ کئی روز کی لگاتار کوشش کے بعد ایک بہت ہی مختصر سی کشتی تارامنی میں ہی شکستہ حالت میں پڑی ہوئی مل گئی انہوں نے اسے درست کیا اور کھینچ کر جھیل میں لا ڈالا۔ یہ کشتی اتنی چھوٹی تھی کہ ان کے علاوہ صرف تین آدمی اس میں بیٹھ سکتے تھے۔ چنانچہ تین تین آدمیوں کو ہی اس میں سوار کرا کر پار اتارتے جاتے اس طرح سے کئی دن میں یہ لشکر جھیل سے پار ہوا تمام لشکر اس طرف آ جانے پر پھر انہوں نے

کوچ کیا اور جے پور میں داد ہادہ ندی کے کنارہ پر جا پہنچے یہ ایک نہایت وسیع میدان تھا مسطح اور سبزہ زار میدان۔ موکہ نے کہا۔ میرے خیال میں یہ جگہ جنگ کے لئے بہت بہتر ہے۔ اسی جگہ قیام کیجئے۔ راجہ داہر بھی اسی جگہ لشکر لیکر آئے گا۔ محمد قاسم کو بھی یہ جگہ اچھی معلوم ہوئی اور اس نے اسی جگہ قیام کر دیا۔ بدر جمال کے لئے محمد قاسم نے علیحدہ ایک خیمہ دے دیا تھا اور وہ اس میں رہنے لگا تھا۔ محمد قاسم کے لشکر میں بہت سے نو عمر مجاہد آ گئے تھے۔ لیکن ان میں محمد قاسم سب سے کم عمر کا بچہ تھا اور محمد قاسم سے زیادہ کم عمر بدر جمال تھا اور حسین بھی سب سے بڑھکر تھا وہ اپنے خیمہ سے کم باہر نکلتا تھا۔ تو جس طرف سے گزرتا تھا لوگوں کی نظریں اس کی طرف اٹھتی چلی جاتی تھیں اب اسے بالکل آرام ہو گیا تھا مگر پھر بھی وہ اچھی طرح آرام نہ ہونے کا بہانہ کئے ہوئے تھا اور اس لئے نماز اپنے ہی خیمہ میں پڑھ لیتا۔ محمد قاسم اکثر اس کے پاس آ بیٹھتا تھا اور اس سے باتیں کرتا تھا اسے اس کی باتوں میں بڑا لطف آتا تھا۔ کبھی کبھی وہ رانی لادی کا بھی ذکر چھیڑ دیتا تھا اور گھنٹوں اس کی باتیں سنتا رہتا تھا۔ اسلم بہت کم اس کے پاس آتا تھا اور جب آتا تنہا نہیں بلکہ محمد قاسم کے ساتھ۔ اس کا جی تو چاہتا تھا کہ وہ اس کے پاس آ کر بیٹھے اور اس کی باتیں سنے مگر کسی وجہ سے کھنچا کھنچا رہتا تھا۔ بدر جمال بھی اس بات کو محسوس کرتا تھا۔ لیکن اس نے کبھی اس بات کو معلوم کرنے کی کوشش نہ کی کہ وہ کیوں کھنچا رہتا ہے۔

ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اسلم بدر جمال کے سامنے سے گزر رہا تھا اور بدر جمال دروازہ پر کھڑا تھا۔ اسلم نے اسے دیکھ کر سلام کیا اور آگے بڑھنا چاہا بدر جمال نے مسکرا کر کہا۔ کہاں جا رہے ہو اسلم۔ اسلم نے بے رخی سے کہا۔ سپہ سالار کے پاس جا رہا ہوں۔

بدر جمال۔ کیا کوئی کام ہے۔
اسلم۔ کوئی خاص نہیں ہے۔
بدر جمال۔ تو آئیے کچھ باتیں کریں گے۔

اگر اسلم نہ جاتا تو بد اخلاقی تھی۔ اس لئے وہ اس کی طرف لوٹا۔ بدر جمال خیمہ کے اندر چلا گیا۔ اسلم بھی خیمہ میں داخل ہو کر اس کے پاس جا بیٹھا۔ بدر جمال نے کہا۔ شاید آپ مجھ سے ناراض ہیں اسلم نے کہا۔ میں کیوں ناخوش ہوتا آپ سے؟

بدر جمال۔ اسے تو آپ ہی سمجھ سکتے ہیں
اسلم۔ مگر آپ کو یہ خیال کیوں ہوا۔
بدر جمال۔ آپ کی بے رخی دیکھ کر۔ اسلم۔ یہ محض آپ کا خیال ہے۔

بدر جمال۔ ممکن ہے مگر میرے پاس نہ آنے کا کیا سبب ہے ؟

اسلم۔ جب موقعہ ہوتا ہے تو ضرور آتا ہوں۔

بدر جمال۔ موقعہ ؟ گویا ہر وقت آپ کام میں مشغول رہتے ہیں۔

اسلم۔ یہی سمجھ لیجئے۔

بدر جمال۔ مگر کیا کام کرتے رہتے ہیں آپ ؟

اسلم۔ کوئی خاص کام بھی نہیں ہوتا

بدر جمال۔ میں سمجھتا ہوں اسلم۔

اسلم۔ کیا سمجھتے ہیں

بدر جمال۔ آپ مجھ سے کچھ ناخوش ہیں۔

اسلم۔ نہیں بدر جمال ایسا خیال نہ کرو کوئی مسلمان کسی مسلمان سے کبھی ناخوش نہیں ہو سکتا اور میں ناخوش کیوں ہوتا۔

بدر جمال۔ میں بتادوں

اسلم نے اس کے چہرہ کی طرف دیکھ کر کہا بتاؤ۔

بدر جمال۔ تم شاید تسلیم نہ کرو۔

اسلم۔ تسلیم کرنے کی بات ہوگی تو ضرور تسلیم کرلوں گا۔

بدر جمال۔ آپ کا خیال ہے کہ میں طاہرہ کو چھڑانے کے لئے کیوں گیا۔

اسلم۔ نہیں تم مسلمان ہو اور مسلمان کا یہ فرض تھا۔

بدر جمال۔ افسوس تم نہیں مانتے جانے دیجئے اگر آپ اقرار کر لیتے تو میں طاہرہ کا پیغام آپ کو سنا دیتا۔

اسلم چونک پڑا اس نے حیرت سے بدر جمال کی طرف دیکھ کر کہا طاہرہ کا پیغام میرے دوست سناؤ کیا پیغام ہے !!

بدر جمال۔ بس کچھ نہیں۔

اسلم نے عاجزی کے لہجہ میں کہا نہیں نہیں دوست ناخوش نہ ہو جاؤ۔ مجھے سناؤ اس کا پیغام سناؤ۔

بدر جمال۔ گویا تم کو طاہرہ سے محبت ہے۔

اسلم۔ ہاں

بدر جمال۔ اور آپ کو مجھ سے اس لئے رشک ہوا کہ میں نے اس سے باتیں کیں۔

اسلم۔ یہ سچ ہے بدر جمال تم خوب صورت ہو

مجھ سے کہیں زیادہ خوب صورت ہو مجھے رشک ہونا قدرتی بات ہے۔

بدر جمال۔ طاہرہ تم کو یاد کرتی تھی اسے یہ معلوم نہ تھا کہ تم آزاد ہو گئے ہو کہنے لگی کہ مجھے رہا کرانے سے پہلے انہیں آزاد کراؤ۔

اسلم کا چہرہ چمک اٹھا اس نے کہا کس قدر وفادار کاش میں اڑ کر اس کے پاس پہنچ سکتا۔ کیا یہ ممکن نہیں بدر جمال کہ تم اور میں دونوں چلیں اور چل کر اسے آزاد کرا لیں۔

بدر جمال۔ اس کی ضرورت نہیں ہے انشاء اللہ وہ رہا ہو جائے گی۔

اسلم۔ کیسے رہا ہو جائے گی۔

بدر جمال۔ سیباگر وزیر اعظم اسے اور رانی لاڈی کو رہا کرانے کی فکر میں ہے۔

اسلم۔ خدا کرے کہ وہ رہا ہو جائے بدر جمال میرے دن اس کی یاد میں اور میری راتیں اس کے تصور میں گزر جاتی ہیں۔

بدر جمال۔ لیکن اسے خیال تھا کہ شاید تم اسے بھول گئے ہو۔

اسلم۔ میں اسے آخری وقت تک بھی نہیں بھول سکتا۔

بدر جمال۔ مگر شاید تم اسے دیکھ کر اب پہچان نہ سکو۔

اسلم۔ کیوں؟

بدر جمال اس لئے کہ وہ بہت بدل گئی۔

اسلم۔ شاید اس پر سختیاں زیادہ کی گئی ہیں۔

بدر جمال۔ ہاں کچھ سختیاں بھی کی گئی ہیں۔

اسلم۔ اور کیا وہ بیمار ہو گئی تھی۔

بدر جمال۔ نہیں!

اسلم۔ تو شاید غم و رنج نے اسے گھلا دیا ہے۔

بدر جمال۔ ہاں وہ رنجیدہ رہتی تھی۔

اسلم۔ افسوس ہے۔

بدر جمال۔ مگر اب خوش تھی۔

اسلم۔ اور خدا کرے کہ خوش رہے۔

بدر جمال نے مسکرا کر کہا اب تم مجھ سے کھنچے کھنچے نہ رہو گے؟ اسلم نے اس کی طرف مشکورانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا نہیں میرے اچھے دوست مجھے معاف کر دو میں نے حماقت کی آپ سے مشکوک ہو کر رشک کرنے لگا!

بدر جمال۔ اسی لئے اسلام رشک کرنے سے منع کرتا ہے۔

اسلم۔ حقیقت میں مجھ سے گناہ ہو گیا معاف کر دو میرے دوست

بدر جمال۔ میں نے معاف کر دیا خدا بھی معاف کر دے۔

اسلم۔ ایک بات عرض کروں۔

بدر جمال۔ کہو!

اسلم۔ مجھے آپ کا چہرہ طاہرہ کے چہرہ سے بہت کچھ ملتا جلتا معلوم ہوتا ہے۔

بدر جمال نے ہنس کر کہا۔ تھوڑے دنوں میں کہنے لگنا کہ میں طاہرہ ہی ہوں اسلم محجوب ہو گیا۔ اس نے کہا دوست اب تم میرے خیمہ میں میرے پاس رہا کرو۔

بدر جمال۔ آپ کی مہربانی ہے میں تنہا ہی رہنا پسند کرتا ہوں۔

اب محمد قاسم آ گئے اور یہ دونوں چپ ہو گئے محمد قاسم نے بیٹھتے ہوئے کہا موکہ کے جاسوس آج واپس آ گئے ہیں یہ کہتے ہیں کہ راجہ داہر لشکر عظیم اور ہاتھی لے کر چل پڑا ہے۔

اسلم۔ خداوند کرے گا

محمد قاسم۔ یقین ہے کہ وہ ہمیں فتح دے گا۔

اسلم۔ انشاءاللہ

اس کے بعد مختلف امور پر گفتگو شروع ہو گئی اور دوپہر کے وقت محمد قاسم اور اسلم دونوں اٹھ کر اپنے اپنے خیمے کی طرف چلے گئے۔



چھپنواں باب ۵۶

عظیم الشان لشکر

جے سیاہ کو راجہ داہر اور اس کی رعایا نے بڑے جوش وخروش اور بڑے شان وتجمل سے رخصت کیا تھا۔ تمام رعایا خود داہر اور سارے ارکین سلطنت کا خیال تھا کہ جے سیاہ ہی مسلمانوں کو شکست دے کر بھگا دے گا۔ چنانچہ سب کی نگاہیں میدان کارزار کی طرف لگی ہوئی تھیں اور سب اس امید میں تھے کہ عنقریب فتح کی خوش خبری آنے والی ہے۔ داہر اس بات کو بھول گیا کہ اس نے جے سیاہ سے وعدہ کیا تھا۔ کہ اس کے پیچھے وہ بھی روانہ ہو جائے گا۔ باوجود کہ جے سیاہ کو روانہ ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ اب تک اسے بھی روانہ ہو جانا چاہیئے تھا۔ لیکن وہ غرق عشرت ہو اداد عیش دے رہا تھا در اصل وہ لڑائی سے جی چراتا تھا جو شخص عشق و عشرت میں عشرت میں پھنس جائے۔ ہر وقت عورتوں سے مصروف اختلاط رہے۔ اس میں بہادری کے جوہر باقی نہیں رہتے۔ چنانچہ داہر میں بھی مردانگی کے عنصر کا فقدان ہو چکا تھا اس لئے وہ میدان کارزار میں نہ جانا چاہتا تھا لیکن اس قسم کے لوگوں میں ضد کا مادہ بڑھ جاتا ہے چنانچہ وہ بھی ضدی تھا اور اس ضد کی بدولت ہی اس نے مسلمانوں سے صلح کرنا گوارہ نہ کیا۔ حالانکہ مسلمانوں کا سوائے اس کے کوئی اور مطالبہ نہ تھا کہ وہ ان تمام اسیروں کو رہا کر دے جنہیں اس کے سپاہی دیبل کے ساحل سے گرفتار کر لائے تھے اور ان کا تمام سامان اور زر نقد بھی واپس دے دیئے جائیں مگر اس نے اپنی حماقت اور ناعاقبت اندیشی سے مسلمانوں کا یہ جائزہ مطالبہ تسلیم نہ کیا اس واقعہ سے تاریخ دان حضرات اور غیر متعصب لوگ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ڈاکو مسلمان نہ تھے بلکہ ہندو راجہ اور مہاراجہ تھے جو کہ اول تو آپس ہی میں کٹتے مرتے رہتے تھے۔ ہر طاقت ور کمزور کو فنا کر دیتا تھا اور بیس ڈالتا تھا اور جب آپس میں صلح ہو جاتی تھی تو پھر غیر اقوام کو لوٹتے تھے۔ یہ لوٹ مار کی عادت ان میں اس وقت سے تھی جب کہ آریہ ہندوستان میں آئے تھے۔ تاریخیں بتاتی ہیں کہ ہندوستان میں کول اور دراوڑ لوگ بس آباد تھیں، امن واطمینان سے زندگی بسر

کر رہی تھیں اور ان کے نہایت عالی شان شہر آباد ہو گئے تھے اور چاروں طرف تجارت خوب پھیل گئی تھی۔ اگرچہ یہ لوگ ہزاروں چیزوں کی پرستش کرتے تھے۔ مثلاً بھوت پریت۔ سانپ۔ بت درخت۔ پتھر۔ زمین غرض کہ ہزاروں چیزوں کو پوجتے تھے مگر اپنے مردوں کو بجائے جلانے کے دفن کرتے تھے ان میں ذات پات کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ دفعتاً ان پر مصیبت نازل ہوئی اور آریوں نے افغانستان کے درہ سے نکل کر ان امن پسندوں پر حملہ کر دیا یہ حملہ محض لوٹ مار اور قتل و غارت گری اور زر۔ زمین زن چھیننے کے لئے گیا۔ کچھ دنوں تو کول اور دراوڑ ان لیٹروں کا مقابلہ کرتے رہے لیکن آخر پسپا ہو کر جنوبی ہند کی طرف چلے گئے اور کچھ بے چارے جنگلوں کو کاٹ کاٹ کر میدان میں اور کچھ پہاڑوں میں جا کر آباد ہو گئے۔ چنانچہ بندھیاچل وغیرہ کی پہاڑیوں اور ان کے نشیبی میدانوں میں یہ قومیں اب تک موجود ہیں اور آج تک آریوں کے مظالم یاد کر کر کے روتی اور انہیں دل کھول کر برا بھلا کہتی ہیں۔ تامل تلگو۔ کناری۔ ملایا وغیرہ زبانیں یہی مظلوم قوم بولتی ہے آریوں نے ان لوگوں پر بے حد مظالم کئے انہیں قتل کیا لوٹا۔ ان کی عورتوں اور بچوں کو چھین لیا اور ان کو شمالی ہندوستان سے نکال کر جنوبی ہند میں دھکیل دیا۔ اور ان کے شہروں اور زمینوں پر قابض ہو گئے۔ آج ان ظالم آریوں کی اولاد قریب قریب تمام ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے اور چونکہ ان بزرگوں نے ہندوستان کی اصلی باشندہ اقوام پر بلاوجہ حملہ کر کے انہیں لوٹا اور قتل و غارت کیا تھا اس لئے آج مسلمانوں پر لوٹ مار اور قتل و خونریزی کا اس لئے الزام لگاتے ہیں تاکہ مسلمان انہیں یہ نہ کہیں کہ تم ڈاکو ہو عورتوں اور بچوں کو زبردستی چھینتے والے ہو تم نے کول اور دراوڑوں پر ستم کئے قتل کیا اور انہیں لوٹا ان کے شہروں کو تباہ کیا ان کی عورتوں بچوں نیز زر و مال کو ان سے چھین لیا اور انہیں پیسہ پیسہ کو محتاج کر کے شمالی ہندوستان سے نکال دیا۔ مسلمانوں نے کبھی بلاوجہ ہندوستان پر حملہ نہیں کیا البتہ جب کبھی ان خودسر آریوں کے دماغوں میں فتور آیا اور انہوں نے مسلمانوں کے ستانے کی کوشش کی مسلمانوں نے فوراً ہی ان کا سر کچل دیا اب اس میں قصور مسلمانوں کا ہے یا خودسر آریوں کا جنھوں نے مسلمانوں کو ستا کر حملہ کرنے کی دعوت دی ہر منصف مزاج آدمی اس بات کو بخوبی سمجھ جائے گا کہ ڈاکو۔ لیٹرے اور ظالم وہ آریا تھے جنھوں نے کول اور دراوڑ کو بے گناہ لوٹا۔ قتل کیا اور تباہ کر کے چھوڑا تاکہ مسلمان جنھوں نے ہندوؤں کی دست درازی سے تنگ آ کر حملے کئے۔ داہر فتح کی خوش خبری سننے کا منتظر تھا کہ دفعتاً اسے جے سیاہ کے ہزیمت اٹھانے کی خبر ملی۔ اب اسے فکر ہوا اور رنج بھی۔ اس کے دل میں بے چینی پیدا ہو گئی زیادہ ملال اسے اس بات کا ہوا کہ جے سیاہ کا کسی نے بھی کچھ پتہ نہ دیا کہ وہ

مارا گیا ڈوب گیا یا کیا ہوا۔ اب اس نے لشکر فراہم کرنا شروع کیا۔ ملک کے بہادر لوگوں کو جمع کیا اور ایسے دن کا انتظار کرنے لگا جو اچھا ہو۔ ہندو دنوں کو بھی اچھا بُرا سمجھتے ہیں کسی دن تعلیم حاصل کرنے کے لئے جانا اچھا نہیں سمجھتے تو کسی دن لڑکی کو سسرال بھیجنا مناسب خیال نہیں کرتے غرض کہ سفر بھی خاص دن اور خاص وقت میں کیا جاتا ہے۔ حالانکہ تمام دن خدا کے بنائے ہوئے ہیں تمام دن یکساں ہیں دنوں کا اچھا یا بُرا ہونا کیا۔ مگر جو لوگ خدا کو مانتے ہی نہ ہوں وہ خدا کے بناتے ہوئے قواعد پر کیا عمل کریں۔ ابھی وہ نیک دن جس دن داہر کوچ کرنا آیا بھی نہ تھا کہ جے سیاہ آ گیا۔ بے چارہ بے حد شرمندہ تھا داہر اسے دیکھتے ہی بہت خوش ہوا۔ اس نے کہا بیٹے پرواہ نہ کر ان سب کو شکست دے کر بھگا آؤں گا۔ مگر یہ تو بتاؤ کہ تجھے شکست کیسے ہو گئی؟ کیا مسلمان زیادہ تھے یا تیرے لشکر نے بزدلی کی یا مسلمانوں نے شبخون مارا؟ جے سیاہ نے کہا نہ مسلمان زیادہ تھے نہ انہوں نے شبخون مارا۔ وہ حیرت انگیز طریقہ پر پل بنا کر دریا کو عبور کر کے آئے اور بڑی جوانمردی سے لڑے لیکن میرے سپاہیوں نے بزدلی کی اور وہ اُن سے ڈر کر بھاگ نکلے۔

داہر۔ خیر کچھ مضائقہ نہیں میں نے اب ملک کے بہادر اور دلیر آدمی جمع کر لئے ہیں اور تیرا اور مرنے والے ہندوؤں کا مسلمانوں سے انتقام لے لوں گا۔ تو نے لڑائی میں بڑی مشقت اٹھائی ہے لہذا اب تم آرام کرو!

جے سیاہ چلا گیا اور داہر مزید تیاریوں میں مصروف ہو گیا۔ جس دن جے سیاہ آیا اس کے دوسرے ہی دن سیساگر داہر کے پاس پہنچا۔ وزیر کا چہرہ کچھ اترا ہوا تھا۔ داہر نے اسے دیکھ کر کہا منتری جی (وزیر اعظم) آج کیا بات ہے تم اداس کیوں ہو۔ سیساگر بیٹھ گیا۔ اس نے جواب دیا ان داتا حضور نے دیکھ لیا کہ راج کمار جے سیاہ اس تمام لشکر کو تباہ کرا آئے۔ جسے وہ لے کر مسلمانوں کو فنا کرنے کے لئے گئے تھے۔

داہر۔ بلاشبہ مجھے اس کا افسوس ہے۔

سیساگر۔ سارے اور اور تمام ملک میں گھر گھر ماتم ہو رہا ہے کیونکہ اس لشکر میں اطراف ملک کے آدمی تھے۔

داہر۔ لیکن ماتم کرنے سے کیا ہوتا ہے لوگ اس بات کو نہیں سمجھتے کہ دیس کی سیوا سے بڑھ کر کوئی دھرم نہیں ہے جو لوگ دیس کی سیوا کرتے ہوئے مر جاتے ہیں وہ اچھی جون میں جنم لیتے ہیں۔

سیساگر۔ یہ وہ مانتے ہیں لیکن پھر بھی ماتم کرتے ہیں۔

داہر۔ یہ ان کے دل کی کمزوری ہے۔

سیساگر۔ یہ ٹھیک ہے لیکن مہاراج کیا اچھا ہوتا کہ یہ جنگ مول نہ لی جاتی اور مسلم اسیروں کو چھوڑ دیا جاتا۔

داہر۔ اب مجھے اس کا افسوس ہے کہ میں نے فضول ضد کی لیکن حقیقت یہ ہے کہ میں نے یہ نہیں سمجھا تھا کہ مسلمانوں کا خلیفہ ان معمولی قسم کے مسلمانوں کو رہا کرانے کے لئے دور دور از فاصلے پر اپنا لشکر لڑنے کے لئے بھیج دے گا۔

سیساگر۔ حالانکہ ہر شخص اس بات کو بخوبی جانتا ہے کہ ہر شخص ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتا ہے پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ مسلمان اپنے بھائیوں کو رہا کرانے کے لئے حملہ نہ کرتے۔

داہر۔ یہ میری غلط فہمی ہوئی۔

سیساگر۔ اب بھی مناسب یہی ہے کہ صلح کر لی جائے۔

داہر۔ اب کیسے ہو سکتی ہے جو مسلمان قید تھے انہیں تو انہوں نے چھڑا ہی لیا۔

سیساگر۔ کچھ تاوان جنگ دے کر مصالحت کر لی جائے۔

داہر نے جوش میں آکر کہا میں تاوان جنگ ادا کروں اور ایک مسلمان بادشاہ کو کبھی نہیں میں اس ذلت کو برداشت نہیں کر سکتا۔

سیساگر۔ لیکن ملک اور رعایا کو بچانے کے لئے ایسا کیجئے۔

داہر۔ ہرگز نہیں

سیساگر۔ حضور کو معلوم ہوا کہ مسلمان کہاں تک آگئے ہیں۔

داہر۔ نہیں میں نے نہیں سنا۔

سیساگر۔ مہاراج وہ جے پور میں آگئے ہیں سوچئے جب دشمنوں کا قیام مقام فتح (جے دار) ہیں ہو تو ان کے جے (فتح) ہونے میں کیا شبہ ہے۔

داہر نے غصہ سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے کہا، بدشگونی نہ کر دان کا مقام جے دار میں نہیں بلکہ مین دار (مقام شکست) میں ہے جہاں ان کی ہڈیاں پڑی سڑا کرنے گی۔

سیساگر۔ کاش ایسا ہی ہوتا۔

داہر نے جوش میں آکر کہا ایسا ہی ہوگا تم دیکھ لینا کیا ایک سترہ سال کا لونڈا مجھ جیسے بلوان (طاقتور) راجہ پر فتح پالے گا کبھی نہیں میں اب تک ٹال رہا تھا لیکن اب نمٹاؤں گا اور ایک ایک مسلمان

کو چن چن کر قتل کر دوں گا فتح میری ہو لی نا کہ محمد قاسم کی جو ایک شیر خوار بچہ ہے۔ کل لشکر کوچ کرے گا۔ تم سب انتظامات مکمل کر دو۔

سیاگر۔ بہتر ہے۔

وہ چلا گیا۔ دوسرے دن جب آفتاب نکلا تو ہوائی بان (تیر) اڑائے گئے جس سے تمام الور والوں کو خبر ہو گئی کہ اب لشکر روانہ ہونے والا ہے ساتھ ہی نقاروں پر چوٹ پڑی اور لشکر مسلح ہو گیا رانیاں اور داسیاں سب رتھوں میں سوار کر لی گئی تھیں۔ راجہ ہاتھی پر بیٹھا اور لشکر نے آہستہ آہستہ الور کے بازاروں میں چلنا شروع کیا تمام مندروں میں گھڑیال اور ناقوس بجائے گئے ہر ہندو دیوی دیوتاؤں کو یاد کر کے اور رام رے کہہ کر ان سے فتح کی التجائیں کرنے لگے بڑی شان سے یہ لشکر الور کے قلعہ سے باہر نکلا اور جے پور کی طرف روانہ ہوا۔



ستاونواں باب ۵۷

خونریز جنگ

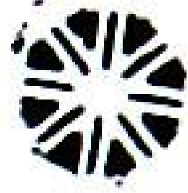
راجہ داہر کے عظیم الشان لشکر کے ہمراہ آنے کی اطلاع موکہ کے جاسوسوں نے محمد قاسم کو کر دی تھی انہوں نے بیان کیا تھا کہ داہر ملک کے چیدہ بہادروں کو ساتھ لے کر انتقام کے جوش میں بڑے زور شور سے آ رہا ہے اگرچہ اس کے پاس کافی لشکر ہے لیکن راستہ میں سے اور لشکر بھرتی کر رہا ہے اس نے ارادہ کر لیا ہے کہ وہ مسلمانوں کا خاتمہ کر کے ہی دم لے گا۔ ان متوحش خبروں کا بھی مسلمانوں پر کوئی اثر نہ پڑا اور وہ نہایت اطمینان سے اپنے کاموں میں مصروف رہے اور اس عظیم الشان لشکر کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ موکہ کو خیال ہوا کہ مبادا مسلمانوں کو شکست ہو جائے اگر اس کی موجودگی میں انہیں ہزیمت ہوئی تو داہر اس پر حملہ کر کے اسے بھی ختم کر دے گا۔ اس لئے وہ محمد قاسم سے اجازت لے کر معہ اپنے لشکر کے وہاں سے چلا گیا۔ مسلمان جانتے اور سمجھتے تھے کہ موکہ ان کے ساتھ ہو کر داہر سے نہیں لڑ سکتا نہ اس سے یہ معاہدہ تھا اس لئے اس کے چلے جانے سے بھی مسلمانوں پر کچھ اثر نہ پڑا چند ہی روز کے بعد داہر کے لشکر کا سپہ سالار آ گیا۔ مسلمانوں نے دیکھا اندازہ لگایا کہ تقریباً چالیس ہزار لشکر اس کے ہمراہ تھا۔ جس وقت محمد قاسم نیرون سے الور کی طرف روانہ ہوا تو اس نے حجاج کو لکھا تھا کہ وہ ناف ملک کی طرف جا رہا ہے۔ اس لئے کچھ لشکر اور بھیج دیا جائے۔ چنانچہ حجاج نے دو ہزار لشکر اور بھیج دیا وہ جے پور میں آ کر مل گیا اب محمد کے پاس آٹھ ہزار لشکر ہو گیا تھا داہر چالیس ہزار لشکر لے کر آیا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کے مقابلہ میں پانچ ہندو تھے اس کے علاوہ سَو ہاتھی تھے۔ داہر نے آتے ہی یہ سعی کی کہ مسلمانوں کو رسد نہ ملے اس نے قرب و جوار کے دیہات میں اپنا لشکر پھیلا دیا اور جس قدر گاؤں میں غلہ تھا اسے لے لیا گاؤں والے مسلمانوں کے ہاتھ اور دوسری اشیاء فروخت کر کے خاطر خواہ نفع اٹھا رہے تھے مگر داہر نے ان سے جبراً سب کچھ چھین لیا۔ تو انہیں بڑا افسوس ہوا اور نہایت غصہ آیا مگر وہ کچھ سوچ کر چپ رہے اب رمضان شریف کا مہینہ شروع ہو گیا تھا۔ اسلامی لشکر میں ہر شخص روزے رکھتا تھا اور رات کو تراویح میں کلام اللہ سنتا۔

۱۰ رمضان المبارک کو داہر نے بیس ہزار لشکر کو میدان کارزار میں بھیجا۔ محمد قاسم نے سمجھ لیا کہ داہر نے تمام لشکر کو نہیں بھیجا بلکہ آدھا لشکر لڑنے کے لئے آیا ہے اس نے بھی آدھا ہی لشکر بھیجا اور محرز بن ثابت کو افسر مقرر کیا اور اس کی ماتحتی میں دو اور سردار ایک سعید اور دوسرا حسن بن محبۃ الکبریٰ مقرر کیا اور ان سے کہا کہ اگر خدانخواستہ محرز شہید ہو جائے تو سعید افسر ہوگا اور اگر سعید بھی شہید ہو جائے تو حسن علم افسری کو سنبھالے۔ چنانچہ چار ہزار مسلمان بیس ہزار ہندوؤں کے مقابلہ میں نکلے اور صفیں قائم کر کے لڑنے کے لئے مستعد ہو گئے۔ جب آفتاب ذرا اونچا ہوا تب ہندوؤں کے لشکر میں نقارے بجنے لگے۔ قرنا اور بوق پھونکے جانے لگے۔ گھڑیال اور گھنٹے زور شور سے بجائے جانے لگے۔ مسلمان سمجھ گئے کہ ہندو حملہ کرنے والے ہیں وہ بھی مستعد ہو گئے تھوڑی ہی دیر میں ہندو جیکارے لگاتے اور غل مچاتے بڑے جوش سے بڑھے۔ چونکہ بیس ہزار کے تمام لشکر نے نقل و حرکت شروع کی اس لئے ایسا معلوم ہونے لگا جیسے کہ انسانوں کے سمندر میں موجیں اٹھنے لگیں۔ ہندوؤں کی صفیں لمبی اور دور تک پھیلی ہوئی تھیں اس لئے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی نیم برہنہ ہندو سیلاب کی طرح بڑھتے نظر آتے تھے ہندوؤں کو بڑھتے ہوئے دیکھ کر محرز نے ٹھہر ٹھہر کر تین نعرے لگائے۔ تیسرے نعرہ کے ساتھ تمام لشکر نے نہایت زور کے ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ محرز نے علم کو حرکت دی پھریرا اسلامی شان کو ظاہر کرنے کے لئے نہایت رعب داب سے لہرایا اور اسلامی لشکر نے بھی پیش قدمی شروع کی۔ محمد قاسم اپنے لشکر یعنی اس لشکر سے جو میدان میں نہیں بھیجا گیا تھا۔ آگے بڑھ کر کھڑا تھا۔ میدان کارزار کی طرف دیکھنے لگا۔ اسلم۔ بدھ جمال۔ ذکوان۔ عبدالرحمن اور کئی سردار بھی اس کے قریب کھڑے ہو کر دیکھنے لگے۔ چونکہ ہندو مسلمانوں کی اور مسلمان ہندوؤں کی طرف بڑھ رہے تھے اس لئے بہت جلد دونوں لشکر مل گئے۔ ہندوؤں نے فوراً ہی کھانڈے کھینچ کھینچ کر اٹھائے اور مسلمانوں نے تلواریں میانوں سے نکال نکال کر بلند کیں فوراً ہی کھانڈے مسلمانوں کے اور تلواریں ہندوؤں کے سروں پر جھکیں اس وقت مطلع بالکل صاف تھا۔ آفتاب نکلا ہوا چمک رہا تھا۔ دھوپ ہر چیز پر پھیلی ہوئی تھی۔ کھانڈے اور تلواریں آفتاب کی شعاعیں پڑنے سے بجلی کی طرح جگمگانے اور کوندنے لگے تھے۔ ہندوؤں نے اور بھی زور زور سے گھنٹے بجانے شروع کئے ناقوس بوق اور قرنا پھونک پھونک کر اور جیکارے لگا لگا کر نہایت جوش اور غصہ سے حملہ کر دیا ان کے چوڑے اور تیز دھار والے کھانڈے مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے چلے مسلمانوں نے ڈھالیں سامنے کر کر کے ان کے حملوں کو روکا اور پھر خود بھی اللہ اکبر کا پرشور نعرہ لگا کر حملہ کر دیا ان کی نازک تلواریں

لچکتی بل کھاتی اور جگمگاتی لپکیں ہندوؤں کی سیاہ ڈھالوں پر پڑیں جنگ شروع ہو گئی۔ فریقین جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے نہایت غضب ناک ہو کر حملے کرنے لگے۔ کھانڈے اور تلواریں سر و تن کے فیصلے کرنے لگیں خون کے فوارے ابلنے لگے۔ پر جوش سرفروش بڑھ بڑھ کر حملے کرنے لگے۔ جنگ کی آگ تیزی سے بھڑک اٹھی انسانی زندگیاں اسی آگ میں جل جل کر بھسم ہونے لگیں۔ موت بہادروں کے سروں پر منڈلانے لگی اور قضا لڑنے والوں کی روحیں کھینچنے کے لئے گھبرائی گھبرائی پھرنے لگی۔ چونکہ دونوں فریق غیظ و غضب کی حالت میں نہایت جوش سے لڑ رہے تھے اس لئے لشکر میں کوئی نظام اور کوئی قائم نہ رہا تھا۔ صفیں ٹوٹ گئیں مسلمان ہندوؤں میں اور ہندو مسلمانوں میں گھل مل گئے اور جو جہاں پہنچ گیا وہیں لڑنے لگا مسلمان کم تھے بہت ہی کم اور ہندو بہت زیادہ تھے اس لئے ہندوؤں نے مسلمانوں کو نرغہ میں لے لیا تھا۔ مسلمانوں نے پچاس پچاس اور سو سو آدمیوں کے گروہ بنائے تھے اور ہر گروہ نہایت جوش و خروش سے لڑ رہا تھا۔ بہادروں کے سر کٹ کٹ کر گیندوں کی طرح اچھل رہے تھے لاشیں گر رہی تھیں خون بے قدری کے ساتھ بہہ رہا تھا۔ ہندو پورے جوش سے مسلمانوں پر حملے کر رہے تھے اور مسلمان ہندوؤں پر ٹوٹے پڑتے تھے۔ لڑائی کی آگ تیزی سے بھڑک رہی تھی۔ اس وقت ہر لڑنے والا اپنی ہستی کو بھولے ہوئے تھا۔ اسے صرف مارنا اور مرنا ہی یاد رہ گیا تھا اس خون آشام لڑائی کی تباہ کاریاں حد نگاہ تک پھیلی ہوئی تھیں۔ زخمیوں کی چیخ و پکار۔ قومی نعروں کی آواز اور گھوڑوں کے ہنہنانے کی آواز سے تمام میدان ہیبت ناک طریقہ پر گونج رہا تھا۔ محرز ایک ہاتھ میں علم اور دوسرے میں تلوار لئے نہایت جوش سے حملے کر کر کے ہندوؤں کو موت کے گھاٹ اتار رہے تھے اس وقت انہیں حملہ روکنے کا ہوش نہ رہا تھا۔ نہایت شدومد سے یا خود ہی حملے کر رہا تھا۔ چونکہ اس بات کا خیال نہ تھا کہ مسلمان اس کے ہمراہ ہیں یا نہیں اس لئے اکثر ہندوؤں کے نرغہ میں آ جاتا تھا اور پوری طاقت سے حملے کر کے ان کے حصار سے نکل کر جاتا تھا لہذا ہندوؤں نے دیکھ لیا تھا کہ وہی لشکر کا روح رواں ہے اس لئے ہندوؤں نے اسے قتل کرنے کے لئے اس پر یورش کی ہر طرف سے اس کے گرد احاطہ کر لیا اور رفتہ رفتہ اس احاطہ کو محدود کرنا شروع کیا۔ محرز اب بھی نہ سمجھا اور وہ بدستور پر جوش حملے کرتا رہا آخر ہندوؤں نے اچانک چاروں طرف سے اس پر تلواروں کا مینہ برسا دیا۔ مقدور بھر لڑا۔ بہت سے ہندوؤں کو اس نے بھی مار ڈالا مگر کئی تلواریں اس کی پشت کی طرف سے آ کر اس کے سر پر پڑیں اور وہ ان سے خود کو نہ بچا سکا۔ چنانچہ وہ شہید ہو کر گرنے لگا۔

قریب ہی سعید آ گیا تھا۔ اس نے اسلامی علم کو سرنگوں ہوتے دیکھ کر سمجھ لیا کہ محرز یا تو شہید ہو گیا یا شہید ہونے والا ہے اس نے بڑھ کر اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا اور نہایت جوش سے حملہ کر کے ہندوؤں کو منتشر کر دیا۔ جب وہ محرز کے قریب پہنچا تو وہ گھوڑے سے نیچے آ رہا تھا۔ مگر علم کو اب تک سنبھالے ہوئے تھا۔ سعید نے جلدی سے بڑھ کر علم اس کے ہاتھ سے لے لیا اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا اور کہا خدا کا شکر ہے۔ ..... اس کے بعد اس کی آواز نہ نکلی اور زمین پر گر پڑا۔ گرتے ہی اس کی روح پرواز کر گئی۔ علم ہاتھ میں لیتے ہی سعید نے نہایت جوش سے حملہ کیا اور بہت سے ہندوؤں کو قتل کر کے ان کے نرغہ سے نکل آیا لیکن جس طرف وہ آیا اس طرف سے ہاتھیوں کی فوج مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے لئے بڑھ رہی تھی اس نے یہ دیکھ لیا۔ جوش شجاعت سے اس کا خون کھولنے لگا اور وہ بے دھڑک ہو کر ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کیلئے بڑھا چونکہ جنگ شروع ہوئے دیر ہو گئی تھی۔ بہادر ہمہ تن مصروف جنگ تھے اس لئے انہیں وقت گزرنا معلوم نہ ہوا۔ اس وقت دوپہر ڈھل گئی تھا اور آفتاب نصف النہار کو عبور کر کے مغرب کی طرف جھک گیا تھا جنگ اب بھی ہر طرف نہایت زور و شور سے ہو رہی تھی۔ خون آلودہ تلواریں اور کھانڈے خون برساتے اڑ رہے تھے سرفروش نہایت جوش سے لڑ رہے تھے۔ سعید ہاتھیوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کے ایک پہلو میں اس سے ذرا فاصلے پر حسن مع سواروں کے بڑی ہی بے جگری سے لڑ رہا تھا اور دوسری طرف پیاس مسلمانوں کا گروہ مصروف پیکار تھا لیکن جنگ ایسے جوش سے ہو رہی تھی کہ ایک دوسرے کی کچھ خبر نہ تھی۔ سعید بڑھتے بڑھتے ہاتھیوں کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا گھوڑا خالص عربی تھا اس نے کبھی ہاتھی نہ دیکھے تھے وہ ان کالی بلاؤں کو دیکھ کر بھڑکا۔ سعید جنگ میں مشغول تھا اس نے ایک ہاتھ میں علم اٹھایا ہوا تھا اور دوسرے ہاتھ میں تلوار لئے حملہ کر رہا تھا۔ گھوڑے کے بھڑکتے ہی وہ نیچے گر پڑا۔ گرتے ہی اٹھا اور پیدل ہی لڑنے لگا۔ اس نے جلدی جلدی قریب والے ہندوؤں کے گھوڑوں کو مجروح کر دیا اور مجروح گھوڑے گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ میدان صاف ہونے لگا مگر ہاتھیوں کا ریلہ تیزی سے اس کی طرف بڑھا۔ چونکہ پر جوش مجاہد تھا اس لئے ہاتھیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے مردانہ وار بڑھا۔ جب وہ ہاتھیوں کے بالکل سامنے پہنچ گیا تو ہندوؤں نے اس پر حملہ کر دیا وہ ان سے لڑنے لگا اور اس جوش سے لڑا کہ چشم زدن میں اس نے پانچ چھ ہندوؤں کو مار ڈالا۔ جب وہ جنگ میں مصروف تھا تو دفعتاً ایک ہاتھی نے اس کے گرد سونڈ ڈال دی اور اتنے میں کہ وہ آگاہ ہونے پائے جلدی سے اسے کھینچ کر پاؤں سے مسل ڈالا

اس طرح پہلے محرز اور بعد میں سعید دونوں شہید ہو گئے اور اب اسلامی علم زمین پر گر گیا۔ ہندوؤں نے جوش نفرت سے علم کو اٹھا کر اس کا پھریرا چاک کرنا چاہا کہ حسن پہنچ گئے ان کے ہمراہ سو آدمی تھے اس نے اور اس کے ساتھیوں نے نعرہ لگا کر ہاتھیوں سے بچ کر بھپر ہندووں پر حملہ کر دیا۔ چونکہ اب آفتاب غروب ہونے والا تھا۔ دن کی روشنی رات کی میں غائب ہونے لگی تھی۔ اس لئے جنگ کا فیصلہ کر ڈالنے کی نیت سے ہندو اور مسلمانوں نے نہایت جوش سے حملہ کر کر کے خونریز جنگ شروع کر دی۔ ایک فریق دوسرے پر ٹوٹ پڑا اور جنگ نہایت خونفشانی سے ہونے لگی بہادر جلدی جلدی کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ ہاتھوں پیروں سروں اور دھڑوں کے جگہ جگہ ڈھیر لگ گئے۔ لیکن جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا رات ہو گئی۔ اندھیرا پھیل گیا اور جنگ جاری نہ رہ سکنے کی وجہ سے فریقین الگ الگ ہو گئے اور اپنے اپنے لشکر کی طرف لوٹ پڑے۔



اٹھاونواں باب ۵۸

تسخیر اسلام

چار ہزار مسلمانوں نے بیس ہزار ہندوؤں کا تمام دن روزہ سے رہ کر مقابلہ کیا اگرچہ ہندوؤں نے پورے جوش سے اور پوری طاقت سے حملے کئے لیکن مسلمان سد سکندری کی طرح ڈٹے ہوئے تھے اور انہوں نے بڑے صبر و استقلال سے ان کے حملوں کو روکا " نہ صرف حملوں کو روکا بلکہ اس قدر قتل عام کیا کہ تمام میدان کارزار میں ان کی لاشیں بچھا دیں اگرچہ جنگ کا فیصلہ نہ ہو سکا نہ مسلمانوں کو فتح ہوئی نہ ہندوؤں کو لیکن فریقین کا نقصان زیادہ ہوا۔ ہندوؤں کے تو آدمی زیادہ مارے گئے۔ اور مسلمانوں کے کئی افسر شہید ہو گئے جب رات ہونے کی وجہ سے لشکر واپس لوٹے تو ہندوؤں کی سات ہزار لاشیں میدان کارزار میں پڑی رہ گئیں مسلمان بھی دو سو کے قریب شہید ہوئے لیکن دو افسر ایک محرز اور دوسرے سعید یہ دونوں بڑے بہادر اور شیر دل تھے دونوں ہی شہید ہو گئے جب محمد قاسم کو ان جانباز افسروں کے مارے جانے کی اطلاع ہوئی تو اسے بڑا افسوس ہوا اور اس نے جوش و غم کی حالت میں قسم کھائی کہ جب تک داہر کو قتل کر کے ان دونوں کا انتقام نہ لے لوں گا اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھوں گا۔ تمام رات مسلمان قرآن مجید پڑھتے رہے اور دعائیں مانگتے رہے۔ صبح کے وقت انہوں نے نماز پڑھی اور مسلح ہو کر میدان کارزار کی طرف چلے ان کا خیال تھا کہ آج بھی ہندو جنگ کے لئے نکلیں گے مگر وہ تیار نہ ہوئے۔

ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے تقریباً سوا میل دور تھا مسلمان میدان کارزار میں کھڑے رہ کر ہندوؤں کے آنے کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر کے بعد ہندوؤں کی طرف سے چند آدمی آتے ہوئے نظر آئے۔ مسلمانوں کو خیال ہوا کہ شاید وہ صلح کے لئے آ رہے ہیں۔ محمد قاسم نے کہا ان کا اندازہ تو یہی بتا رہا ہے۔ مگر ابھی تو ان کا بے شمار لشکر موجود ہے ابھی وہ صلح نہ کریں گے اور اگر صلح ہی کے ارادہ سے آئے ہیں تو میں مجبور ہوں کیونکہ رات میں نے غم اور غصہ کی حالت میں قسم کھائی ہے کہ داہر کو

قتل کر کے رہوں گا۔ اسلم نے کہا۔ لیکن آپ کو قسم نہ کھانا چاہیئے تھی۔

محمد قاسم۔ یہ سچ ہے مگر اب تو جو ہونا تھا ہو گیا!

اب ہندوان کے قریب آ گئے تھے ان میں سے ایک آدمی نے بڑھ کر کہا ہم آپ کے سردار سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔

محمد قاسم۔ کہو!

وہی شخص۔ مہاراجہ داہر یہ چاہتے ہیں کہ آج جنگ ملتوی کر دی جائے اور اپنے اپنے مردوں کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔

بات معقول اور مناسب تھی کیونکہ میدان جنگ تمام لاشوں سے پٹا پڑا تھا۔ محمد قاسم نے کہا منظور ہے صرف آج کے لئے التوائے جنگ کیا جاتا ہے۔

وہی شخص۔ مگر حضور مردے زیادہ ہیں اور شائد سارے دن میں بھی ٹھکانے نہ لگائے جا سکیں۔

محمد قاسم۔ تب کیا ہو؟

وہی شخص۔ دو دن کے لئے جنگ ملتوی کر دیجئے۔

محمد قاسم۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ راجہ کو کسی لشکر کے آنے کا انتظار ہے۔

وہی شخص حضور اب لشکر کون بھیجے گا۔ مہاراج خود یہاں موجود ہیں۔

محمد قاسم۔ اچھا دو دن کے التوائے جنگ منظور ہے۔

ہندو واپس چلے گئے۔ محمد قاسم نے بھی لشکر کو واپس جانے اور ان میں سے پانصد آدمیوں کو آ کر شہداء کے جمع کرنے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام لشکر واپس لوٹ گیا اور پانصد سپاہی اسلحہ اتار کر صرف ایک ایک تلوار لے کر آ گئے اور میدان کارزار میں پھیل کر مردوں کو اٹھا اٹھا کر لے جانے لگے۔

مسلمانوں نے عصر کے وقت تک سارے میدان کا چپہ چپہ دیکھ دیکھ کر شہیدوں کو جمع کیا ان کی نماز جنازہ پڑھی اور گہرے گڑھے کھود کھود کر دفن کر دیا۔ ہندو لاشوں کو اٹھا اٹھا کر لے جاتے اور چتا پر رکھ کر جلاتے۔ چونکہ تقریباً سات ہزار لاشیں تھیں اس لئے ایک دن میں نہ جلائی جا سکیں آدھی رات تک اس روز جلاتے رہے اور دوسرے دن بھی دن نکلتے ہی سینکڑوں چتائیں بنا بنا کر مردوں کو جلانا شروع کر دیا آج مسلمان آرام کرتے رہے مگر یہ نہیں کہ بیٹھے یا پڑے رہے بلکہ ہتھیاروں کو صاف کرتے رہے۔

مغرب کے بعد جب وہ نماز سے فارغ ہو کر بیٹھے تھے کہ لشکر کے شمالی جانب کچھ شور ہوا۔ ہندوؤں کا لشکر مسلمانوں کے لشکر سے مشرق کی طرف پڑا ہوا تھا۔ چاند نکل آیا تھا اور چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ محمد قاسم اپنے خیمہ کے سامنے فرش پر بیٹھا تھا وہ شور سن کر چونکا اور اس نے اپنے غلام ساقی کو آواز دی۔ ساقی کھانا تیار کر رہا تھا۔ وہ اس کے پاس آیا۔ محمد قاسم نے کہا۔ ذرا جلدی جا کر پتہ لگاؤ کہ یہ کیسا شور ہو رہا ہے۔ بہت اچھا کہہ کر ساقی چلا گیا اور تھوڑی دیر کے بعد پھر واپس آیا۔ چونکہ محمد قاسم مضطرب ہو رہا تھا اس لئے اس نے فوراً ہی کہا۔ کہو کیا معاملہ ہے ساقی نے کہا کچھ ہندو آپ کی خدمت میں باریاب ہونا چاہتے ہیں۔

محمد قاسم۔ اچھا تم ذرا اس طرف اور فرش کرا دو۔

ساقی نے جلدی سے خیمہ کے اندر فرش بچھا دیا۔ جب وہ فرش بچھا کر فارغ ہوا تو تقریباً پچاس ہندو مسلمانوں کے ہمراہ آئے۔ انہوں نے آتے ہی محمد قاسم کو سلام کیا۔ محمد قاسم نے ان کا استقبال کیا اور انہیں نہایت عزت سے بٹھایا جب وہ بیٹھ گئے تب محمد قاسم نے کہا کہئے کیسے تشریف لائے۔

ان میں سے ایک ہندو نے کہا۔ جو کہ چند ہار پہنے ہوئے تھا ہم اس لئے آئے ہیں کہ آپ کے بھائی بن جائیں۔ محمد قاسم نے خوش ہو کر کہا نہایت مسرت خیز بات ہے آپ کا کیا نام ہے ہندو نے جواب دیا میرا نام کسکہ ہے میں قصبہ دار کا رہنے والا ہوں۔ یہ قصبہ میں نے ہی بسایا ہے۔ یہ لوگ میری ہی رعایا ہیں۔

محمد قاسم۔ اور یہ سب ہمارے بھائی بننا چاہتے ہیں۔

کسکہ۔ جی ہاں۔

محمد قاسم۔ بہتر ہے۔

کسکہ۔ اچھا تو آپ ہمیں مسلمان کر لیں۔

محمد قاسم نے کلمہ پڑھا پڑھا کر ان سب کو مسلمان کر لیا۔ چونکہ اس عرصہ میں بہت سے مسلمان جمع ہو گئے تھے اس لئے انہوں نے فرط مسرت سے اللہ اکبر کا پر زور نعرہ لگایا۔ اب محمد قاسم نے کہا مذہب اسلام میں یہ قاعدہ ہے کہ جو شخص مسلمان ہو جاتا وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کا بھائی بن جاتا ہے اب تم ہمارے وائسرائے حجاج اور اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین ولید کے بھائی بن گئے ہو اب جو خدمت تم ہم سے لینا چاہتے ہو کہو ہم تمہاری خدمت کریں

کسکہ۔ ہم اپنی خدمت کروانا نہیں چاہتے بلکہ اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنے کو تیار ہیں۔

محمد قاسم۔ جزاک اللہ کیا آپ ایک بات بتا دیں گے۔

کسکہ۔ ضرور

محمد قاسم کس بات نے آپ کو مسلمان ہونے پر آمادہ کیا۔

کسکہ۔ داہر کے مظالم نے وہ مغرور بھی ہے اور ظالم بھی اس کے حکم سے اس کے لشکر نے ہمارے قصبہ میں پہنچ کر ہمارے تمام غلہ پر قبضہ کر لیا میں نے ہر چند ان کو منع کیا لیکن وہ نہ مانے میں داہر کے پاس گیا اور ان سے شکایت کیں۔ داہر نے کہا ہم یہاں لڑنے کے لئے آئے ہیں۔ کیا تم لشکر کے لئے رسد بھی نہیں دے سکتے۔ میں نے کہا جس قدر غلہ قصبہ والوں کی ضرورت سے زیادہ ہو وہ لے لیا جائے۔ اس نے نہ مانا اور مجھے نکلوا دیا۔ یہ میری زبردست توہین تھی۔ غم غیرت سے میں اس توہین کو برداشت نہ کر سکا اور میرے دل نے کہا کہ اس مذہب ہی کو چھوڑ دینا چاہیئے جس کے پرستار ظالم بن گئے تھے۔ چنانچہ میں آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مسلمان ہو گیا۔

محمد قاسم۔ بس خدا نے تم کو ہدایت دینا تھا اس نے یہ بہانہ بنا دیا۔

کسکہ۔ یہی بات ہے اب میں داہر سے انتقام لینا چاہتا ہوں۔

محمد قاسم۔ اس نے دو دن کے لئے التوائے جنگ کی درخواست کی تھی۔ آج دوسرا دن ہے۔ کل انشاء اللہ جنگ ہو گی۔ تم ہمارے ساتھ رہ کر اس سے اور اس کے لشکر سے اپنا انتقام لے لینا۔

کسکہ۔ نہایت مناسب لیکن آپ اگر مناسب سمجھیں تو کچھ لشکر میرے ساتھ کر دیں اور میں رات کی تاریکی میں اس لشکر کو لے کر داہر کے پشت کی طرف پہنچ جاؤں۔ صبح جب جنگ شروع ہو تو میں اس طرف سے اچانک حملہ کر دوں۔

محمد قاسم۔ رائے تو تمہاری معقول ہے اچھا کس قدر تمہارے ساتھ کر دیا جائے۔

کسکہ۔ کم سے کم ایک ہزار

محمد قاسم۔ بہت اچھا۔

اس نے اسی وقت مروان بن اسحم یمنی اور تمیم بن زید حبشی کو ہدایت کر دی کہ فوراً

کھانا کھا کر ایک ہزار لشکر لے کر کیمپ سے باہر شمال کی طرف کھڑے ہو جائیں دونوں افسر
سلام کر کے چلے گئے۔ محمد قاسم نے ان تمام ہندوؤں کو جو کہ مسلمان ہو چکے تھے کھانا کھلوایا اور
عشا کی نماز کے بعد انہیں ہمراہ لے کر شمال کی طرف پہنچا۔ یہاں مردان تمیتم ایک ہزار لشکر لئے
کھڑے تھے محمد قاسم نے کہا۔ اسلامی شیرو اپنے بھائیوں کے ہمراہ جاؤ۔ جو بھی یہ کہیں
اور جس طرح سے یہ کریں اسی طرح کرو گویا تم پر اب ان کی اطاعت فرض ہے جاؤ تم کو خدا کے
سپرد کیا۔ کسکہ اور تمام ہندو یہ بات سن کر نہایت خوش ہوئے اور وہ اسلامی لشکر کے ساتھ شمال
کی طرف روانہ ہو گئے۔



انسٹھواں باب ۵۹

مغرور راجہ کا انجام

دوسرے دن آفتاب طلوع ہوتے ہی راجہ داہر نے لشکر کو تیار ہو کر میدان کارزار میں پہنچنے کا حکم دیا۔ چنانچہ لشکر مسلح ہو ہو کر میدان کارزار میں جا کر صف بستہ ہونے لگا۔ مسلمان بھی صبح کی نماز پڑھتے ہی تیار ہو ہو کر میدان میں آنے اور صفیں مرتب کرنے لگے۔ داہر نے چند ایک نجومیوں کو بلایا کر کہا۔ آج میں خود لڑنا چاہتا ہوں تم جوتش اور نجوم کے ذریعہ سے یہ دیکھو کہ فتح مسلمانوں کی ہو گی یا میری؟

جوتشیوں نے پوتھیاں کھول کھول کر حساب لگانا شروع کر دیا۔ کئی دفعہ حساب لگایا۔ آپس میں سرگوشیاں کیں اور خاموش ہو کر بیٹھ گئے داہر نے دریافت کیا کہ بتاؤ تمہارے علم نے کیا ایک جوتشی نے کہا حضور مناسب یہ ہے کہ آپ اس بات کو دریافت ہی نہ کریں اور دیوتاؤں کا نام لے کر لڑائی کے لئے تشریف لے جاویں۔

داہر۔ نہیں میں بغیر دریافت کئے نہ جاؤں گا تم ایک مرتبہ اور حساب لگاؤ اور پھر مجھے بتاؤ۔ جوتشیوں نے پھر پوتھیاں دیکھیں پھر حساب لگائے پھر سرگوشیاں کیں اور پھر چپ ہو گئے داہر کو غصہ آیا اور اس نے بگڑتے ہوئے کہا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم خاموش کیوں ہو جاتے ہو بولو تمہارا علم کیا کہتا ہے۔

ایک جوتشی نے کہا۔ مہاراج زہرہ آپ کے سامنے ہے اور عربوں کے پیچھے!

داہر۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے۔

جوتشی۔ حضور اس کا یہ اثر ہے کہ زہرہ جس کے پشت ہوتا ہے فتح اس کی ہوتی ہے۔

داہر۔ گویا عربوں کی فتح ہو گی!

جوتشی۔ جی ہاں ہمارا علم یہی بتاتا ہے۔

داہر نے ناراض ہو کر کہا۔ بدبخت یہی کہنا چاہیے تھا تمہیں جوتشیوں نے ہاتھ جوڑ کر کہا۔ ان داتا ہم تو پہلے ہی سے کچھ نہ کہتے تھے۔

داہر۔ اور کہی تو ایسی بدشگونی کی بات۔ اچھا میں تم سب کو قتل کرائے دیتا ہوں۔

تمام جوتشی کانپ گئے لیکن ایک بڈھے نے کہا مہاراج اس کا ایک ہی میدل ہے۔

داہر۔ کیا؟

بڈھا۔ آپ ایک سونے کا زہرہ بنا کر فتراک میں لٹکا لیجئے اس طرح آپ کے پیچھے ایک پیکر زر ہونے کی وجہ سے اصلی زہرہ کا اثر جاتا رہے گا۔

داہر نے خوش ہو کر کہا۔ خوب تدبیر بتائی تم نے۔ تم نہایت ہی قابل آدمی ہو۔ اس نے جلدی سے زہرہ کی تصویر سونے کی بنائی اور فتراک پر آویزاں کر لی اب وہ خیمہ سے باہر نکل کر ایک ہاتھی پر بیٹھ گیا۔ ہاتھی پر عماری کشیدہ تھی اس نے دو خوب صورت داسیوں کو اپنے ساتھ سوار کرا لیا۔ کمان ہاتھ میں اور ترکش عماری میں رکھ لئے۔ فیلبان نے ہاتھی کو بڑھایا اور لشکر کے بیچ ہاتھیوں کے پاس لے جا کر کھڑا کر دیا۔ اس کے لشکر میں پہنچتے ہی نقارہ پر چوٹ پڑی گھنٹے گھڑیال، سنکھ قرنا۔ بوق اور دوسری اشیاء زور زور سے بجائی جانے لگیں تھیں۔

ہندوؤں نے جیکارے لگا لگا کر آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ انہیں بڑھتے ہوئے دیکھ کر محمد قاسم نے تین نعرے لگائے تیسرے نعرہ کی تکرار تمام لشکر نے کی۔ اس پر زور نعرہ کی آواز میں ہندوؤں کے تمام باجوں اور جیکاروں کی آوازیں گم ہو کر رہ گئیں۔ آج ۱۰ رمضان ۹۳ھ کا دن تھا۔ تمام مسلمان روزہ سے تھے اور چونکہ راجہ داہر نے اپنے تمام لشکر کے ساتھ حملہ کیا تھا اس لئے تمام مسلمان بھی میدان کارزار میں پہنچ گئے تھے۔ میمنہ پر اسلم۔ ذکوان۔ بدر رجال اور میسرہ پر حسن۔ عبدالرحمٰن۔ محل اور ساقہ پر مجاشع اور سفیان الابروک اور زطلا پر خریم۔ نبانہ۔ عبدالقیس اور قلب میں محمد قاسم اور رحمید مقرر ہوئے محمد قاسم اپنے تمام لشکر کی پانچ صفیں کر کے ہر صف کو دور تک پھیلا رہا تھا۔ یہاں تک کہ میمنہ والوں کو میسرہ والے نظر نہ آتے تھے۔

ہندوؤں کے بڑھتے ہی مسلمانوں نے بڑھنا شروع کیا اور دونوں فریق کمال جوش میں بھرے ہوئے تیزی سے بڑھے چلے جا رہے تھے جس وقت انھوں نے بڑھنا شروع کیا تھا۔ اس وقت دونوں لشکروں میں اتنا فاصلہ تھا کہ اگر وہ چاہتے تو تیروں سے جنگ کر سکتے تھے۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ تیروں کی لڑائی لڑ کر تضیع اوقات نہ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ

جب بڑھ کر دونوں ایک دوسرے کے قریب پہنچ گئے۔ تب ہندوؤں نے کھانڈے اور مسلمانوں نے تلواریں کھینچ لیں۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کا لشکر آٹھ ہزار تھا اور داہر چالیس ہزار لشکر لایا تھا۔ جس میں سے سات ہزار ہندو مارے جا چکے تھے اور تینتیس ہزار باقی تھے۔ آج داہر نے تینتیس ہزار لشکر سے آٹھ ہزار مسلمانوں پر حملہ کر دیا تھا۔ وہ چاہتا کہ اس عظیم الشان لشکر سے مٹھی بھر مسلمانوں کو کچل کر رکھ دے۔ دونوں فریق جوش و غضب میں بھرے ہوئے تھے جس وقت بڑھ کر دونوں لشکر ٹکرائے اور تلواریں اور کھانڈے اٹھا اٹھا کر قتل اور خونریزی کے لئے جھکے اور سیاہ ڈھالیں اٹھیں جن سے نہایت ہیبت ناک منظر نظر آنے لگا حسب معمول ہندوؤں نے شور و غل کر کر کے حملے کرنا شروع کر دیئے۔ مسلمان سر جھکا کر ضبط اور سکوت سے ہندوؤں کو اس طرح قتل کرنے لگے۔ جس طرح کسان کھیتی کاٹا کرتے ہیں۔ خونریز جنگ شروع ہو گئی تھی۔ طلایہ کی صفیں پیچھے ہٹ کر قلب سے جا ملی تھیں اور میمنہ و میسرہ ہلالی صورت سے بڑھ کر قلب کے محاذ میں پہنچ گئے تھے آج مسلمانوں نے اپنی صفیں نہ ٹوٹنے دیں وہ یک جہتی سے حملے کرتے تھے۔ تلواریں جلد جلد اٹھ کر انسانوں کا خاتمہ کر رہی تھیں۔ ہاتھ پیر سر اور دھڑ کٹ کٹ کر گر رہے تھے کبھی کبھی تلواریں بھی اچھل اچھل کر گر پڑتی تھیں لاشوں کے ڈھیر لگتے چلے جا رہے تھے۔ خون پانی کی طرح سے بہہ رہا تھا۔ ہندو جیکارے لگا رہے تھے شور مچا رہے تھے زخمی چلا رہے تھے۔ ان آوازوں سے میدان کارزار گونج رہا تھا۔

جوں جوں جنگ کی آگ بھڑکتی جاتی تھی لوگ قتل ہوتے جاتے تھے اور لوگوں کے سینوں میں جوش و غضب کا دریا امڈ آرہا تھا۔ نہایت تونقشان جنگ ہو رہی تھی۔ خون کے فوارے اچھل رہے تھے۔ کسی کی زندگی محفوظ نہ تھی کوئی نہ جانتا تھا کہ کب اس پر کھانڈا پڑے اور کب اس کا خاتمہ ہو جائے۔ مگر خوف زدہ کوئی بھی نہ تھا ہر شخص بڑی بے خوفی سے لڑ رہا تھا۔ ہندوؤں کو تو اپنی کثرت پر زعم تھا۔ وہ نہایت جوش سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ہر طرف پھیلے ہوئے شور کر کر کے میدان کارزار کو عرصہ حشر بنائے ہوئے تھے۔ لیکن مسلمانوں کو خدا پر اعتماد تھا اور وہ اسی کے بھروسہ پر سر جھکائے نہایت خاموشی اور بڑے استقلال سے لڑ رہے تھے۔ وہ صفوں کی صفیں الٹ دیتے تھے کیرے کھکھڑی کی طرح ہندوؤں کو کاٹ رہے تھے۔ یہ عجیب بات تھی کہ ہندو جس قدر زیادہ تھے اسی قدر زیادہ مر رہے تھے بلکہ مرنے میں بھی کچھ جلدی کر رہے تھے اور جو کوئی ایک دفعہ زخمی ہو کر پڑتا تھا۔ اسے دوبارہ

اٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا۔ گھوڑوں کی ٹاپوں سے مسلا جاتا تھا۔ مسلمان کم تھے اور کم ہی مر رہے تھے بڑی مشکل سے دو چار مسلمان شہید ہو جاتے تھے۔ وہ بھی پچاس ساٹھ ہندوؤں کو قتل کر کر کے ہندوؤں کو خیال نہ صرف خیال بلکہ یقین تھا کہ مسلمانوں کو بہت جلد ختم کر کے فتح کا نعرہ لگائیں گے لیکن جب لڑائی نے طول کھینچا تب انہیں معلوم ہوا کہ مسلمان کچھ تر نوالہ نہیں ہیں کہ انہیں آسانی سے نگلا جا سکے۔ رفتہ رفتہ ہندوؤں اور مسلمانوں کی صفیں ٹوٹ گئیں اور ایک فریق دوسرے فریق کی صفوں میں گھس گیا اب گھمسان کی لڑائی ہونے لگی اور قریب قریب ہر آدمی تک لڑائی کے شعلے پہنچنے لگے۔ چونکہ میدان کارزار نہایت طویل و عریض تھا اس لئے جس طرف اور جہاں تک نظر جاتی تھی۔ تلواریں اٹھتی اور سر گیندوں کی طرح اچھلتے نظر آتے تھے۔ ہندو پورے جوش سے لڑ رہے تھے ان کے چوڑے چوڑے کھانڈے نہایت تیزی سے چل رہے تھے اور وہ اپنی پوری طاقت سے حملے کر رہے تھے۔ ہر طرف بکھرے ہوئے کمال دلیری سے لڑ رہے تھے لیکن ان کی جرأت اور ان کا جوش کچھ بھی کام نہ دے رہے تھے۔ وہ جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہے تھے۔ مسلمان انہیں تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیتے تھے اور وہ کچھ قتل ہو جاتے تھے۔ کچھ گھبرا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ پیچھے ہٹ کر جب ان کے حواس درست ہوتے تھے۔ تب پھر جوش میں آکر حملہ کرتے تھے اور پھر ان کا پہلے ہی سا حشر ہوتا تھا۔ انہیں اس بات پر بڑا غصہ آ رہا تھا کہ مسلمان مار تو رہے تھے اور خود نہ مر رہے تھے یا اگر مرتے تھے تو اس قدر کم کہ مرتے ہوئے بھی معلوم نہ ہوتے تھے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ مسلمان کچھ ایسے جوش سے لڑ رہے تھے۔ جس گروہ جس غول اور جس صف پر حملہ کرتے تھے اس کا خاتمہ ہی کر کے چھوڑتے تھے اور جب ان پر حملہ کیا جاتا تھا تو شیروں کی طرح رک کر حملہ آوروں کو چیر پھاڑ ڈالتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا اور قتل و خونریزی کرتے صفیں الٹتے۔ راجہ داہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ اس وقت ہر ہندو نہایت ہی جوش سے لڑ رہا تھا اور مسلمانوں کو روکنے اور قتل کر ڈالنے کی جدوجہد کر رہا تھا۔ مگر مسلمان ایسے جوش میں بھرے ہوئے تھے کہ انہیں قتل کرتے ہوئے بڑھ رہے تھے گویا انہوں نے تہیہ کر لیا تھا۔ کہ وہ ایک مشرک کو بھی زندہ نہ چھوڑیں گے دوپہر سے پہلے ہی پہلے انہوں نے تقریباً پندرہ ہزار ہندوؤں کو قتل کر ڈالا تھا۔ جنگ کے شعلے اس قدر بلند ہو رہے تھے کہ ہندو اور مسلمان دونوں ہی اس کی لپیٹ میں آ کر اپنی ہستیوں کو بھول چکے تھے۔ یوں تو ہر مسلمان بڑے

جوش سے لڑ رہا تھا۔ مگر ہر دستہ کا سردار کمال زیچ گری سے جنگ کر رہا تھا۔ خصوصاً اسلم جھپٹ جھپٹ کر حملے کر رہا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو کافروں کو مار ڈالتا تھا۔ بدبچال اگرچہ اسی جوش سے لڑ رہا تھا جیسے جوش سے اسلم لڑ رہا تھا۔ مگر وہ نازک تھا اور نزاکت کی وجہ سے جلد جلد حملے نہ کر سکتا تھا۔ تاہم مقدور بھر جنگ کر رہا تھا۔ مگر وہ زیادہ تر اسلم کی حفاظت میں مصروف تھا۔ جب اسلم بڑھ کر حملہ کرتا تھا تو اس کے پیچھے دوڑتا تھا اور جب کوئی ہندو اس پر حملہ کرنا چاہتا تھا تو وہ اسے قتل کر ڈالتا تھا۔

محمد قاسم بہت ہی جوش سے بھر کر لڑ رہا تھا۔ وہ گھوڑا اڑھا کر کبھی اس طرف کبھی سامنے حملہ کرتا تھا اور ہر حملہ میں ایک دو سواروں کو قتل کر ڈالتا تھا۔ وہ جوان تھا نوجوان نہیں بلکہ کمسن اس کا چہرہ جوش شجاعت سے سرخ ہو رہا تھا۔ وہ بڑی پھرتی اور بڑی دلیری سے حملے کر رہا تھا اس کی تلوار جس کے سر پر پڑتی تھی۔ سر سے سینے تک چیرتی اتر جاتی تھی۔ چونکہ صبح سے لڑتے لڑتے دوپہر کا وقت آ گیا تھا اور لڑائی میں مشقت زیادہ کرنا پڑتی ہے اس لئے اسے پیاس معلوم ہونے لگی۔ اس قدر خشکی بڑھی کہ لبوں پر پپڑیاں جم گئیں اس کے قریب ہی اس کا غلام ساقی بھی لڑ رہا تھا۔ ایک دفعہ جب محمد قاسم غلام کے قریب پہنچا تو اس نے کہا۔ ساقی پانی پلاؤ۔ ساقی نے اس کی طرف جھکتے ہوئے کہا۔ یا سیدی آپ کا روزہ ہے۔

محمد قاسم کو یاد ہی نہ تھا کہ رمضان شریف کا مہینہ ہے اور وہ اور تمام مسلمان روزہ سے ہیں۔ اس نے کہا۔ بخدا مجھے خیال نہ رہا تھا۔ خدا معاف کرے کہ میں نے رمضان شریف میں دن کے وقت پانی مانگا۔ یہ کہہ کر وہ پھر جنگ میں مشغول ہو گیا۔ اگر ہم ہر سردار کی جنگ کا مفصل حال لکھیں تو نہایت ضخیم کتاب ہو جائے بس یہ سمجھ لیجئے کہ ہر مجاہد سپاہی ہر سردار غرض کہ ہر مسلمان نہایت بہادری سے لڑ رہا تھا۔ جب کہ آتش جنگ نہایت تیزی سے بھڑک رہی تھی اور ہر آدمی مصروف جنگ تھا۔ دفعتاً ہندوؤں کی پشت کی طرف سے اللہ اکبر کے پرزور نعرہ کی آواز آئی۔ ہندو اس آواز کو سن کر چونک پڑے اور پیچھے پھر کر دیکھنے لگے۔ انہوں نے کہا مسلمانوں کا کچھ لشکر ان کے پشت کی طرف سے حملہ آور ہوا ہے اور اس نے آتے ہی نہایت شدومد سے حملہ کر دیا۔ اتنے میں کہ ہندو ہوشیار ہو کر معاملہ کی نوعیت سمجھیں ان کی کثیر تعداد نئے آنے والے مسلمانوں نے قتل کر ڈالی۔ مسلمان اللہ اکبر کی آواز سن کر ہی سمجھ گئے تھے کہ مردان اور تمیم نے ہندوؤں کی پشت کی طرف سے حملہ کر دیا ہے اب ان

مسلمانوں نے اللہ اکبر کا غلغلہ انداز نعرہ لگایا اور سنبھل کر نہایت جوش سے حملہ کیا۔ اب ہندو دو پاٹوں کے درمیان آگئے ایک طرف ان پر آگے کی طرف سے حملہ کیا جا رہا تھا اور دوسری طرف پشت کی جانب سے اور دونوں ہی طرف پر جوش غازیوں نے انہیں اس شدومد سے تیز بہت بری طرح سے قتل کرنا شروع کیا۔ کہ صرف دو ہی گھنٹے میں قریباً تمام لشکر کو قتل کر ڈالا۔ صرف ایک ہزار سوار راجہ داہر کے ہاتھی کے گرد کھڑے رہ گئے۔ اب مسلمانوں نے راجہ کے ان باڈی گارڈ (محافظ رسالہ) پر حملہ کر دیا جو راجہ کے چاروں طرف کھڑا تھا۔ مغرور و متکبر راجہ نے اپنے تمام لشکر کو قتل کرتے ہوئے دیکھا۔

جب وہ میدان کارزار میں نکلا تھا۔ تو مسلمانوں کو تھوڑا سمجھ کر خیال کر رہا تھا کہ ان کا بے شمار لشکر انہیں فناہ کر دے گا۔ لیکن اب جبکہ اس کا تمام لشکر موت کی آغوش میں میٹھی نیند سو گیا تو حسرت و افسوس سے حس تس کا منہ دیکھنے لگا۔ اسی دوران میں مسلمانوں نے اس کے خاص رسالہ پر حملہ کر دیا۔ اب بجائے حسرت اور افسوس کے اس کے چہرہ سے غم اور خوف کے آثار ظاہر ہوتے لگے۔ اس نے کمان ہاتھ میں لی اور داسیوں سے تیر لے کر چلانے لگا۔

داسیاں تیر دیتی جاتی تھیں اور وہ کمان میں رکھ کر چلا جا رہا تھا۔ چونکہ وہ ہاتھی پر تھا اور مسلمان گھوڑوں پر اس لئے اس کے تیر مسلمانوں کو مجروح کر رہے تھے۔ چند مسلمان روغن نفط لئے اس واسطے کھڑے تھے کہ جب ہاتھی مسلمانوں پر حملہ کریں گے تو وہ نفط زنی کر کے ہاتھیوں کے ہودوں اور عماریوں میں آگ لگانے کی کوشش کریں گے۔ ابھی تک ہاتھیوں نے حملہ نہ کیا تھا بلکہ یہ سمجھئے کہ ہندوؤں میں ہاتھیوں کو مسلمانوں پر ریلنے کا ہوش ہی نہ تھا وہ لڑ لڑ کر قتل ہو رہے تھے۔ چنانچہ ایک نفط زن نے تاک کر تیل پھینکا جو خاص داہر کی عماری پر پڑا۔ اس تیل کا خاصا تھا کہ جب وہ کسی چیز پر جا کر پڑتا تو ہوا لگتے ہی اس میں آگ لگ جاتی۔ چنانچہ عماری پر پڑتے ہی آگ کے شعلے بھڑک اٹھے اور عماری جلنے لگی۔ داسیاں چیخنے چلانے لگیں۔

داہر پریشان ہو گیا اور ہاتھی خوف زدہ ہو کر بھاگا اس ایک ہاتھی کے بھاگتے ہی تمام ہاتھی اس کے پیچھے بھاگ کھڑے ہوئے اور ان ہاتھیوں کی فوج نے اس طرف کے تمام سواروں کو کچل ڈالا جس طرف وہ دوڑ گئے ادھر مسلمانوں نے نہایت زور شور سے حملہ کر کے باقی ماندہ سواروں کو بے دریغ قتل کرنا شروع کر دیا۔ داہر کا ہاتھی بے تحاشا لپکا جا رہا تھا۔ جوں جوں وہ جھپٹتا تھا عماری میں شعلے اور بھی تیزی سے بھڑکتے تھے داہر نے جلدی سے فیلبان

کو کہا کہ ہاتھی کو ندی میں ڈال دو۔ داہر کا لشکر دریائے وادہادہ کے کنارہ پر مقیم تھا فیلبان نے ہاتھی کو دریا کی طرف دھکیلا۔ مگر ہاتھی سخت خوف زدہ ہو رہا تھا اور آنکس کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ پھر بھی فیلبان جوں توں کر کے اسے دریا کے پاس لے گیا اور اس کو دریا میں ڈال دیا۔ اس عرصے میں دونوں داسیاں بے ہوش ہو چکی تھیں اور داہر سخت پریشان تھا۔ وہ غم اور خوف بھری نظروں سے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔ اتفاق سے بھاگتے ہوئے دیکھ کر محمد اسلم۔ بدر جمال اور چند اور سرفروش مسلمان ہاتھی کے پیچھے دوڑ پڑے۔ ہاتھی کو پانی میں بھی آرام نہ آیا اور گھبرا کر پانی سے باہر نکلا۔

اسی وقت اسلم اور اس کے ہمراہی وہاں پہنچ گئے۔ چونکہ عماری کے اوپر کا حصہ جل چکا تھا اس لئے راجہ صاف طور پر بیٹھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسلم نے جلدی سے کمان ہاتھ میں لے کر ترکش سے تیر نکالا اور کمان میں جوڑ کر پوری طاقت سے چلہ کھینچ کر تیر چھوڑا۔ تیر سنسناتا ہوا فضا کو چیرتا ہوا داہر کے سینے میں جا کر ترازو ہو گیا۔ دہراتے ایک خوفناک چیخ ماری اور ہاتھی سے نیچے گرا۔ اس کے گرتے ہی بدر جمال اپنے گھوڑے سے کودا اس کے پاس پہنچا دیکھا تو داہر اٹھنے کی سعی کر رہا تھا۔ بدر جمال نے تلوار کھینچ لی۔ داہر نے اس کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھ کر کہا۔ آہ ایک عظیم الشان راجہ کا انجام بدر جمال نے فوراً تلوار بلند کی اور اپنی پوری طاقت سے حملہ کیا۔ تلوار داہر کی گردن پر پڑی سر کٹ کر دور جا گرا۔ اسلم اور تمام مسلمانوں نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اب انہوں نے ہاتھی کو قابو میں کر کے داسیوں کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت داسیوں کو ہوش آ گیا تھا۔ انہیں گرفتار کر کے یہ لوگ واپس ہوئے۔ جب میدان جنگ میں پہنچے تو دیکھا کہ تمام ہندو مارڈالے جا چکے ہیں۔ ظلم و جور کے پیکروں کا خاتمہ ہو چکا ہے اور مسلمان ان کے کیمپ کی طرف اسے تاراج کرنے کے لئے بڑھ رہے ہیں انہوں نے بھی گھوڑوں کے ایڑ لگائی اور مسلمانوں کے ساتھ کیمپ کی طرف چل دیئے یہ تھی وہ خونریز جنگ جس نے ہندوؤں کا خاتمہ کر کے مسلمانوں کی فتح کا دروازہ کھول دیا۔



ساٹھواں باب ۶۰

نظارۂ جمال

داہر نہایت مغرور و متکبر، سفلہ مزاج، ظالم اور ضدی و عشرت پسند تھا۔ جس وقت سراندیپ سے آئے ہوئے مسلمانوں کو گرفتار کر کے اس کے سامنے دیبل کے دروازہ پر پیش کیا گیا تھا۔ تو وہ بہت خوش ہوا تھا اور ان میں سے طاہرہ کو اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ باقیوں کو وہیں قید کرنے کا حکم دے آیا تھا اس کا خیال تھا کہ یہ مسلمان لاوارث ہیں کوئی ان کی خبر لینے والا اور ان کی بابت اس سے دریافت کرنے ان کے پاس نہ آئے گا لیکن جب خلیفۃ المسلمین ولید کا قاصد آیا تو وہ پیکر غرور اس بات کے زعم میں آگیا کہ اس کے سامنے مسلمانوں کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

چنانچہ اُس نے قاصد کو دیکھ کر بیٹھنے کا اشارہ کر کے غیر مناسب جواب دے کر رخصت کر دیا۔ جب اسلامی لشکر ہند پر حملہ آور ہوا تو وہ یہ سن کر کہ ایک نوعمر لڑکا سپہ سالار بن کر آیا۔ اکڑ گیا اور اس نے صلح پر جنگ کو ترجیح دی دراصل وہ خدا کا قائل نہ تھا۔ اس لئے اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ خدا جس نے دنیا کی ہر ایک چیز کو پیدا کیا ہے۔ جو موت اور زندگی پر قادر ہے جو نیست سے ہست اور ہست سے نیست کر دیتا ہے جس نے اسے پیدا کر کے سندھ جیسی عظیم الشان حکومت کا راجہ بنایا اس بات پر قادر ہے کہ جب چاہے اس سے حکومت چھین لے اس کا ملک غیروں کے حوالے کر دے اور اسے موت کی آغوش میں میٹھی نیند سلا دے۔ خدا کبھی کسی کو سزا نہیں دیتا۔ جب تک اس کی نافرمانیاں، سیاہ کاریاں مظالم، مغروریاں حد سے نہ بڑھ جائیں۔ خدا کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے بدکار اور ظالم بندوں کو اس لئے ڈھیل دیتا ہے کہ وہ بد عادات چھوڑ کر نیک بن جائیں لیکن جب مغرور اور متکبر انسان پیکر فخر و غرور بن کر زیادہ ہی گمراہی کی طرف جاتا ہے تب قدرت اسے ایکدم اپنی مضبوط گرفت میں جکڑ لیتی ہے اور پھر اسے دم مارنے کی بھی مہلت نہیں دیتی۔

چنانچہ داہر کے لئے بہت سے مواقع قدرت نے ایسے دیئے جن سے فائدہ اٹھا کر وہ نیکو کار بن جاتا لیکن اس نے دولت وسلطنت کے نشہ میں پرواہ نہ کی آخر ملک کو تاراج ۔ رعایا کو برباد آبادیوں کو ویران کر گیا اور سب کے بعد خود بھی فخر وغرور کی بھینٹ چڑھ گیا۔ عبرت انگیز نگاہوں کے لئے یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے ۔ ایک عظیم الشان راجہ کا جس کے پاس ہزاروں سر فروش تھے جس کا لشکر ایک لاکھ کے قریب تھا ۔ جو لاکھوں سپاہی میدان کارزار میں لا سکتا تھا ۔

جس کا ملک بڑا وسیع تھا ۔ جس کے خزانے دولت سے معمور تھے ۔ جس کے ماتحت بہت سے راجہ تھے ۔ قدرت نے اسے ایک کمسن ستر سالہ مجاہد محمد قاسم اور صرف آٹھ ہزار مجاہدین اسلام کے ہاتھوں سے ختم کرا دیا ۔ طاقت اور دولت کوئی چیز نہیں ہے اصل چیز خدا کی رحمت ہے لیکن مادہ پرست دولت اور طاقت ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں ۔ خدا میں وہ طاقت ہے کہ وہ ایک ادنٰے شخص کو حکمران اور ایک حکمران کو کوڑی کوڑی کا محتاج بنا سکتا ہے انسان اور خدا کا بندہ وہی ہے کہ جو خدا کو یاد کرتا ہے اور اس سے ڈرتا ہے ۔

مسلمان تینتیس ہزار ہندوؤں کا خاتمہ کر کے ان کا کیمپ لوٹنے کے لئے دوڑے کیمپ میں کچھ خادم ۔ کچھ کنیزیں اور رانیاں تھیں ۔ کچھ سوار بھی تھے مگر بہت کم زیادہ سے زیادہ پانچ سو ہوں گے ۔ جونہی ان سواروں نے مسلمانوں کو دیکھا ، وہ گھبرا کر وہاں سے بھاگ نکلے ۔ رانی مائی بھی ان کے ہمراہ بھاگ پڑی اور رانیاں نہ بھاگ سکیں اور وہیں رہ گئیں ۔ جب مسلمان کیمپ میں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کچھ سیاہ فام لوگ چند عورتوں کو گھیرے کھڑے تھے ۔ اتفاق سے محمد قاسم وہاں پہنچ گیا ۔ اس نے ڈپٹ کر کہا کیا ہنگامہ ہے ۔

محمد قاسم کو یہ خیال ہوا کہ شاید وحشی ہندو یہ سمجھ کر کہ راجہ مارا گیا ہے اس کی عورتوں پر دست درازی کر رہے ہیں اکثر نمک حرام اور غدار لوگ ایسا کیا ہی کرتے ہیں ۔ محمد قاسم کو عورتوں نے دیکھا ان میں سے ایک نے کہا ۔ بچایئے محمد قاسم مجھے بچایئے ۔ محمد قاسم اپنا نام سن کر حیران رہ گیا ۔ اس نے حیرت سے مخاطب ہندو عورت کی طرف دیکھا ۔ اسے دیکھتے ہی اس کے دل پر ایک تیر سا لگا اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا ۔ وہ رانی لادی تھی ۔

محمد قاسم اس کی طرف بڑھا ایک سیاہ فام ہندو اس کے پاس کھڑا تھا وہ ڈر کر پیچھے ہٹ گیا ۔ محمد قاسم نے لادی سے کہا ۔ کون ؟ رانی لادی ! لادی اسے بے تحاشہ دیکھ رہی تھی ۔ مگر جب محمد قاسم نے اس سے خطاب کیا تو وہ سنبھلی اور اس نے شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا ۔

ہاں بدنصیب لادی۔

محمد قاسم۔ یہ کیا بات ہے۔ یہ ہندو تم کو اور ان عورتوں کو کیوں گھیرے کھڑے ہیں اور یہ عورتیں کون ہیں۔

لادی۔ یہ تمام راجہ داہر کی رانیاں ہیں اور یہ ہندو اس لئے ہم سب کے گرد کھڑے ہیں کہ اگر راجہ کے مرنے کی خبر آئے تو یہ ہمیں مار ڈالیں۔

محمد قاسم کو یہ سن کر بڑی حیرت ہوئی۔ اس نے پوچھا یہ کیوں ؟

لادی۔ اس لئے کہ راجہ داہر نے ان لوگوں کو حکم دیا تھا کہ اگر ہندوؤں کو شکست ہو اور میں مارا جاؤں تو تمام رانیوں کو قتل کر ڈالنا۔

محمد قاسم۔ کس قدر بیرحم اور ظالم تھا۔

اب اس نے اپنی پشت کی طرف دیکھا۔ اس کے پیچھے بہت سے مسلمان کھڑے تھے۔ محمد قاسم نے ان سے کہا ان تمام بے درد جلادوں کو گرفتار کر لو۔ فوڑا ہی مسلمان بڑھے۔ وحشی جلاد مسلمانوں کو دیکھتے ہی کانپ اٹھے انہوں نے روتے ہوئے کہا۔ حضور ہم بے قصور ہیں ہم پر رحم کرو ہمیں مہاراجہ نے ہی یہ حکم دیا تھا۔ محمد قاسم نے بگڑتے ہوئے کہا۔ تم ان معصوم عورتوں پر رحم نہ کرتے تھے پھر اپنے لئے رحم کی التجا کیوں کرتے ہو؟ سب نے عاجزی سے کہا رحم کیجئے۔ حضور۔

محمد قاسم۔ اچھا تم پر رحم کیا جاتا ہے اور تم کو گرفتار کر کے خلیفہ کے حضور میں بھیج دیا جائے گا۔ تمہاری قسمت کا فیصلہ خلیفہ ہی کریں گے۔

چنانچہ مسلمانوں نے تمام ہندوؤں کو اسیر کر لیا۔ اس عرصہ میں مسلمانوں نے ہندوؤں کے کیمپ کی ہر چیز پر قبضہ کر لیا۔ ہزاروں گھوڑے بہت سے ہاتھی سونے چاندی کی چیزیں موتیوں اور جواہرات کے بیش قیمت زیورات اور مسندیں غرض کہ بہت کچھ مال غنیمت میں ہاتھ آیا۔ ان تمام چیزوں پر قبضہ کر کے مسلمان اپنا کیمپ وہیں اٹھا لائے۔ اب چونکہ رات زیادہ آگئی تھی اس لئے مسلمانوں نے نماز پڑھ کر کھانا پکانا شروع کر دیا۔ ہندوؤں کو بھی رسد دے دی گئی اور انہوں نے اپنی کنیزوں اور رانیوں کے لئے کھانا تیار کرنا شروع کر دیا۔ سب

لہ یہ تمام واقعہ تاریخ ہند کے صفحہ ۴۴ پر مفصل تحریر ہے اور خود رانی لادی نے بیان کیا ہے۔

نے کھانا تیار ہونے پر کھایا اور عشاء کی نماز پڑھ کر آرام کیا۔

محمد قاسم نے آرام کرنے سے پہلے رانیوں کے لئے معقول انتظام ان کے حسب منشا کر دیا تھا اس کے حسن انتظام سے تمام رانیاں کنیزیں اور ہندو اس کی تعریف کرنے لگے صبح ہوتے ہی محمد قاسم نے مسلمانوں کو شہداء کے جمع کرنے اور کچھ مجاہدین کو گڑھے کھودنے کا حکم دیا۔

چنانچہ مسلمان تمام میدان کارزار میں بکھر گئے اور شہداء کو جمع کرنے لگے۔ اس نے ہندوؤں سے کہا کہ وہ بھی اپنے مردوں کو دفن کر دیں یا جلا دیں۔ مگر ہندوؤں نے یہ کہہ کر معذوری ظاہر کی کہ ہندوؤں کی لاشیں اتنی ہیں کہ انہیں نہ دبایا جا سکتا ہے اور نہ جلانے کا انتظام کیا جا سکتا ہے۔

محمد قاسم ان کے اس جواب سے مجبور ہو گیا۔ البتہ اس نے ہندوؤں کو راجہ داہر کی لاش تلاش کر کے لانے کے لئے بھیجا۔ ظہر کے وقت تک مسلمانوں نے تمام میدان میں گھوم پھر کر شہداء کو جمع کیا سب نے ان کے جنازہ کی نماز پڑھی اور انہیں دفنا دیا۔

اس عظیم الشان معرکہ میں صرف تین سو مسلمان شہید ہوئے تھے۔ عصر کے وقت ایک برہمن چند ہندوؤں کے کاندھے پر راجہ داہر کی لاش اٹھوا کر لایا۔ محمد قاسم نے اس صلہ میں ان ہندوؤں کو رہا کر دیا اور برہمن کے تمام خاندان کو جن کی تعداد تین سو تھی چھوڑ دیا۔ عصر کی نماز کے بعد محمد قاسم نے مال غنیمت کا پانچواں حصہ دربار خلافت میں بھیجنے کے لئے علیحدہ کر دیا اور باقی چار حصے تمام مسلمانوں اور نومسلموں کو جو گزشتہ شب مسلمان ہوئے تھے حسب رسد تقسیم کر دیئے۔

محمد قاسم کی اس کاروائی سے وہ لوگ اس کے بے حد مشکور ہوئے کسکہ نے کئی مرتبہ اس کا شکریہ ادا کیا۔ رات کو مسلمانوں نے وہیں قیام کیا اور صبح کی نماز پڑھتے ہی مال غنیمت کا پانچواں حصہ کنیزوں اور گرفتار شدہ ہندوؤں کو کچھ مسلمانوں کے ہمراہ حجاج کی خدمت میں بھیج دیا اور دوپہر سے پہلے ہی پہلے مع تمام لشکر کے الور کی طرف روانہ ہو گیا اس نے رانیوں کو مصلحتاً اپنے پاس ہی رکھا تھا اور جو فتح نامہ حجاج کے نام لکھا اس میں یہ سب کچھ لکھ دیا۔ نیز راجہ داہر کا سر بھی اپنے ہمراہ ہی لے گیا۔



اکسٹھواں باب ۶۱

بد بختی

محمد قاسم معہ اسلامی لشکر کے نہایت شان کے ساتھ الور کی طرف روانہ ہوگیا۔ چونکہ اس نے راجہ داہر کو جے پور میں دریائے وادہادہ کے کنارہ زبردست ہزیمت دی تھی۔ ہندوؤں کے تمام لشکر کو تہ تیغ کر دیا اور داہر کو مار ڈالا تھا اور سوائے رانی لادی کے اور تمام رانیوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ اس لئے فضائے ہند میں اس کی ہیبت چھا گئی تھی۔ ہر راجہ اور ہر ہندو خوف و دہشت سے کانپنے لگا تھا۔ آج سب راجہ داہر کو برا کہہ رہے تھے۔ گویا جب ہندوستان میں اسلامی فتوحات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ تب انہوں نے محسوس کیا کہ راجہ داہر نے سراندیپ کے مسلمانوں کو قید کر کے ایک ایسی قوم کو چھیڑ دیا۔ جس کا مقابلہ دنیا کی کوئی قوم بھی نہ کر سکتی تھی۔ بھلا ہندو کیا مقابلہ کرتے اب ہر راجہ اپنی اپنی فکر کرنے لگا۔ ہندو نہ اتفاق و اتحاد سے واقف تھے نہ متحد تھے ان میں ہر شخص علیحدہ بیٹھ کر کھاتا۔ کسی کا جھوٹا پانی پینا تو درکنار جھوٹے برتن میں پانی نہ پی سکتا تھا۔ کھانا کھاتے وقت کوئی ان کے قریب نہ بیٹھ سکتا تھا۔ بہت سے مذہب تھے اور ہر مذہب میں کئی فرقے تھے پھر ہر فرقہ میں ادنٰے اور اعلٰے کی تخصیص تھی اور اس طبقہ کو اچھوت یا شودر کہتے تھے اعلٰے طبقہ کے ہندوؤں نے اس طبقہ کو بالکل گرا رکھا تھا۔ یہ غریب طبقہ رات دن ان کی خدمت کرتا تھا مشکل سے مشکل کام انجام دیتا تھا۔ جب کہیں سے جا کر موٹا جھوٹا کھانے کو ملتا تھا۔ چونکہ اعلٰے طبقہ والے بھی اس وقت کپڑا نہیں پہنتے تھے۔ اس لئے ان بے چاروں کو کپڑا کون دیتا اور وہ کیسے پہنتے پھر اس غلام طبقہ کو اس قدر نفرت اور حقارت کی نظروں سے دیکھا جاتا تھا اور ان سے اس قدر پرہیز کیا جاتا تھا کہ جس طرف سے اعلٰے طبقہ کا ہندو گزرتا تھا مجال نہ تھی کہ کوئی شودر اچھوت بھی اس راستہ سے گزر سکتا۔

ہندوؤں کی ایک پرانی کتاب منوسمرتی ہے اس کتاب میں منوجی نے لکھا ہے اور اس میں دوسری مذہبی کتابوں کی تشریح کی گئی ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ شودر یا اچھوت کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اس میں اس جگہ سانس لے جہاں کوئی اعلیٰ طبقہ کا ہندو موجود ہو۔ نیز اگر کہیں ویدوں کے منتر پڑھے جا رہے ہوں اور وہاں بدقسمتی سے کوئی اچھوت آ جائے اور اس کے کانوں میں ویدوں کے منتر پڑ جائیں تو فوراً سیسہ پگھلا کر اس کے کانوں میں ڈال دیا جائے۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی باتیں منوسمرتی میں تحریر ہیں۔ جس میں ہندوؤں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اچھوتوں کو ذلیل و حقیر سمجھیں نہ اپنے پاس آنے دیں اور نہ ان کے پاس جائیں نہ انہیں اس جگہ سانس لینے دیں۔ جس جگہ عام ہندو ہوں۔ چنانچہ جب سے آریہ ہندوستان میں آئے ہیں اور انہوں نے کول۔ اور دراوڑ کو جنوبی ہند کی طرف دھکیلا تب سے وہ اس خلاف انسانیت کو ساتھ لائے اور آج تک بیچارے اچھوت ذلت کی حالت میں ہیں اچھوتوں کو یہ کبھی خیال نہ ہوا کہ اگر وہ ہندو نہیں ہیں تو پھر انہیں کیا بننا چاہیئے جس سے وہ انسانوں کی صفیں میں شامل ہو کر انسان کہلانے کے مستحق ہیں۔ عرصہ دراز کے بعد ان کی آنکھیں کھلی ہیں اور انہیں اپنی ذلت اور ہندوؤں کی خود غرضی کا احساس ہوا ہے اور وہ سوچنے لگے ہیں کہ انہیں کونسا مذہب اختیار کرنا چاہیئے جس سے وہ انسانی حقوق حاصل کر سکیں۔

ان کے بڑے بڑے لیڈر اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ مساوات اسلام میں ہے اور انہیں مسلمان ہو جانا چاہیئے اب یہ فرض مسلمانوں کا ہے کہ وہ اس پس ماندہ مظلوم طبقہ کو اسلامی تعلیم سے روشناس کرا کے مسلمان بنانے کی سعی کریں غرض کہ ہندو متفق نہ تھے نہ ان میں اتفاق ہوا۔ وہ یہ دیکھنے گئے کہ اگر محمد قاسم الور کو فتح کر لے تو پھر وہ اس سے صلح کی درخواست کر کے مصالحت کر لیں اسلامی لشکر نہایت شان سے کوچ کر کے الور کے سامنے جا اترا۔ جے سیاہ داہر کا بیٹا الور میں ہی تھا۔ جب اس نے سنا کہ اسلامی لشکر الور میں آ رہا ہے تو خفیہ طریقہ سے وہاں سے برہمن آباد بھاگ گیا رانی لاڈی اور سیسا۔ گر وزیر دونوں الور میں آ گئے تھے اور انہوں نے قلعہ کا دروازہ بند کر کے فصیل پر لشکر متعین کر دیا تھا۔ جگہ جگہ فصیل پر تیروں۔ برچھیوں اور پتھروں کے ٹکڑوں کے ڈھیر لگا دیئے تھے اس وقت بھی الور میں پندرہ ہزار آزمودہ کار لشکر موجود تھا اور وہ فصیل کے چاروں طرف پھیل گیا چونکہ فصیل نہایت مضبوط تھی اس لئے ہندوؤں کو یقین تھا کہ محمد قاسم اس قلعہ کو فتح نہ کر سکے گا اور برس چھ مہینے محاصرہ کر کے واپس لوٹ جائے گا اگر وہ اب بھی صلح کی کوشش کرتے تو محمد قاسم نہایت ہی نرم شرائط پر صلح کر لیتا

مگر وہ ہمیشہ بے وقوفی کر کر کے جنگ کو ترجیح دیتے رہے۔ راجہ داہر کو لشکر کی کثرت پر غرہ تھا۔ تورانی لاڈی اور سیساگر وزیراعظم کو قلعہ کی مضبوطی پر زعم تھا۔ محمد قاسم نے چند ایک افسروں کو ہمراہ لے کر قلعہ کا معائنہ کیا اس اندازہ کر لیا کہ فصیل نہایت مضبوط ہے اول تو ہندو فصیل تک پہنچنے ہی نہ دیں گے اور اگر سرفروشی کر کے پہنچ بھی گئے تو اس کا توڑ ڈالنا آسان نہ ہوگا۔ اس لئے اس نے سرنگ کی کھدائی شروع کرا دی لیکن یہ بھی ضروری تھا کہ ہندوؤں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے قلعہ پر حملہ بھی کیا جاتا۔ اس لئے روزانہ ایک افسر حملہ آور ہوتا تھا اور دن چھپنے تک لڑتا رہتا تھا۔ ایک روز رانی لاڈی نے محمد قاسم سے کہا کہ اسے قلعہ کے قریب بھیجا جائے وہ ہندوؤں کو دروازہ کھولنے پر آمادہ کرے گی۔

چنانچہ محمد قاسم نے چند سپاہیوں کے ساتھ اسے روانہ کر دیا اور خود بھی معہ افسروں کے اس کے پیچھے پیچھے چلا۔ جب سے رانی لاڈی محمد قاسم کے پاس آئی تھی اور اس کے لشکر میں رہنے لگی تھی۔ اس وقت سے محمد قاسم نے اس سے کہہ دیا تھا کہ وہ پردہ کرے اور وہ اپنے چہرہ پر نقاب ڈال کر گھوڑے پر سوار ہو کر اسلامی شیروں کے ساتھ چلی جب وہ بدر جمال کے خیمہ کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے بدر جمال کو خیمہ کے سامنے کھڑے دیکھا وہ رک گئی اور اس نوجوان کو دیکھنے لگی کچھ دیر کھڑی دیکھتی رہی اور پھر بڑھ کر اس کے قریب پہنچی اس نے کہا۔ نوجوان کیا تم طاہرہ کے بھائی ہو؟ بدر جمال نے مسکرا کر کہا۔ نہیں رانی صاحبہ میرے کوئی بہن نہیں ہے۔

لاڈی۔ مگر تمہاری صورت طاہرہ سے کس قدر ملتی جلتی ہے۔

بدر جمال۔ مگر طاہرہ تو اور میں تھی۔

لاڈی۔ نہیں اسے سیساگر وزیراعظم نے رہا کر دیا تھا۔

بدر جمال۔ میں آپ کے پاس حاضر ہو کر اس کے متعلق عرض کروں گا۔

لاڈی۔ میں مشکور رہوں گی۔

لاڈی واپس لوٹ کر سواروں کے ہمراہ چلنے لگی اور قلعہ کے سامنے پہنچی وہ اپنی مخصوص ہندوانہ پوشاک پہنے تھی اسے دیکھتے ہی فصیل والے ہندوؤں نے شور مچایا۔ لاڈی نے مسلمانوں سے کہا کہ وہ نقاب اٹھا کر ہندوؤں کو منہ دکھائے گی تاکہ وہ اسے پہچان لیں۔ مسلمانوں نے اس کی طرف سے منہ پھیر لئے اب اس نے اپنے چہرہ سے نقاب الٹا۔ وہ بہت زیادہ

حسین تھی۔ نقاب اٹھاتے ہی اس کا چہرہ چاند کی طرح چمکنے لگا۔ اس نے اپنا بھولا چہرہ اور معصوم نگاہیں فصیل کی طرف اٹھا کر دیکھا۔ ہندوؤں نے اسے دیکھتے ہی پہچان لیا انہوں نے اپنے افسروں سے رانی لادی کے آنے کی اطلاع کی۔ بہت سے افسر اور رانی مائی برج میں آکھڑے ہوئے مائی نے دریافت کیا تم کیوں آئی ہو؟ میں[1] یہ کہنے آئی ہوں کہ فضول خونریزی سے کوئی فائدہ نہیں ہے ہماری طاقت تباہ ہوگئی۔ ہزاروں ہندو مارے گئے۔ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہوگئے ہیں میں خود بھی بیوہ ہوگئی ہوں میرے سوامی مہاراجہ داہر قتل کر ڈالے گئے آج مسلمانوں کا اقبال یاد رہے لڑنا بے کار ہے قلعہ ان کے حوالے کر کے امن و عافیت حاصل کر لو۔ مائی نے غصہ سے بھر کر کہا۔ لادی تو چنڈالوں میں پہنچ کر ان کی ہمدرد اور ہندوؤں کی دشمن بن گئی ہے شرم کر کیا تجھے یہ زیبا ہے کہ تم اپنی قوم کو بزدلی کا سبق دو۔

لادی۔ نہیں رانی میں رانی ہوں۔ مجھے اپنی قوم سے تم سے زیادہ ہمدردی ہے اسی وجہ سے میں ایسا کہہ رہی ہوں کہ لڑائی بے سود ہے مسلمانوں کا مقابلہ غیر ممکن ہے جب راجہ ہی مار ڈالے گئے تو پرجا کیا کرے گی۔

رانی مائی نے غضب ناک ہو کر کہا تو جھوٹ کہتی ہے راجہ زندہ ہیں اور وہ لشکر فراہم کر رہے ہیں۔

لادی۔ مگر اس کا سر مسلمانوں کے پاس موجود ہے اور تم دیکھ سکتی ہو۔

مائی۔ تو جھوٹی ہے مکار ہے مسلمانوں سے ساز باز کر گئی ہے۔

لادی کو اس کی گفتگو سخت ناگوار گزری۔ محمد قاسم بھی وہاں آگیا تھا۔ اس نے کہا مہارانی تم نے سمجھانے کا حق ادا کر دیا۔ ان بدبختوں کے سر پر غرور کا بھوت سوار ہے یہ نہیں مانیں گے انہوں نے تمہاری توہین کی ہے۔ انشاء اللہ ان کو ایسی سزا دوں گا کہ دنیا عبرت حاصل کرے گی۔

لادی نے شرمندگی کے لہجہ میں کہا افسوس میری قوم نے میری تذلیل کی۔

محمد قاسم۔ یہ عورت شاید تمہاری "سوت" ہے۔

لادی۔ جی ہاں یہی رانی مائی ہے جو جے پور سے بھاگ آئی تھی۔

محمد قاسم۔ شاید راجہ داہر کی بہن ہے۔

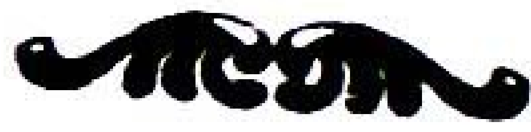
لادی۔ جی ہاں بہن بھی ہے اور بیوی بھی ہے۔

---

[1] یہ تمام گفتگو تاریخ کے صفحہ ۱۵۸ پر تحریر ہے۔ (صادق صدیقی)

محمد قاسم۔ اس لئے اسے غصہ ہے آؤ اب تم اس بدزبان سے بات بھی نہ کرو۔

لادی نے پھر چہرہ پر نقاب ڈال لیا اور لوٹ کر محمد قاسم کے ساتھ روانہ ہوئی جب وہ لوٹی تو ہندوؤں نے شور کر کر کے اسے بُرا بھلا کہنا شروع کیا جب کہ وہ غل مچا کر رانی لادی کا مضحکہ اڑا رہے تھے اسی وقت آواز آئی بد قسمت لوگو! کم ہنسو! سب نے حیران ہو ہو کر اس طرف دیکھا۔ جس طرف سے آواز آئی تھی۔



باسٹھواں باب ۶۲

آخری نصیحت

جب رانی ماٹی اور ہندوؤں نے نگاہیں اٹھا کر دیکھا تو انہیں سیساگر وزیر اعظم آتا ہوا نظر آیا۔
رانی نے دریافت کیا کیا آپ نے کہا کہ ہم کم ہنسیں!
سیساگر نے جواب دیا نہیں میں نے نہیں کہا تھا۔
ماٹی۔ پھر کس نے کہا۔
سیساگر۔ میں نہیں کہہ سکتا۔
ماٹی۔ کیا تم نے آواز نہیں سنی۔
سیساگر۔ سنی تھی اور یہی دیکھنے آیا تھا کہ کس نے یہ بات کہی ہے۔
ماٹی نے اپنے گرد کھڑے ہونے والوں سے دریافت کیا کیا آپ میں سے کسی نے یہ بات کہی ہے؟ سب نے سر جھکا کر جواب دیا ہماری یہ مجال نہیں ہے۔
ماٹی۔ پھر کس نے کہی؟
پھر آواز آئی میں نے کہی ہے رانی اب سب نے دیکھا۔ برج کی دیوار سے لگی ہوئی جوگنی کھڑی تھی۔ اس وقت اس کا چہرہ زرد ہو رہا تھا اور آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے بال گرد آلود ہو رہے تھے اس کے ایک ہاتھ میں کالی مرچیں اور دوسرے میں جوزیبا کی ہری ہری شاخیں تھیں ان شاخوں میں سے بعض میں کلیاں تھیں بعض میں پھول کھل رہے تھے اور اکثر میں پھلیاں لگ رہی تھیں ان کا چہرہ غم وحسرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ خشک ہونٹ پیلے پڑ گئے تھے اور پیشانی عرق آلود تھی سب اُسے دیکھتے ہی جھک گئے۔ رانی ماٹی نے کہا ماتا تم اچھے وقت پر آئیں اس وقت ملک اور قوم کو تمہاری اشد ضرورت ہے۔ جوگنی نے افسوس بھرے لہجہ میں کہا۔ افسوس راجہ داہر نے میری بات نہ مانی۔ آخر ہندوجاتی کو تباہ کرادیا۔

ماٹی۔ آپ نے مہاراج کو سمجھایا تھا۔

جوگنی۔ بہت کچھ انہیں شبہ ہو گیا تھا کہ میں شاید مسلمانوں کی طرف دار ہو گئی ہوں۔

ماٹی۔ مگر۔

جوگنی۔ مگر میں مسلمانوں سے پہلے بھی نفرت کرتی تھی اور اب بھی کرتی ہوں۔ خیال کرو جو قوم ہمارے دیوی دیوتاؤں کی دشمن ہے۔ ہم اس کے دوست کیسے ہو سکتے ہیں۔

ماٹی۔ بالکل نہیں۔

جوگنی۔ چنانچہ میں بھی ان کی دوست نہ تھی؟

ماٹی۔ لیکن۔

جوگنی۔ لیکن میں نے اپنے علم سے یہ بات معلوم کر لی تھی کہ اگر جنگ ہوئی تو فتح مسلمانوں کی ہو گی۔ ماٹی نے کہا اور تم نے راجہ کو کیا سمجھایا تھا۔

جوگنی۔ میں نے کہا تھا کہ وہ قیدیوں کو رہا کر دے مسلمانوں سے صلح کرے۔

ماٹی۔ لیکن . . . .

جوگنی۔ لیکن انہوں نے نہ مانا تھا اگر وہ میرے کہنے پر عمل کرتے اور سراندیپ سے آنے والے مسلم اسیروں کو چھوڑ دیتے تو ملک پر تباہی نہ آتی۔

ماٹی۔ اب کیسے یہ مصیبت دور ہو سکتی ہے۔

جوگنی۔ مسلمانوں سے صلح کرنے سے

تمام ہندوؤں اور رانی ماٹی نے تیز نظروں سے جوگنی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مسلمانوں سے صلح کرنے سے؟

جوگنی۔ ہاں

ماٹی۔ مگر ہماری خودداری ہمیں اس بات کی اجازت نہیں دیتی

جوگنی۔ تو انجام بھی قریب ہے

ماٹی۔ اور وہ انجام کیا ہو گا۔

جوگنی۔ خوف ناک تباہی۔

سب نے حیرت اور خوف بھری نظروں سے جوگنی کو دیکھا۔ جوگنی نے کہا کیا دیکھتے ہو۔ میرا علم مجھے یہی بتاتا ہے۔

ماٹی۔ مگر مسلمانوں نے اپنے بھائیوں کو چھڑانے کے لئے ہم پر رحم کیا تھا اور اب انہوں نے تمام قیدیوں کو چھڑا لیا ہے پھر وہ واپس کیوں نہیں چلے جاتے۔

جوگنی۔ ابھی انتقام لینا باقی ہے۔

ماٹی۔ انتقام کس بات کا

جوگنی۔ بلاوجہ مسلمانوں کو قید کرنے کا۔

ماٹی۔ جب وہ انتقام لینا چاہتے ہیں تو صلح کیوں کریں گے۔

جوگنی اگر انہیں زرتاوان دے دیا جائے گا تو وہ چلے جائیں گے۔

ماٹی۔ ورنہ؟

جوگنی ورنہ سارے ہندوستان کو فتح کرلیں گے۔

ماٹی نے جوش میں آکر کہا یہ اس وقت ہوگا جب ایک ہندو بھی تمام ہندوستان میں باقی نہ رہے گا۔

جوگنی۔ رانی صاحبہ اس وقت اس سرزمین کے چپہ چپہ پہ ہندو موجود ہیں اور مسلمانوں کا قبضہ دیبل، نیرون، سوستان، دریائے مہران (سندھ) اور دریائے وادہادہ کے درمیانی دوآبہ میں جے پور اور اس سے آگے اور تک ہو چکا ہے۔

ماٹی۔ مگر اب ہندوؤں میں جوش وغضب کا دریا امڈ آیا اور وہ مسلمانوں کو مٹا ڈالنے پر آمادہ ہو گئے ہیں۔

جوگنی۔ وہ بزدل جو جے پور میں چالیس ہزار ہوتے ہوئے صرف آٹھ ہزار مسلمانوں سے شکست کھا آئے۔ انہیں کیا مٹا ڈالیں گے اور اگر فرض کرو کہ مسلمانوں کے اس لشکر کو شکست بھی دے دی جائے تو پھر اس سے بڑا لشکر آجائے گا اور وہ سارے ہندوستان کو اس طرح تاراج کر ڈالے گا جس طرح ہمارے بزرگوں نے کول اور دراوڑ کو برباد کر کے انہیں شمال سے جنوب کی طرف بھگا دیا تھا۔

ماٹی۔ اطمینان رکھو ایسا نہ ہوگا۔

جوگنی نے جوش میں آکر کہا ایسا ہی ہوگا۔

ماٹی۔ پھر ہم کیا کریں۔

جوگنی۔ صلح۔

ماٹی ۔ مگر بغیر راجہ کے ہم صلح کیسے کر سکتے ہیں ۔

جوگنی ۔ مگر راجہ موجود نہیں ہے ۔

ماٹی ۔ کہاں گئے وہ ۔

جوگنی ۔ میں پہلے ہی انہیں ڈھونڈ آئی ہوں میں نے قاف سے لے کر ہمالیہ تک اور ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک اور وہاں سے لنکا تک چھان مارا ۔ مگر اس کا کچھ پتہ نہ چلا ۔

سب حیرت سے جوگنی کو دیکھنے لگے ۔ جوگنی نے کہا تم شاید مجھے جھوٹا سمجھ رہے ہو ۔ مجھے پہلے ہی اس بات کا خیال تھا اور اس لئے میں جب سراندیپ سے چلی تو میں نے کالی مرچیں اور جوز بویا کی یہ شاخیں لے لی تھیں ۔ انہیں دیکھو کیا یہ شاخیں سبز نہیں ہیں ؟ کیا انہیں آج ہی میں توڑ کر نہیں لائی ۔ کیا میرا چہرہ غبار آلود نہیں ہے اس نے یہ کہتے ہی مرچیں اور جوز بویا کی شاخیں پھینک دیں ۔ سب نے دیکھا ۔ ماٹی نے دیکھ کر بلاشبہ تم سچ کہہ رہی ہو تا لیکن راجہ آخر پھر کہاں ہیں ۔

جوگنی ۔ راجہ مارے گئے ۔

رانی نے چونک کر غم آلود نظروں سے جوگنی کو دیکھا ۔ دیر تک دیکھتے رہنے کے بعد غمگین لہجہ میں کہا ۔ میرے پریتم پیارے مارے گئے ۔

جوگنی ۔ ہاں مارے گئے اور واد ہادہ کے کنارے برادران کا سر محمد قاسم کے پاس موجود ہے ۔

اتنا سنتے ہی ماٹی نے دل دوز آہ کی اور بے ہوش ہو کر گر گئی ۔ سیسا گر وزیر اعظم نے اسے بڑھ کر جلدی سے سنبھالا ۔ جوگنی نے کہا مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم لوگ مسلمانوں سے صلح نہ کرو گے اور یہ ملک تباہ ہو کر رہے گا میں اپنے ملک کی تباہی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتی اس لئے آج ہمالیہ کی طرف چلی جاؤں گی اور تمام عمر وہیں رہوں گی ہاں ایک دفعہ اور تمہارا انجام دیکھنے آؤں گی ۔

یہ کہتے ہی وہ چلی گئی اور ہندو حیرت و افسوس بھری نظروں سے بے ہوش رانی ماٹی کو دیکھنے لگے ۔



ترسیٹھواں باب ۶۳

بدر جمال کا راز

ہم بیان کر چکے ہیں کہ محمد قاسم نے سرنگ کھودنے کا حکم دے دیا تھا اور پرجوش مجاہدین سرنگ کھودنے میں مشغول ہو گئے چونکہ انہوں نے آتے ہی اپنے کیمپ کے سامنے خندق کھود ڈالی تھی اس لئے ہندوؤں کو معلوم ہی نہ ہوا تھا کہ مسلمان کیا کر رہے ہیں۔ سرنگ کھودنے کا کام نہ تو آسان تھا اور نہ جلد ختم ہونے والا تھا۔ زمین سخت تھی اور مشکل سے کھدائی ہوتی پھر سرنگ بھی ایسی کھودی جا رہی تھی جس سے سوار تک بآسانی گذر سکیں اور چونکہ اسلامی کیمپ قلعہ سے فاصلے پر پڑا ہوا تھا اس لئے دور تک سرنگ کھد رہی تھی۔ مگر مسلمان ہر غیر ممکن کو ممکن اور ہر دشوار کو سہل بنانے کے عادی تھے اس لئے وہ نہایت استقلال سے کام میں لگے ہوئے تھے اور برابر سرنگ کھود رہے تھے۔ محمد قاسم نے مجاہدین کی آسانی کے لئے یہ حکم دے دیا تھا کہ ایک دن افسر اپنے سپاہیوں سے سرنگ کھدوائے اور دوسرے دن دوسرا افسر اپنے سپاہیوں سے کام کرواتا تھا اور اس طرح سرنگ روز بروز قلعہ کی طرف بڑھتی جاتی تھی۔ جو مٹی سرنگ سے نکلتی تھی اسے کیمپ کے گرد پشتہ بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا ہندو مسلمانوں کو اس طرح پشتہ لگاتے ہوئے دیکھ دیکھ کر ہنستے تھے انکا خیال تھا کہ مسلمان اور کسے قلعہ کے سامنے کچا قلعہ بنا کر بیوقوفی کر رہے ہیں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ سرنگ کھودنے والا دستہ سرنگ کھودتا اور باقی لشکر قلعہ پر حملہ آور ہوتا۔ لیکن یہ حملہ صرف ہندوؤں کو مغالطہ میں ڈالنے کے لئے کیا جاتا تھا۔ اس حملہ سے حقیقی دباؤ مقصود نہ تھا اور اسی لئے صبح سے شام تک مسلمان فصیل سے فاصلے پر کھڑے ہوئے تیر برساتے رہتے اور ہندو بھی جواب میں تیروں۔ برچھوں اور سنگ ریزوں کی بارش کرتے رہتے مطلب یہ تھا کہ اگر مسلمان سرنگ کھودنے میں مصروف رہتے تو اغلب تھا کہ ہندوؤں کو کوئی شبہ گزرتا اور وہ دفعیہ کے لئے کوئی تدبیر اختیار کر لیتے اس لئے برائے نام حملہ بھی کرتے تھے اور سرنگ بھی کھودتے رہتے تھے۔ ایک دن اسلم کے دستہ کا نمبر سرنگ کھودنے کا آگیا۔ وہ اپنے دستہ کو لے کر پہنچ گیا اور کھدائی شروع کرا دی۔

اس کے دستہ میں بدر جمال بھی مقرر کر دیا گیا اور اس لئے اسلم اور بدر جمال دونوں ساتھ ساتھ رہتے تھے جب زوال کا وقت آگیا تو کام بند کر دیا گیا اور سپاہیوں کو کھانا تیار کر کے کھا لینے کی اجازت

دے دی گئی۔ تمام سپاہی کام چھوڑ چھوڑ کر چل دیئے سب کے بعد اسلم اور بدر جمال چلے اور اپنے اپنے اپنے خیمہ پر پہنچ گئے۔

بدر جمال کو محمد قاسم نے ایک غلام دے دیا تھا اور وہی اس کا سب کام کرتا تھا۔ کھانا بھی وہی تیار کرتا تھا۔ جب بدر جمال اپنے خیمہ پر پہنچا تو غلام سے معلوم ہو گیا کہ کھانا تیار ہے اس نے کھانا لانے کا حکم دیا اور خیمہ کے اندر چلا گیا۔ غلام کھانا لے کر اندر داخل ہوا اور بدر جمال کے پاس رکھ کر باہر نکل آیا۔ بدر جمال کبھی کسی کے سامنے کھانا نہ کھاتا تھا۔ چنانچہ غلام کا معمول تھا کہ وہ کھانا رکھ کر چلا آتا اور جب اسے بلایا جاتا تب برتن اٹھا لاتا آج بھی وہ خیمہ سے باہر آ گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بدر جمال نے آواز دی اور وہ برتن اٹھا لایا۔ اب وہ کھانا کھانے لگا۔ ابھی وہ کھا ہی رہا تھا کہ اسلم آ گیا۔ اس نے غلام سے دریافت کیا۔ بدر جمال کھانا کھا چکے ہیں؟ غلام نے جواب دیا۔ جی ہاں۔

اسلم خیمہ کی طرف بڑھنے لگا۔ غلام نے کہا۔ یا سیدی ذرا ٹھہریئے میں آپ کی اطلاع کر دوں۔ اسلم نے کہا اطلاع کی کیا ضرورت ہے؟

غلام۔ میرے آقا کا حکم ہے کہ جب وہ اندر ہوں تو میں کسی کو بغیر اجازت کے اندر نہ جانے دوں بلکہ میں خود بھی نہیں جاتا ہوں پہلے دروازہ کے پاس کھڑا ہو کر اجازت طلب کرتا ہوں۔ جب حکم دیتے ہیں تب اندر جاتا ہوں۔

اسلم نے مسکرا کر کہا۔ میرے لئے اجازت کی ضرورت نہیں ہے تم مجھے بخوبی جانتے ہو۔

غلام۔ جانتا ہوں کہ آپ میرے آقا کے محب صادق ہیں لیکن مجھے ان کے حکم کی تعمیل کرنا بھی تو اشد ضروری ہے۔

اسلم۔ تم اطمینان سے کھانا کھاؤ وہ تم سے ناخوش نہ ہوں گے۔

غلام کھانا کھانے لگا اور اسلم خیمہ کی طرف بڑھا۔ وہ آہستگی سے چلا کہ اس کے پاؤں کی چاپ بھی نہ ہوتی۔ اس نے آہستہ سے خیمہ کے دروازہ پر سے پردہ اٹھایا اور اندر داخل ہو گیا۔ اندر قدم رکھتے ہی وہ آئینہ دار حیران کھڑا بڑی ہی حیرت سے خیمہ کے اندر دیکھنے لگا اس کی حیرت کی یہ وجہ تھی جو کہ اپنے سر کے بال کھولے نہایت اطمینان سے بیٹھی تھی۔ طاہرہ اسلم کو دیکھ کر کچھ ڈر گئی۔ مگر فوراً ہی اس کے نازک لبوں پر تبسم کھیلنے لگا۔ آنکھوں میں چمک پیدا ہو گئی۔ اس نے شیریں لہجہ میں کہا آیئے آپ کھڑے کیوں رہ گئے؟ اب اسلم کی حیرت دور ہوئی اور محبت کا جذبہ عود کر آیا۔ وہ تیزی سے بڑھ کر طاہرہ کے سامنے پہنچا اور اس کے سامنے کھڑا ہو کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔ طاہرہ میری راحت روح!

طاہرہ دلربایانہ انداز سے مسکرا رہی تھی اور ہوشربا نظروں سے اس پر جادوگری کر رہی تھی۔ اس نے کہا۔ ہاں میں ہی ہوں طاہرہ۔ اسلم متحیرانہ نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا تم کب آئیں؟

طاہرہ۔ جب تم نے دیکھا

اسلم۔ بس میں نے تو ابھی دیکھا ہے۔

طاہرہ۔ بس تو سمجھ لیجئے کہ ابھی آئی ہوں۔

اسلم۔ اور بدر جمال۔

طاہرہ۔ وہ باہر گئے ہیں۔

اسلم۔ مگر غلام تو کہتا تھا کہ وہ خیمہ کے اندر ہیں۔

طاہرہ۔ یہاں کہاں ہیں دیکھ لیجئے۔

اسلم۔ لیکن تم میرے پاس کیوں نہیں آئیں،

اس وقت رشک کی علامات اس کے بشرہ سے ظاہر ہونے لگیں۔ طاہرہ نے کہا مجھے معلوم ہی کیا تھا کہ آپ بھی یہاں آئیں؟

اسلم۔ اچھا اب چلیئے۔

طاہرہ۔ چلوں گی ذرا بدر جمال کو آجانے دیجئے۔

اسلم۔ مگر وہ ہیں کہاں؟

طاہرہ نے شوخی سے مسکرا کر کہا۔ باہر ہوں گے تم انہیں دیکھ آؤ میں اتنے میں چوٹی باندھ لوں۔ اچھا کہہ کر اسلم چلا گیا اور خیمہ سے باہر آیا اس نے پہلے ادھر ادھر بدر جمال کو دیکھا۔ جب وہ کہیں بھی نہ ملا تب غلام سے پوچھا بدر جمال تو خیمہ کے اندر نہیں ہیں۔

غلام۔ مگر میں ابھی کھانا کھلا کر آیا ہوں۔

اب اسلم کے دل میں کچھ شبہ ہوا وہ لپک کر پھر خیمے کے اندر گیا دیکھا تو بدر جمال کھڑا مسکرا رہا تھا اور طاہرہ غائب تھی اسلم اسے گھور گھور کر دیکھنے لگا۔ آج اس طرح کیوں گھور رہے ہو تم؟ اب اسلم بڑھ کر اس کے قریب پہنچا اور کہا شریر بدر جمال تم مجھے آج تک فریب دیتے رہے بدر جمال اب بھی مسکرا رہا تھا۔ اس نے کہا دھوکہ یا فریب کیسا ہو گیا آپ سے؟

اسلم۔ یہی کہ تم طاہرہ ہو اور مجھے اور سب کو بدر جمال کے فریب میں ڈال رکھا ہے

بدر جمال نے متعجب ہو کر کہا۔ طاہرہ مگر وہ تو الور کے قلعہ کے اندر ہے۔

اسلم۔ جی نہیں وہ اسی خیمہ کے اندر ہے۔
بدرجمال نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔ کہاں ہے وہ مجھے تو کہیں نظر نہیں آتی۔
اسلم۔ میں دکھا دوں۔
بدرجمال۔ ہاں دکھا دو۔
اسلم نے بڑھ کر بدرجمال کا عمامہ کھینچ لیا۔ عمامہ کھینچتے ہی لمبی لمبی دو زلفیں اس کے سینے پر لہرانے لگیں۔ اسلم نے کہا یہ ہے طاہرہ! بدرجمال حقیقت میں طاہرہ ہی تھی۔ وہ شرما گئی۔ اس کے شرمانے کی ادا اسلم کے دل میں کھب گئی۔ اب جب کہ اس نے بدرجمال کو طاہرہ سمجھ لیا تو اس کے یہ مردانہ پوشاک نہایت ہی بھلی معلوم ہونے لگی۔ طاہرہ نے شرمیلے لہجہ میں کہا یہ کیا کیا تم نے اسلم:۔
اسلم۔ تمہیں طاہرہ کو دکھایا۔ خدا کا شکر ہے تم آگئیں۔
طاہرہ۔ اور خدا کا یہ بھی احسان ہے کہ تم آزاد ہو گئے۔
اسلم۔ بے درد طاہرہ میں صرف تمہاری رہائی کی خاطر اس طرف آیا اور وطن نہ گیا۔ مگر تم اس قدر بے رحم ثابت ہوئیں کہ میرے پاس آکر مجھ سے الگ ہی رہیں ایسا کیوں تم نے؟
طاہرہ نے شرمگیں نظروں سے اسے دیکھ کر کہا اس لئے کہ تم کو آزمانا تھا۔
اسلم۔ آزمائش کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔
طاہرہ نے شرما کر سر جھکاتے ہوئے کہا۔ اگر ضرورت نہ سمجھتی تو میں کیوں اب تک تمہیں مغالطہ میں رکھتی۔ اسلم اس بت ہوشربا کے چاند سے چہرہ پر نظریں جمائے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس نے کہا کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔ طاہرہ نے سر اٹھا کر شوخی کے انداز میں آہستہ سے کہا یہ بات بتانے کی نہیں ہے اسلم نے طاہرہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بٹھاتے ہوئے کہا شوخ طاہرہ بتانی ہوگی۔
اسلم۔ تو بتاؤ۔
طاہرہ۔ اب نہیں۔
اسلم۔ اور کب؟
طاہرہ پھر کسی وقت۔
اسلم۔ اب کیوں نہیں۔
طاہرہ۔ اس لئے کہ سپاہی سرنگ پر جا پہنچے ہوں گے تم اور مجھ کو بھی وہاں پہنچ جانا چاہیئے۔

اسلم۔ تو کیا تم اب بھی بدر جمال بننا چاہتی ہو۔

طاہرہ۔ ہاں

اسلم۔ نہیں تم پہلے بہت کچھ مشقت برداشت کر چکی ہو بس آج ہی محمد قاسم سے تمہاری شرارت بیان کر دوں گا۔

طاہرہ۔ ضرور کہہ دینا۔

وہ مسکرا لگی۔ اسلم نے دریافت کیا۔ مگر کیا؟ طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ یہ تم مجھ سے رشک کیوں کرنے لگے تھے۔ اسلم اس شوخ و شریر کو دیکھتا رہ گیا۔ دیر تک دیکھنے کے بعد کہا۔ کوئی تم سے محبت کرے۔ یہ مجھ سے گوارا نہیں ہو سکتا تھا۔

طاہرہ۔ میں یہی بات معلوم کرنا چاہتی تھی۔

اسلم اب سمجھا۔ اس نے کہا گویا تم میری محبت کا امتحان لے رہی تھیں طاہرہ نے شرما کر کہا۔ ہاں اسلم نے محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ظالم میں زندگی کے آخری سانس تک تجھ سے محبت کروں گا۔

طاہرہ۔ اچھا اب چلئے گا بھی

اسلم۔ نہیں اب تمہیں نہیں جانا چاہیئے۔

طاہرہ۔ مگر تم اور سے کیسے نکل آئیں۔

طاہرہ نے مختصر طور پر تمام داستان سنادی اسلم نہایت توجہ سے بیٹھا سنتا رہا جب سب کچھ سنا چکی تب اس نے کہا کس قدر تکلیفیں برداشت کی ہیں تم نے۔

طاہرہ۔ مگر جس نے ہمیں تکالیف دیں اس ظالم کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

اسلم۔ خدا کا شکر ہے کہ ہم نے انتقام بھی لے لیا اور سب رہا بھی ہو گئے۔

طاہرہ۔ ہاں یہ خدا کا احسان ہے۔

اسلم۔ آج کا دن میری زندگی کا سب سے زیادہ روشن دن ہے۔

طاہرہ نے مسکرا کر اچھا اب آپ تشریف لے جایئے۔

اسلم۔ جی تو نہیں چاہتا لیکن جانا ہی پڑے گا۔

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور خیمہ سے باہر نکل کر سرنگ کی طرف روانہ ہو گیا۔



چونسٹھواں باب ۶۴

محمد قاسم کی حیرت

اسلم کو طاہرہ کو دیکھنے اس سے ملنے اور باتیں کرنے سے بڑی مسرت ہوئی وہ دریائے انبساط میں خوشی کی موجوں کے ساتھ غوطے کھاتا سرنگ کی طرف چلا جا رہا تھا۔ خوشی کے ساتھ ہی اسے رہ رہ کر تعجب ہو رہا تھا کہ شریر طاہرہ نے اسے محمد قاسم کو اور دوسرے مسلمانوں کو کس قدر مغالطہ دیا کوئی بھی اسے پہچان نہ سکا اور کوئی تو کیا پہچانتا۔ خود اسلم ہی نہ پہچان سکا جو کہ عرصہ تک اس کے ساتھ رہا تھا۔ اسے نہ پہچاننے کی کئی وجوہات تھیں ایک تو یہ کہ ان دونوں کو بچھڑے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا۔ دوسرے طاہرہ نے مردانہ لباس پہن رکھا تھا اور اپنی وضع قطع بالکل نوعمر عربی لڑکے کی سی بنا رکھی تھی اور باوجود نازک بدن اور سمتین ہونے کے لڑکوں ہی جیسی چستی اور پھرتی پیدا کر لی اول تو وہ بولتی ہی کم تھی اور بولتی تھی بھی تو آواز بنا کر جس سے اُسے کوئی شناخت نہ کر سکے تیسرے وہ کسی کو اپنے چہرہ کی طرف اچھی طرح دیکھنے کا موقعہ نہ دیتی تھی۔ عمامہ کے اوپر جو رومال ڈالتی تھی اسے سینے تک لٹکا لیتی تھی جس سے اس کے چہرہ کا بیشتر حصہ چھپ جاتا تھا۔ نگاہ جھکا کر باتیں کرتی تھی۔ کسی کو آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتی تھی۔ یہ وجوہات تھیں جن سے کوئی اسے نہ پہچان سکا اور وہ عرصے تک خود کو چھپائے رکھنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسلم مسرت کی دنیا میں ہچکولے کھاتا ہوا برابر بڑھا چلا جا رہا تھا وہ سرنگ کے پاس پہنچ کر رک گیا اور بقیہ دن کام میں مصروف رہا۔ عصر کی نماز پڑھ کر جب وہ لوٹ رہا تھا تو محمد قاسم مل گیا۔ اس نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ آج کیا بات ہے اسلم تم بہت ہی خوش نظر آتے ہو کیا سرنگ حد اختتام تک پہنچ گئی۔ اسلم رک کر محمد قاسم سے مخاطب ہو گیا۔ اس نے کہا۔ نہیں ابھی سرنگ کی کھدائی باقی ہے۔

محمد قاسم۔ پھر تمہاری مسرت کی کیا وجہ ہے۔

اسلم۔ طاہرہ آگئی ہے۔

محمد قاسم نے چونک کر اسلم کو دیکھا اور حیرت بھرے لہجہ میں کہا۔ طاہرہ آگئی ہے خدا کا شکر ہے کب آئی وہ!

اسلم۔ اسے آئے ہوئے تو عرصہ ہو گیا ہے مگر ظاہر آج ہوئی ہے۔

محمد قاسم۔ عجیب بات کہہ رہے ہو اگر اسے آئے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا تو پھر وہ کہاں رہی؟

اسلم۔ اسلامی لشکر میں آپ کی اور میری نظروں کے سامنے۔

محمد قاسم۔ حیرت پر حیرت ہے گو یا تم اور میں اسے پہچان نہ سکے۔

اسلم۔ جی ہاں

محمد قاسم نے مسکرا کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے تم کو بہکا دیا ہے۔

اسلم۔ جی نہیں حقیقت میں اس نے ہم دونوں کو دھوکہ دیا

محمد قاسم۔ ناممکن ہے کہ وہ ہمیں دھوکہ دے سکتی

اسلم۔ آپ نے بدر جمال کو دیکھا ہے۔

محمد قاسم۔ اچھی طرح سے وہ نہایت پرجوش مجاہد ہے۔

اسلم نے ہنستے ہوئے کہا مجاہد نہیں مجاہدہ! محمد قاسم نے حیران ہو کر اسلم کو دیکھتے ہوئے کہا۔ مجاہدہ؟

اسلم۔ جی ہاں وہ بدر جمال نہیں بلکہ طاہرہ تھی۔

محمد قاسم فرط حیرت سے اسلم کو دیکھتا رہ گیا دیر کے بعد بولا طاہرہ تھی؟ نہیں۔ بدر جمال طاہرہ نہیں ہو سکتا۔

اسلم۔ مگر یہ حقیقت ہے۔

محمد قاسم۔ جب تو بڑے حیرت کی بات ہے میں نے اسے لڑتے ہوئے دیکھا ہے لڑکیاں اس جوش سے نہیں لڑ سکتیں جس طرح سے وہ لڑتا تھا۔

اسلم۔ حیرت کی بات یہی ہے۔

محمد قاسم۔ تمہیں کیسے اس کی حقیقت کھلی۔

اسلم نے تمام کیفیت اپنے جانے اور اتفاقیہ خیمے میں گھسنے اور طاہرہ کو بیٹھے دیکھنے وغیرہ کی بیان کی محمد قاسم کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے کہا بڑی بہادر لڑکی ہے۔

اسلم۔ کیوں نہ ہو وہ ایک مسلم دوشیزہ ہے مسلمان مرد ہو یا عورت لڑکا ہو یا لڑکی سب بہادر ہوتے ہیں۔

محمد قاسم۔ تم سچ کہتے ہو چلو میں اس بہادر مگر شریر لڑکی کو ضرور ملوں گا۔

اسلم۔ آیئے۔

دونوں اس خیمہ کی طرف چلے جس میں بدر جمال یا طاہرہ رہتی تھی۔ چونکہ محمد قاسم کو حیرت تھی اس لئے وہ خاموش تھا اور اسے دیکھ کر اسلم بھی خاموش تھا۔ جب دونوں اس خیمے پر پہنچے تو انہوں نے غلام کو دیکھا وہ دوڑ کر ان کے پاس آیا۔ اسلم نے دریافت کیا کیا بدر جمال خیمہ کے اندر موجود ہیں۔ غلام نے کہا جی ہاں اندر ہی ہیں آج وہ نماز کے لئے بھی باہر نہیں نکلے۔

اسلم۔ انہوں نے خیمہ ہی میں نماز پڑھ لی ہو گی۔

غلام۔ کیوں خدانخواستہ کچھ ان کی طبیعت ناساز ہے۔

اسلم۔ نہیں وہ بالکل اچھے ہیں۔

یہ کہہ کر وہ بڑھا۔ محمد قاسم بھی ساتھ چلا اور دونوں خیمہ کے قریب پہنچے محمد قاسم نے اسلم سے کہا اس بیچارے غلام کو ابھی تک یہی مغالطہ ہے کہ بدر جمال خیمہ کے اندر ہے۔

اسلم۔ جی ہاں۔

اب دونوں خیمہ کے اندر داخل ہوئے طاہرہ زنانہ لباس پہنے وہ بھی حسین تھی کمال خوب صورت معلوم ہوتی تھی۔ جونہی اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو اسے اسلم اور محمد قاسم آتے ہوئے دکھائی دیئے وہ سمٹ کر بیٹھ گئی اس کی دلفریب نگاہیں فرط حیا سے جھک گئیں۔ محمد قاسم اسے دیکھ کر حیران رہ گیا اور اسی عالم میں بڑھ کر اس کے قریب پہنچا اور اسلم کے ساتھ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ وقفہ کے بعد جب حیرت ذرا کم ہوئی۔ تب اس نے کہا۔ طاہرہ خدا کا شکر و احسان ہے کہ تم بھی آزاد ہو کر مسلمانوں میں آگئیں اب سراندیپ مسلمانوں میں سے کوئی بھی قید میں نہیں رہا ہے یہ تو تم نے شرارت کی کیوں اب تک بدر جمال بنی رہی؟ طاہرہ نے شرمیلے انداز سے دیکھتے ہوئے کہا۔ میں جس لباس میں الور سے چلی تھی اسی لباس میں دریائے مہران (سندھ) کے کنارے پر پہنچی اس وقت آپ کشتیوں کا پل بنا کر اسے تیرا کر کنارے سے لگانا چاہتے تھے۔ ہندو مزاحمت پر آمادہ تھے میں نے انہیں تیر برسا کر اپنی طرف متوجہ کرنا چاہا تھا۔

محمد قاسم۔ میں نے اور صرف چند مسلمانوں نے تم کو اس وقت دیکھ لیا تھا

طاہرہ۔ میں سمجھ گئی تھی مجھے جوش جہاد تھا میں لڑنا چاہتی تھی مجھے خیال ہوا کہ اگر میں نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا تو اس آسانی سے شریک نہ ہو سکوں گی جس سے بدر جمال بن کر ہو سکتی ہوں۔ اس لئے میں بدر جمال بنی رہی۔

محمد قاسم۔ اور نہایت جوش سے لڑتی رہی۔

طاہرہ۔ جی ہاں جس قدر طاقت نے اجازت دی لڑی۔

محمد قاسم۔ جزاک اللہ مسلم لڑکیوں میں ایسا ہی جوش ہونا چاہیئے مگر تم رہا کیسے ہوئیں۔

طاہرہ۔ اور کے وزیر اعظم سیساگر کو مجھ پر رحم آگیا انہوں نے مجھے رہا کیا۔ کپڑے فراہم کئے میں نے سیٹے ان کے آدمیوں کے ساتھ دریائے مہران (سندھ) تک بحفاظت آئی۔

محمد قاسم۔ تم کو رہا کر کے سیساگر نے مسلمانوں پر بڑا احسان کیا ہے میں آج تمام لشکر میں اعلان کرا دوں گا کہ الور میں داخلہ کے وقت کوئی اسے گزند نہ پہنچائے۔ بلکہ جس طرف وہ اشارہ کر دے اسے بھی امن دیا جائے!

طاہرہ۔ آپ کی بڑی مہربانی ہو گی۔

محمد قاسم۔ میرے کوئی بہن نہیں ہے طاہرہ

طاہرہ۔ اور میں بڑے فخر سے آپ کی بہن بننا پسند کروں گی۔

محمد قاسم۔ بس تو آج سے میری بہن ہے میں خدا کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے شیر دل اور بہادر بہن عطا کی۔

طاہرہ۔ اور میں بھی خدا کی مشکور ہوں کہ اس نے مجھے ایسا بہادر بھائی دیا جس کی شجاعت و بسالت کی دھوم دنیا بھر میں ہو گئی ہے جو فاتح اعظم اور فاتح سندھ ہے جس کی دھاک تمام ہندوستان پر بیٹھ گئی ہے۔

محمد قاسم۔ اچھا اب بہن کو بھائی کے خیمے پر چلنا چاہیئے۔

طاہرہ۔ بڑی خوشی سے اگر کہو تو بدر جمال ہی بن کر چلوں؟

محمد قاسم۔ جیسے تمہاری خوشی۔

طاہرہ نے اٹھ کر کپڑے نکالے اور ایک طرف جا کر بدلے وہ پھر بدر جمال بن گئی۔ دونوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور اس کے ساتھ ہی خیمہ سے باہر نکل کر محمد قاسم کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئے۔

پینسٹھواں باب ۶۵

حیرت زدہ رانی

جب یہ تینوں محمد قاسم کے خیمہ پر پہنچے تو انہوں نے خیمے کے اندر رانی لادی کو بیٹھے ہوئے دیکھا۔ لادی نے خود ہی اپنا خیمہ محمد قاسم کے خیمہ کے پاس نصب کرایا تھا اور رانیوں کے خیمے لادی کے خیمہ کے دوسری طرف تھے اکثر لادی محمد قاسم کے خیمہ پر آجاتی تھی الور کی فتح کے متعلق مشورے دیا کرتی تھی لیکن اسے یہ خبر نہ تھی کہ محمد قاسم سرنگ کھود وا رہا ہے جب سے قلعہ والوں نے لادی کی تذلیل کی تھی۔ اس وقت سے محمد قاسم کو اس سے زیادہ ہمدردی ہوگئی تھی اور قلعہ والوں کی بدتہذیبی پر غصہ آرہا تھا۔ لادی کو اس بات کا خیال تھا کہ اس کی قوم نے اس کی توہین کی تھی یہ دوسری بات تھی کہ وہ اس کی بات نہ مانتے لیکن اسے برا کہنا اور گالیاں دینا انسانیت اور شرافت کے خلاف تھا۔ لادی کو اس بات کا بڑا رنج تھا لیکن محمد قاسم اس کی تسلی کر کے اس کا غم غلط کرنے کی سعی کر رہا تھا۔ لادی نے جب ان تینوں کو آتے ہوئے دیکھا تو سنبھل کر بیٹھ گئی۔ وہ اپنے مخصوص قومی لباس میں تھی۔ نفیس شلوار اور عمدہ ساڑھی زیب تن کئے تھے۔ دسیوں چمکدار موتیوں کے ہار تھے۔ جو کہ اس نے پہن رکھے تھے ان ہاروں نے اس کی صورت کو چاند کی طرح جگمگا رکھا تھا۔ یہ تینوں اس کے قریب جا کر بیٹھ گئے۔ محمد قاسم نے مسکراتے ہوئے لادی سے کہا۔ یہ بدر جمال تم سے ملنے کے لئے آئے ہیں۔ لادی نے بدر جمال کو دیکھتے ہوئے کہا۔ جی مجھ سے ملنے کیوں آئے ہیں؟

محمد قاسم۔ انہیں تم سے بڑی شکایت ہے۔

لادی نے چونک کر کہا مجھ سے شکایت ہے؟ کیا

محمد قاسم۔ کہتے ہیں کہ جب میں الور میں تھا تو رانی مہربانی کرتی تھیں اور اب یہاں بے مروت بن گئی ہیں۔

لادی نے حیران ہو کر بدر جمال کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہا تھا اور رانی نے کہا۔ الور میں گئے کب تھے ؟ بدر جمال نے آواز بنا کر کہا۔ ابھی سے بھول گئیں رانی جی یہی تو میں کہہ رہا تھا۔ رانی حیرت بھری نظروں سے بدر جمال کو دیکھ رہی تھی اس نے کہا۔ مجھے یاد نہیں پڑتا کہ میں نے تم کو کبھی الور میں دیکھا ہے۔

بدر جمال۔ اگر مجھے خیال ہوتا کہ تم مجھے اس قدر جلد بھول جاؤ تو . . .

وہ ہنس کر خاموش ہو گیا۔ لادی کی حیرت دم بدم بڑھتی جاتی تھی۔ اس نے کہا تم الور گئے کب تھے ؟ بدر جمال نے ہنستے ہوئے کہا اور تم نے اپنی ساڑھی کسے پہنائی تھی اور کسے اپنے زیورات پہننے کو دیئے تھے ؟

لادی۔ تمہیں دیئے تھے؟

بدر جمال۔ اور کسے

لادی ۔ طاہرہ کو دیئے تھے

بدر جمال اور وہ طاہرہ کون تھی ؟

لادی نے کمال حیرت سے اسے دیکھ کر کہا۔ تم طاہرہ تھے تم . . .

بدر جمال طاہرہ تھے۔ تم طاہرہ بن کر میرے پاس رہے ؟ نہیں ہرگز نہیں تم طاہرہ نہیں تھے ؟

محمد قاسم، اسلم اور بدر جمال تینوں مسکرا رہے تھے۔

بدر جمال۔ اب تم مکر جاؤ تو اس کا کیا علاج

لادی۔ میں طاہرہ کو پہچانتی ہوں تم طاہرہ نہیں البتہ اس کے بھائی ہو سکتے ہو۔ اب بدر جمال نے رومال اور عمامہ سر سے کھینچ لئے۔ لادی نے اسے دیکھا وہ اس کے قریب ہو کر اس سے لپٹ گئی۔ اس نے کہا میں دھوکہ میں رہی تم طاہرہ ہو شریر طاہرہ طاہرہ مسکرا رہی تھی۔ فردوسی حوروں کی طرح اس کے نازک لبوں پر تبسم پھیل رہا تھا۔ آنکھیں چمک رہی تھیں اور رخساروں سے بجلیاں نکل رہی تھیں۔ جب پیچھے ہٹ کر بیٹھی اور اسے مسرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی تب طاہرہ نے کہا بے وفا رانی اس قدر جلد بھول گئیں تم مجھے ؛

لادی۔ میں تجھے عمر بھر نہیں بھلا سکتی۔ مگر تم نے تو لڑکا بن کر ہم سب کو فریب میں ڈالا۔

اب مغرب کی اذان ہو گئی۔ محمد قاسم اسلم دونوں نماز پڑھنے کے لئے چلے گئے۔

طاہرہ نے خیمہ کے اندر ہی نماز پڑھ لی۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئی تب لادی نے اسے خوب بھینچ بھینچ کر اپنے سینے سے لگایا اور کہا۔

طاہرہ مجھے تیرا بڑا خیال تھا۔ میں نے سیلاگر سے دریافت کیا تھا انہوں نے بتایا تھا کہ وہاں سے چلی گئی ہے اور انہوں نے تجھے رہا کیا ہے لیکن کہاں گئی یہ وہ بھی نہ بتا سکے تھے۔

طاہرہ۔ انہیں بتانا بھی نہ چاہیئے تھا۔

لادی۔ کیوں؟

طاہرہ۔ اول تو خود انہیں بھی خبر نہ تھی کہ میں کہاں ہوں دوسرے ممکن تھا کہ تم راجہ داہر سے کہہ دیتیں اور وہ کسی مصیبت پھنس جاتے۔

لادی۔ میں ایسی بیوقوف نہ تھی طاہرہ

طاہرہ۔ تم تو بے وقوف نہ تھیں لیکن داہر تو بڑا چالاک تھا۔

لادی۔ اس کی چالاکی نے ہی ملک کو تباہ شہروں کو ویران اور آبادیوں کو تاراج کر دیا۔

طاہرہ۔ یہ بالکل درست ہے۔

لادی۔ خدا کا شکر ہے کہ تم مل گئیں۔

طاہرہ نے حیرت سے لادی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ خدا کا شکر ہے کہ تم خدا کی قائل ہو گئیں۔

لادی۔ یہ تمہاری قوم میں آنے کا اثر ہے۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا یا ان کی صحبت کا اثر ہے جنہیں تم یاد کیا کرتی تھیں۔

لادی نے شوخ و شریر طاہرہ کو دیکھ کر کہا۔ اچھا طاہرہ! اب تم چھیڑ خانی بھی کرنے لگی ہو۔

طاہرہ۔ اب تم تو ایسا ہی کہو گی۔

لادی۔ کیوں؟

طاہرہ۔ اس لئے کہ میری سفارش کی ضرورت نہ رہی۔

لادی۔ کیسی سفارش

طاہرہ۔ وہ باتیں یاد ہیں جو الور میں کی گئی تھیں۔

لادی۔ یاد ہیں۔

طاہرہ ۔ محمد قاسم نے تمہیں اپنے پاس رکھنا منظور کر لیا۔

لادی شرما گئی ۔ طاہرہ نے کہا۔ شرمانے کی سند نہیں بتا دیجئے اگر منظور نہ کیا ہو تو میں سفارش کر دوں گی ۔

لادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ تمہاری سفارش سے کیا ہو گا ۔

طاہرہ نے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ انہیں منظور کرنا ہو گا ۔

لادی ۔ زبردستی بھی !

طاہرہ ۔ ہاں میرا کہنا نہیں ٹال سکتے

لادی ۔ شاید وہ تم سے محبت کرتے ہیں ۔

اب طاہرہ شرما گئی ۔ اس نے شرمیلی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ پھر وہ تمہاری بات کیوں مان لیں گے ۔

طاہرہ ۔ اس لئے کہ انہوں نے مجھے اپنی بہن بنا لیا ہے ۔

لادی ۔ جب تو بے شک اس پر تمہارا حق ہے ۔

طاہرہ ۔ بشرطیکہ تم باقی رہنے دو گی ۔

لادی نے ہوشربا نگاہوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ۔ میں تو یہ چاہتی ہوں کہ تم ہر وقت میرے پاس رہو ۔

طاہرہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا اور تم ہر وقت کس کے پاس رہو گی ۔

لادی ۔ تیرے

طاہرہ ۔ نہیں ان کے جنھیں تم یاد کیا کرتی تھیں ۔

لادی ۔ یہ تو اور بھی اچھا ہے کہ بہن اور بھائی دونوں ہی میرے پاس رہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

طاہرہ ۔ مگر کیا ؟

لادی ۔ یہ اسلم تمہیں گھور گھور کر کیوں دیکھ رہے تھے ۔

طاہرہ شرماتے ہوئے خاموش ہو گئی ! لادی نے کہا ۔ طاہرہ بتاؤ ! طاہرہ نے شرمیلے انداز سے کہا ۔ میں کیا بتاؤں یہ بات تو ان سے ہی پوچھنے کی ہے ۔

لادی ۔ ہاں ان سے ہی پوچھوں گی ۔ انہیں اس طرح تیز نظروں سے تجھے دیکھنے کا کوئی حق نہ

طاہرہ مسکرانے لگی۔ لادی بھی ہنسنے لگی۔ اس عرصے میں محمد قاسم اور اسلم دونوں آ گئے لادی نے چپکے سے طاہرہ سے کہا کیا اب دریافت کروں۔

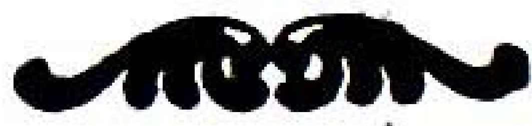
طاہرہ نے آہستہ سے کہا۔ اب نہیں محمد قاسم نے دونوں کو آہستہ آہستہ باتیں کرتے دیکھا۔ اس نے لادی سے دریافت کیا! کیا باتیں ہو رہی ہیں؟ طاہرہ کو خوف ہوا کہ لادی اسلم سے کچھ پوچھ نہ بیٹھے۔ وہ خوف زدہ نظروں سے اُسے دیکھنے لگی۔ اس نے کہا طاہرہ کو میں اپنے خیمہ میں رکھنا چاہتی ہوں اگر آپ اجازت دیں۔

محمد قاسم: نہایت مناسب ہے۔

لادی: اچھا تو ہم دونوں کو اجازت دیجئے۔

محمد قاسم۔ ہاں جاؤ آرام کرو

دونوں اٹھیں اور خیمہ سے باہر نکل کر لادی کے خیمہ کی طرف روانہ ہوئیں!!



چھیاسٹھواں باب ۶۶

"فتح عظیم"

سرنگ برابر تیار کی جا رہی تھی۔ محمد قاسم روزانہ سرنگ کے اندر گھس کر اس معائنہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے ایک دن اپنے لشکر سے قلعہ تک کا فاصلہ ناپ لیا تھا اور قلعہ کے اندر کا حال رانی لاڈی سے معلوم کر کے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ فصیل سے آگے اس قدر اور کھودنے سے قلعہ کے اندر سرنگ پہنچ جائے گی۔ چنانچہ چند دن کے بعد اس نے سرنگ کی پیمائش کی تو اس کے اندازہ کے مطابق کھد چکی تھی۔ اب اس نے کھدائی ملتوی کرا دی اور رات رات ہوئی تو صرف تنو آدمیوں کو سرنگ کے اندر گھسا دیا اور انہیں ہدایت کر دی کہ زمین کو برما سے سوراخ کر دیں تاکہ اس میں سے سپاہی نکل نکل کر قلعہ کے اندر پہنچ سکیں۔ تنو مجاہدین عشاء کی نماز پڑھ کر کچھ موم بتیاں روشن کر کے سرنگ گھس گئے اور انہوں نے سرنگ کے آخری کنارے پر پہنچ کر زمین کو برما سے سوراخ کرنا شروع کیا۔ جو مٹی وہاں سے نکلتی تھی اسے فوراً وہاں سے اٹھ کر کیمپ سے باہر پھینکا جاتا تھا۔ آدھی رات تک اتنا سوراخ کر لیا گیا۔ جس میں سے چار آدمی بفراغت نکل کر قلعہ میں جا سکیں۔ چنانچہ چار آدمیوں نے جا کر محمد قاسم کو اطلاع دی اس وقت محمد قاسم جاگ رہا تھا اور قرآن مجید کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس نے آدمیوں کو دیکھتے ہی تلاوت بند کر دی اور قرآن شریف کو جزدان میں بند کر کے رکھ دیا تمام ہتھیار لگائے اور خیمہ سے باہر نکلا۔ اسلامی لشکر میں بھی زیادہ آدمی سو رہے تھے بہت کم جاگ رہے تھے یا نماز پڑھ رہے تھے یا قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ محمد قاسم نے اسلم۔ عبدالرحمٰن محاشع۔ ذکران۔ نباتہ۔ سفیان الابرک اور خریم کو بلا بلا کر حکم دیا کہ وہ اپنے اپنے دستہ کے سپاہیوں کو لے کر سرنگ کے دہانہ پر پہنچیں۔

چنانچہ تمام سردار جلد جلد مسلح ہو ہو کر اپنے اپنے دستوں کو لے کر سرنگ کی طرف چلے۔

محمد قاسم چاہتا تھا کہ رانی لادی بھی ہمراہ چلے تاکہ وہ قلعہ کے اندر پہنچ کر ان کی رہنمائی کرے وہ لادی کے خیمہ پر پہنچا اور خیمے کے باہر کھڑا ہو کر سوچنے لگا کہ اندر جائے یا نہیں۔

دیر تک کھڑا اس بات کو بغور سوچتا رہا۔ آخر اس نے پردہ اٹھایا اور خاموشی سے داخل ہوا۔ لادی کے خیمہ میں تمام رات روشنی رہتی تھی۔ چنانچہ اب بھی روشنی ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ طاہرہ اور لادی دونوں ایک ہی مسند پر ایک ہی شال اوڑھے پڑی سو رہی تھیں۔ دونوں کے چہرے کھلے ہوئے تھے اور روشنی میں جگمگا رہے تھے۔ محمد قاسم انہیں اس عالم میں ایک ہی نظر دیکھ کر واپس لوٹ آیا تو اسے لادی کو جگانے کی ہمت نہ ہوئی یا اس نے مناسب نہ سمجھا۔ وہاں سے آتے ہی اپنے دستہ کو لے کر سرنگ پر پہنچا اور سب سے پہلے خود اس میں داخل ہوا۔ اس کے پیچھے تمام سردار چلے اور انکے بعد عام سپاہیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ چونکہ سرنگ میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ اس لئے کچھ نظر نہ آتا تھا۔ تمام لوگ ٹٹول ٹٹول کر بڑھ رہے تھے۔ سب سے پہلے محمد قاسم اور دوسرے سردار سرنگ کے آخری کنارے پر پہنچے اور سوراخ میں سے نکل کر قلعہ میں پہنچ گئے۔ انہوں نے نظریں اٹھا کر دیکھا۔ یہ جگہ جہاں سے وہ نکلے ایک مختصر سا کوچہ تھا۔ ان کے سامنے دونوں طرف عمارتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ چاندنی رات تھی اور چاند نہایت آب و تاب سے نکلا ہوا تھا۔ اور یہ لوگ سوراخ سے نکل نکل کر عمارتوں کے سائے میں کھڑے ہونے لگے۔ جب چاند ڈھل گیا اور صبح کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ تب محمد قاسم نے ہر سردار کو اپنے اپنے دستہ کے ساتھ فصیل کے زینوں پر کھڑا ہونے کا حکم دیا اور خود اپنا دستہ لے کر دروازہ کی طرف چلا!

اسلم، اور ذکوان ایک زینہ کے سامنے جا کھڑے ہوئے اور نبانہ اور عبدالرحمن دوسرے زینہ پر ڈٹ گئے۔ سفیان الابرک اور مجاشع وہیں رہ گئے۔ تقریباً چار ہزار مسلمان قلعہ کے اندر آچکے تھے۔ جس وقت محمد قاسم دروازہ کے قریب پہنچا۔ تو اس نے اللہ اکبر کا پر شور نعرہ لگایا اس کے لشکر نے نعرہ کی تکرار کی۔ تمام مسلمانوں نے اس نعرہ کو سنا انہوں نے بھی جو جہاں تھا اللہ اکبر کا پر نعرہ بلند کیا۔ اس ہیبت ناک نعرہ کی آواز سکت قلعہ کو توڑتے ہوئے اور عمارتوں کے در و دیوار سے صدائے بازگشت پیدا کرتی ہوئی بلند ہوئی۔ ہندو اس آواز کو سن کر چونک پڑے ابھی وہ اپنے بستروں پر ہی دراز تھے کہ انہوں نے متواتر پر شور نعروں کی آوازیں سنیں وہ جلدی جلدی اٹھے گھروں سے نکلے اور خوف زدہ نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ فصیل کے اوپر جو ہندوؤں کا لشکر تھا اس نے بھی نعروں



دیکھا وہ انہیں حد درجہ کم دیکھ کر بھول گئے اور انہوں نے بھی نہایت شدومد سے حملے شروع کر دیئے انہیں خیال ہوا کہ وہ مٹھی بھر مسلمانوں کو یا تو قتل کر ڈالیں گے یا انہیں ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کر دیں گے۔ لیکن مسلمان ایسے جوش اور غضب سے بھرے ہوئے تھے کہ بہادر سے بہادر ہندو بھی ان کی طرف دیکھنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا اور اگر کوئی اجل رسیدہ کسی مسلمان کی طرف بڑھتا بھی تھا تو مسلمان کی تلوار اس کا فیصلہ کر دیتی تھی۔ ہندو قتل ہو رہے تھے مگر ہمت نہ ہارے تھے فتح قریب کے خیال سے بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ ہر مسلمان شیر بن گیا اور جھپٹ جھپٹ کر حملے کرتا تھا اور ہر حملہ میں کم سے کم ایک ہندو کو ضرور مار ڈالتا تھا۔ اکا دکا مسلمان بھی شہید ہو جاتا تھا۔ لیکن اس وقت جبکہ کسی ایک مسلمان کو چاروں طرف سے گھیر کر ہندو تلواروں کی بارش کر دیتے تھے یا کوئی مسلمان کسی ہندو پر حملہ کرتا تھا اور کوئی ہندو پیچھے سے آکر حملہ کر کے اسے شہید کر ڈالتا تھا۔ لیکن عام مسلمان شہیدوں کا انتقام لینے کے ہندوؤں کی صفوں پر ٹوٹ پڑتے تھے اور جب تک اس صف کو الٹ نہ دیتے تھے۔ اس وقت تک آرام سے نہ بیٹھتے تھے۔

محمد قاسم دروازے پر پہنچ کر محافظوں سے جنگ کر رہا تھا۔ قلعہ کے چار دروازے تھے اور چاروں دروازوں پر دو ہزار سپاہی متعین تھے اور محمد قاسم کے پانچسو سپاہی دو ہزار ہندوؤں سے مصروف جنگ ہو گئے تھے اور سب کے سب گویا موت کی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ہر مجاہد نہایت جوش اور بڑے حوصلہ سے جنگ کر رہا تھا۔ لیکن محمد قاسم جنگ کا دیوتا بن گیا تھا۔ اس کی تلوار ہر اس آدمی کو مار ڈالتی تھی جس پر کہ وہ بلند ہوتی تھی۔ جس ہندو کے وہ تلوار مارتا تھا۔ سر کاٹ کر حلق چیرتے ہوئے سینہ تک اتر جاتی تھی۔ اس نے بیسیوں ہندوؤں کو مار ڈالا تھا۔

جوں جوں وہ قتل کرتا جاتا تھا۔ اس کے قتل کرنے کی حرص بڑھتی جاتی تھی۔ جس جوش و خروش سے وہ لڑ رہا تھا اسی طرح سے ہی اس کے دستہ کا ہر سپاہی جنگ کر رہا تھا۔ جس وقت آفتاب ذرا اور بلند ہوا اس وقت اس نے تقریباً ایک ہزار ہندوؤں کو مار ڈالا تھا۔ باقی ماندہ ہندوؤں نے یہ کیفیت دیکھ کر ہتھیار ڈال دیئے۔ غازیان اسلام انہیں گرفتار کرنے لگے اور محمد قاسم نے دس آدمیوں کو ساتھ لے کر دروازہ کھول دیا۔ دروازہ کو کھلا ہوا دیکھتے ہی تمام مسلمان اپنے اپنے گھوڑے لے کر اور قلعہ میں گھستے ہی غضب سے بھر پور کر حملے کرنے لگے ان تازہ دم مسلمانوں نے ہندوؤں کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور نرم چارہ کی طرح

کاٹنا شروع کر دیا۔ ان کے آتے ہی تمام مسلمانوں کی ہمتیں بند ھ گئیں اور انہوں نے ہر محاذ پر سنبھل کر حملہ کر دیا اور مار دھاڑ شروع کر دی۔ جنگ کی آگ اس تیزی سے روشن ہوئی کہ اس کے شعلے تمام قلعہ میں بھڑک اٹھے۔ ہر جگہ خونریزی ہونے لگی۔ ہاتھوں۔ پیروں۔ سروں اور دھڑوں کے جگہ جگہ انبار لگ گئے۔ خون ندی کے پانی طرح بہنے لگا۔ چونکہ اب قلعہ میں آٹھ ہزار مسلمان آ گئے تھے۔ اس لئے سارے پھیل کر بڑے جوش سے لڑ رہے تھے۔ ہندو بھی اپنے مقدور بھر کوشش کر رہے تھے۔ طیش میں آ آ کر حملے کرتے تھے۔ مگر مسلمان جب ان کے حملوں کو روک کر خود حملے کرتے تھے تو دور تک لاشیں بچھاتے چلے جاتے تھے۔

اب دوپہر ہو گیا تھا اور دھوپ ہر طرف اور ہر جگہ پھیل گئی تھی۔ گرمی بڑھ گئی تھی۔ محمد قاسم بھی اب واپس لوٹ آیا تھا اب وہ ہندوؤں کے ہر گروہ پر حملہ کر کے اسے ختم کرتا ہوا قلعہ کے وسط کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جب وہ قلعہ کے درمیان پہنچا تو اس نے تقریباً دس ہزار ہندوؤں کو ایک ہزار مسلمانوں سے مصروف پیکار پایا۔ اس نے معہ اپنے دستہ کے پر زور حملہ کر دیا اور سرفروش ہندوؤں کو کھیتی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔

ہر مسلمان نے اس قدر خونریزی کی تھی کہ خون کے چھینٹے کپڑوں پر پڑ پڑ کر جم گئے تھے۔ جو گوشت کے لوتھڑے معلوم ہونے لگے تھے۔ ابھی ان دس ہزار ہندوؤں سے زیادہ سے زیادہ تین ہزار مارے گئے تھے کہ ان کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے ہتھیار ڈال کر الامان الامان چلانا شروع کر دیا۔ مسلمانوں نے فوراً شمشیر زنی موقوف کر دی اور انہیں اسیر کرنے لگے۔

جب قلعہ کے تمام ہندوؤں نے یہ کیفیت دیکھی تو ان کی ہمتیں بھی سلب ہو گئیں اور انہوں نے بھی ہتھیار ڈال دیئے۔ مسلمانوں کا خیال تھا کہ راور کا قلعہ بچانے کے لئے ہر ہندو کٹنے مرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ ابھی ان کی تعداد زیادہ قتل نہ ہوئی تھی کہ انہوں نے ہتھیار ڈالنا شروع کر دیئے۔ چونکہ مسلمانوں کا قاعدہ رہا ہے کہ وہ لڑنے والوں سے لڑتے ہیں اور جو ہتھیار ڈال دیتے ہیں ان کے اوپر تلوار نہیں اٹھاتے۔ اس لئے تمام مسلمانوں نے خونریزی بند کر دی۔ اور تلواروں کو میانوں میں ڈال ڈال کر ہندوؤں کو اسیر کرنا شروع کر دیا۔ اس طرح سے مغرور راجہ داہر کا دارالسلطنت بھی مسلمانوں کے قبضہ میں آ گیا۔

ستڑسٹھواں باب ۶۷

حسرتناک انجام

یہ سن کر کہ راجہ داہر کو مسلمانوں نے قتل کر دیا ہے رانی ماٹی فرطِ غم والم سے بے ہوگئی سے ہوش ہوگئی تھی۔ جب اسے ہوش آیا تو اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ اس وقت اس کے گرد بڑے بڑے افسر۔ ٹھاکر۔ راؤنت اور دوسرے معزز لوگ کھڑے تھے۔ انہیں بھی راجہ داہر کے مارے جانے کی خبر سن کر بڑا صدمہ ہوا تھا اور رانی کے غم وحسرت نے ان کے صدمہ کو اور بڑھا دیا تھا۔ ماٹی نے غم وحسرت بھری نظروں سے ان سب کو دیکھ کر کہا۔ ہند کے جاں نثار فرزندو تمہارا راجہ مار ڈالا گیا ہے۔ مسلمانوں نے قلعہ کا محاصرہ کر لیا ہے کیا تم راجہ کا انتقام لینے اور اپنے ملک کو چنڈال مسلمانوں کے بچانے کے لئے لڑو گے ؟ یا قلعہ کا دروازہ کھول کر اپنی راجدھانی مسلمانوں کے حوالہ کر دو گے۔ تمام لوگوں نے جوش وخروش سے کہا نہیں ہم لڑیں گے اور آخری دم تک لڑیں گے۔ ماٹی خوش ہو گئی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں اس نے کہا بہادر ایسے ہی ہوتے ہیں سنو اگر تم نہ لڑے اور اس قلعہ کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیا۔ تو وہ تمہاری عورتوں اور لڑکیوں کو اپنی کنیزیں اور تمہارے لڑکوں کو غلام بنا لیں گے۔ ایک غیرت مند شخص کبھی اس بے عزتی کو برداشت نہیں کر سکتا۔ تم سب فصیل پر پھیل جاؤ اور مسلمانوں سے آخری دم تک لڑو۔ میں چاہتی ہوں کہ قلعہ کا ہر ہندو جوان ہتھیار بند ہو کر مسلمانوں کا مقابلہ کرے۔ سب جوش میں آکر کہا۔ ایسا ہی ہو گا۔ رانی چلی گئی اور ہندوؤں نے تمام قلعہ والوں کو رانی کا حکم سنا دیا۔ ہر ہندو ہتھیار باندھ کر لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا تھا اور اس طرح پندرہ ہزار لشکر بڑھ کر چالیس ہزار ہو گیا۔ مگر جب مسلمانوں نے سرنگ میں سے نکل کر اچانک حملہ کیا۔ تو ہندو بوکھلا گئے۔ لیکن پھر بھی وہ لڑے۔ لیکن بدقسمتی سے ان کا مقابلہ ہوا۔ اس مسلم قوم سے جس کی بہادری کی دنیا بھر میں دھاک تھی۔ چنانچہ انہوں نے شکست کھائی اور بالآخر لڑائی کا انجام اپنی موت سمجھ کر انہوں نے

ہتھیار ڈال دیئے اور مسلمانوں نے انہیں گرفتار کرنا شروع کر دیا۔

چونکہ ہر ہندو لڑائی میں شریک ہو گیا تھا۔ اس لئے مسلمانوں نے ہر مسلح ہندو کو اسیر کرنا شروع کر دیا۔ گرفتاری کے وقت تمام قلعہ میں ابتری پھیل گئی۔ عورتیں چیخنے۔ بچے رونے اور بڈھے آہ و فریاد کر کے غل مچانے لگے۔ ان مختلف آوازوں نے پھر تمام قلعہ میں گونج پیدا کر دی رانی ماٹی اپنے محل میں تھی وہ خوب جانتی تھی کہ ہندوؤں کی تعداد مسلمانوں کے مقابلہ میں اس قدر زیادہ تھی کہ ان کا شمار ہی نہ ہو سکتا تھا اسے اپنی فتح کا پورا پورا الیقین تھا۔ مگر جب اس نے شور و فریاد کی آوازیں سنیں تو محل کی بالائی منزل پر کھڑی ہو کر قلعہ کے اندر جھانکنے لگی اس نے دیکھا کہ ہندو چھپتے اور مسلمانوں کے سامنے ہاتھ جوڑتے پھرتے تھے مسلمان انہیں اسیر کرتے پھر رہے تھے۔ جنگ بند ہو گئی اور گرفتاریاں شروع کر دی گئیں یہ منظر دیکھ کر ان کا دل ٹوٹ گیا تھا۔ وہ سمجھ گئی۔ کہ پرانی کتابوں میں جو پیشینگوئی کی گئی ہے اور موجودہ جوتشیوں نے جو کچھ کہا ہے اور جوگنی نے جو کچھ بیان کیا ہے وہ ہونے والی ہے۔

مسلمانوں کا قبضہ لاہور پر ہو گیا اور وہ ہندوؤں کو اسیر کرتے پھرنے لگے تھے۔ ماٹی کے محل میں اس کی بہت سی داسیاں تھیں اس نے ان سب کو بلا کر ہندوؤں کی گرفتاری کا منظر دکھایا سب خوف اور وہشت سے کانپ گئیں۔ ماٹی نے کہا۔ غیور عورتو! اب کس بات کا انتظار ہے۔ مسلمانوں نے قلعہ فتح کر لیا ہے۔ گرفتاریاں شروع کر دی ہیں کیا وہ ہمیں چھوڑیں گے؟
اس کی سہیلیوں نے کہا کبھی نہ چھوڑیں گے ہم کو بھی اسیر کریں گے۔

ماٹی۔ پھر کیا ارادہ ہے آیا مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہو کر ذلت کی زندگی بسر کرنا یا ستی ہو کر عزت کی موت مرنا۔

سب سہیلیاں اس کا منہ دیکھنے لگیں۔ ہندوؤں میں یہ قاعدہ تھا کہ جب کسی عورت کا خاوند مر جاتا تھا تو بیوہ عورت کو شوہر کی لاش کے ہمراہ زندہ ہی جلا دیا جاتا تھا۔ اس طرح جب کسی لڑائی میں ہندوؤں کو شکست ہوتی تھی۔ تو اکثر عورتیں لکڑی کے انبار لگا کر اس میں آگ لگا دیتیں اور جب شعلے بھڑک اٹھتے تو آگ میں گر کر جل جاتیں اس کو وہ "ستی" کے نام سے موسوم کرتے تھے ہندوؤں نے اپنی عورتوں کو بتا رکھا تھا کہ ستی ہونا عورت کا دھرم ہے اس لئے بے چاری بے زبان عورتیں "ستی" ہو جایا کرتی تھیں۔ سہیلیوں کو خاموش دیکھ کر ماٹی نے کہا تم چپ ہو گئیں۔ کیا ستی ہونا نہیں چاہتیں کیا اسے اچھا سمجھتی ہو کہ مسلمانوں کی لونڈیاں بنو۔

ان کی خدمت کرو۔ اپنا دھرم یا اپنا مذہب چھوڑ کر مسلمان بن جاؤ۔ سہیلیوں میں سے اکثر نے کہا۔ نہیں اس سے ہم ستی ہونا اچھا سمجھتی ہیں۔

ماٹی۔ بس تو چیتا تیار کرو۔ ابھی مسلمان سپاہیوں کو گرفتار کر رہے ہیں۔ جب ان سے فارغ ہو جائیں گے تب تمہاری طرف آویں گے۔ تم ان کے آنے سے پہلے ہی اپنا بلیدان (قربانی) دے کر دھرم کا پالن کرو۔

سب نے اچھا کہا اور چلی گئیں۔ ماٹی اپنے سنگار خانہ میں پہنچی اچھی اچھی پوشاک پہنی بیش قیمت زیورات پہنے اور خوب سنگار کر کے کمرہ سے باہر نکل کر محل کے صحن میں آئی بہت سی عورتیں۔ رانی کی سہیلیاں تھیں اچھی پوشاک اور اچھی زیورات پہنے کھڑی تھیں۔ ان کے سامنے لکڑیوں کا انبار لگا ہوا تھا اس میں گھی اور دوسری اشیاء ڈال دی گئی تھیں۔ جب رانی ماٹی وہاں پہنچی تو شعلے بھڑکنے لگے۔ ماٹی بھی آگ کے پاس کھڑی ہو گئی تھی۔ اس وقت شور و غل کی آواز محل کے قریب سے آنے لگی تھی۔ ماٹی نے کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان محل کے اندر گھس آنا چاہتے ہیں۔ ان کے آنے سے پہلے اپنے آپ کو اگنی دیوتا کے سپرد کر دو۔ نہیں یہ بڑی غلطی ہو گی ایک آواز آئی۔ تمام عورتیں نگاہ اٹھا اٹھا کر دیکھنے لگیں۔ انہیں جوگنی نظر آئی وہ ان کے پاس آکر کھڑی ہو گئی۔ اس نے کہا ڈیوبوسی ہونا اچھا نہیں ہے۔ سب نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا۔ میں نے اس پوتر بھومی (مقدس زمین) کو بچانے کی خاطر ہر طرح سے راجہ کو سمجھایا۔ مگر وہ نہ مانے (ماٹی سے) تمہیں سمجھایا تم نے بھی نہ سمجھا۔ انجام یہی نظر آ رہا تھا۔ جو ہوا اب بھی بہتری اسی میں ہے کہ تم اپنے آپ کو محمد قاسم کے حوالہ کر دو وہ رحم دل نوجوان ہے تم سب کو رہا کر دے گا۔ ستی ہونے سے کچھ فائدہ نہیں۔

ماٹی۔ مگر میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے کی ذلت سے جلنے کی تکلیف وہ موت کو اچھا سمجھتی ہوں۔

جوگنی۔ تمہاری مرضی! میں نے وعدہ کیا تھا کہ ایک مرتبہ پھر آؤں گی لہذا اپنے وعدہ پر آگئی اب سندھ میں کبھی نہ آؤں گی میں نے کوہ ہمالیہ کی چوٹی اپنے لئے منتخب کر لی ہے اب وہیں رہا کروں گی۔

جوگنی چلی گئی اور پھر کسی نے اسے ہرگز نہ دیکھا۔ شور و غل کی آوازیں دم بدم بڑھتی جاتی تھیں ایسا معلوم ہوتا تھا۔ جیسے کہ مسلمان محل کے محافظوں کو گرفتار کر رہے ہیں۔

مائی نے کہا جلدی کرو دیر یو۔ مسلمان محل میں آنے والے ہیں۔ یہ کہتے ہوئے وہ لوگ ہیں کود پڑی۔ اس کے ساتھ ہی بہت سی عورتیں آگ میں گریں اور جلنے لگیں۔ آگ کے شعلے اور بھی تیزی کے ساتھ بھڑکنے لگے اور جو عورتیں آگ کے اندر گر چکی تھیں انہیں جلانے لگے۔ مائی اور اس کی سہیلیوں کے ستی ہوتے ہی جس قدر عورتیں کھڑی تھیں سب ایک ایک کر کے آگ میں کود پڑیں اور شعلوں نے اپنے دامن میں لے کر انہیں خشک لکڑی کی طرح جلانا شروع کر دیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں بہت سے مسلمان محل کے اندر گھس آئے۔ یہ محمد قاسم کا دستہ تھا۔ محمد قاسم بھی آ رہا تھا۔ رانی لادی اس کے ساتھ تھی تمام مسلمان چتا کے گرد کھڑے ہوئے تھے۔ محمد قاسم نے لادی سے دریافت کیا کہ یہ آگ کیسی جلائی گئی ہے؟ لادی نے کہا۔

معلوم ہوتا ہے کہ رانی مائی اپنی خادماؤں اور سہیلیوں کے ہمراہ ستی ہو گئی ہے!

محمد قاسم نے افسوس ناک لہجہ میں کہا افسوس کس قدر نادانی کی ہے ان عورتوں نے۔

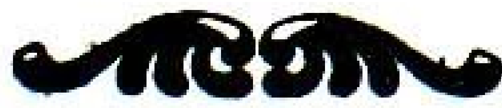
لادی۔ انہوں نے اپنے دھرم کا پالن کیا ہے ہم ہندوؤں میں یہ ایک رسم ہے۔

محمد قاسم۔ لیکن کیا یہ مناسب ہے؟

لادی۔ دھرم میں مناسب اور غیر مناسب کا خیال نہیں کیا جاتا۔

محمد قاسم۔ لیکن یہ دھرم کیا کہ عورتیں تو جلا دی جائیں اور مرد نہ جلائے جائیں۔ یہ کیا تمہارا دھرم ہے؟

اس عرصے میں تمام عورتیں جل کر خاکستر ہو گئیں۔ چونکہ ان کے جلنے کی وجہ سے تعفن پھیل گیا تھا۔ اس لیے یہ سب وہاں سے ہٹ کر کمروں کی طرف بڑھنے لگے۔



اڑسٹھواں باب ۶۸

حُسنِ اخلاق

مسلمانوں نے قریب قریب تمام ہندوؤں کو گرفتار کر لیا تھا۔ چونکہ حملہ کرنے سے پہلے ہی محمد قاسم نے اعلان کر دیا تھا کہ سیساگر وزیر اعظم۔ اس کے خاندان والوں اور ان لوگوں کو جنھیں وہ کہے گرفتار نہ کیا جائے

اس لئے اسے اور اس کے خاندان والوں کو کسی نے بھی گرفتار نہ کیا۔ قلعہ والوں کو اسیر کر لینے کے بعد محمد قاسم اپنا دستہ لے کر رانی بھی محمد قاسم کے ہمراہ ہو گئی اور یہ تمام اس محل میں پہنچے۔ جب رانی مائی اور دوسری عورتیں ستی ہو چکیں تو مسلمان وہاں سے ہٹ کر کمروں میں جا گھسے اور ہر ایک چیز کو نکال نکال کر باہر ڈھیر کرنے لگے۔

ان کے کمروں کے نیچے کئی تہ خانے تھے ان تہ خانوں میں داہر کے بزرگوں نے زر جواہرات کے انبار جمع کر رکھے تھے۔ رانی لادی نے تمام تہہ خانوں کو بتایا اور مسلمانوں نے ساری دولت باہر نکال ڈالی یہ دولت اس قدر تھی کہ اس سے کئی سلطنتیں خریدی جا سکتی تھیں سونے چاندی کی سلاخیں ہیرے جواہرات تاج و تخت۔ سونے چاندی کے برتن غرض کہ قیمتی اشیاء تھیں جب ان کے انبار لگا دیئے گئے تو ان کی جگمگاہٹ نے آنکھوں کو چوندھیا دیا۔ ان تمام چیزوں کو جمع کرنے کے بعد رانی لادی کے کہنے سے اس جیل خانہ کو توڑ دیا گیا۔ جس میں راجہ داہر نے ان عورتوں کو قید کر دیا تھا۔ جن سے وہ ناخوش ہوتا تھا۔ کئی ایک عورتیں قید تھیں۔ وہ سب شیران اسلام کو دعائیں دیتی چلی گئیں۔ جیل خانہ کے محافظوں کو قتل کر ڈالا گیا۔۔ ان کاموں کو انجام دیتے ہوئے دن چھپ گیا۔

رات بھر مسلمانوں نے آرام کیا اور دوسرے دن صبح کی نماز پڑھتے ہی محمد قاسم نے سب سے پہلے لاشیں قلعہ میں سے ہٹوائیں۔ شہداء کو جمع کر کے نماز پڑھی اور سرنگ

ہیں ان کو دفن کر کے سرنگ کو بند کرا دیا گیا اس معرکہ میں اڑھائی سو مسلمان شہید ہوئے تھے۔ ہندو آٹھ ہزار مارے گئے تھے جب لاشوں سے قلعہ پاک وصاف ہو گئے۔ تب محمد قاسم دربار عام کے سامنے جا بیٹھا اور اس نے مال غنیمت اور قیدیوں کو وہاں لانے کا حکم دیا۔ کچھ مسلمان مال غنیمت ڈھونڈ ڈھونڈ کر لانے لگے۔ کچھ قیدیوں کو لینے چلے گئے تھوڑی ہی دیر میں تمام قیدی لائے گئے۔ تین امیر زادیاں (شہزادیاں) تھیں۔ محمد قاسم نے ان عورتوں کو ایک طرف بٹھا دیا اور قیدی مردوں کو صف در صف اپنے ہمراہ کھڑا کرایا۔ اب سیساگر وزیر اعظم آ گیا۔ محمد قاسم نے اٹھ کر اس کا استقبال کیا۔ سیساگر نے محمد قاسم کے پاس آ کر جھکتے ہوئے کہا۔ نوعمر فاتح ہیں۔ آپ کے سامنے سر اطاعت خم کرتا ہوں۔

محمد قاسم نے کہا۔ میں اور تمام مسلمان آپ کے بے حد ممنون ہیں آپ نے طاہرہ کے ساتھ اظہار ہمدردی کر کے مسلمانوں پر ایک زبردست احسان کیا ہے۔

سیساگر۔ میں مسلمانوں کا بے حد مشکور ہوں انہوں نے عام گرفتاری کے وقت میری اور میرے خاندان کی عزت کو برقرار رکھا ہے اور میرے گھر والوں میں سے کسی کو ہاتھ تک نہیں لگایا۔

محمد قاسم۔ جب مسلمان آپ کے مشکور تھے کیسے آپ پر یا آپ کے خاندان پر دست درازی کر سکتے تھے۔

سیساگر۔ مجھ پر اس بات کا گہرا اثر ہوا ہے۔

اب یہ دونوں بیٹھ گئے۔ سیساگر نے دریافت کیا گیا۔ طاہرہ آپ کے پاس پہنچ گئی ہے۔

محمد قاسم۔ جی ہاں وہ آپ کی مشکور ہے۔

سیساگر۔ وہ نہایت نیک لڑکی ہے میں نے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ داہر کا تختہ مشق ستم بنے

محمد قاسم۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ نیک دل ہیں اور اسی نیکی کی وجہ سے آپ کو گوارا نہ ہوا۔

سیساگر۔ میں نے راجہ داہر کو سمجھایا تھا کہ وہ صلح کر لیں مگر انہوں نے نہ مانا۔

محمد قاسم۔ افسوس ہے کہ اس نے بلاوجہ چند مسلمانوں کو گرفتار کر کے جنگ مول لے لی۔

سیساگر۔ حالانکہ انہیں ہر جوتشی اور ہر منجم نے بہت کچھ سمجھایا مگر وہ نہ مانے۔

محمد قاسم۔ خدا کو اسی طرح منظور تھا۔

سیساگر۔ اب میرے لئے کیا حکم ہے؟

محمد قاسم۔ آپ ہمارے محسن ہیں بالکل آزاد ہیں۔ جہاں چاہیے رہیے جہاں جی

چاہے جلیئے آپ کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں ہے۔

سیساگر۔ طاہرہ کہاں ہے۔

محمد قاسم۔ اسلامی کیمپ میں

سیساگر۔ میری ایک لڑکی تھی جو مرگئی ہے۔ اگر وہ زندہ ہوتی تو اس کی عمر طاہرہ کے برابر ہوتی مجھے طاہرہ سے اپنی بیٹی جیسی محبت ہے کیا وہ میرے پاس رہ سکتی ہے۔

محمد قاسم۔ بڑی خوشی سے

سیساگر۔ مگر وہ تو مسلمان ہے۔

محمد قاسم۔ آپ کے پاس رہنے سے اس کے اسلام میں کوئی فرق نہ آئے گا۔

سیساگر۔ بات یہ ہے کہ مجھ پر آپ کے اخلاق کا اور مسلمانوں کی شرافت کا اثر اس قدر ہوا ہے کہ میں خود آپ کے مذہب میں داخل ہونا چاہتا ہوں۔

محمد قاسم۔ یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے اس طرح آپ کل مسلمانوں کے بھائی بن جائینگے۔

سیساگر۔ اور طاہرہ مجھے اپنا باپ سمجھنے لگے گی۔

محمد قاسم۔ بالکل!

سیساگر۔ اچھا تو مجھے مسلمان کر لیجئے۔

محمد قاسم نے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اس کے مسلمان ہونے سے تمام مسلمانوں کو بڑی مسرت ہوئی اور سب نے خوش ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا اب رانی لادی محمد قاسم کے پاس آ بیٹھی۔ اس نے کہا میں عرصہ سے مسلمانوں میں رہی ہوں ان کے اخلاق و عادات اور خدا پرستی کا مجھ پر خاص اثر ہوا ہے لہٰذا میں بھی مسلمان ہونا چاہتی ہوں۔ یہ سن کر محمد قاسم کو بے حد مسرت ہوئی اس کا خیال تھا کہ شاید رانی لادی اپنا مذہب تبدیل نہ کرے مگر اب جب کہ اس نے خود مسلمان ہونے کی خواہش ظاہر کی تو وہ بہت خوش ہوا اور خاص نگاہوں سے جن میں محبت کی جھلک تھی۔ لادی کو دیکھنے لگا۔ لادی کی ہوشربا نگاہیں بھی اس کی طرف اٹھ گئیں اس نے شرما کر اپنی نظریں جھکالیں محمد قاسم نے اسے بھی کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ مسلمانوں کو اس کے مسلمان ہونے سے بڑی مسرت ہوئی اور انہوں نے پھر فرط انبساط سے بے خود ہو کر اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ اب محمد قاسم نے سیساگر سے کہا۔ جو مرد اور عورتیں قید کی حالت میں ہیں ان سے پوچھ لیجئے کہ ان میں سے کوئی اور تو مسلمان ہونا نہیں چاہتیں سیساگر

نے کہا مردوں سے میں پوچھتا ہوں اور عورتوں سے رانی جی دریافت کر لیں۔ چنانچہ مردوں سے سیساگر نے اور عورتوں سے رانی لاڈی نے دریافت کیا۔ صرف دس مرد اور پانچ عورتیں اور مسلمان ہوئیں انہیں فوراً ہی رہا کر دیا گیا۔ اب محمد قاسم نے مال غنیمت کا خمس (پانچواں حصہ) نکال کر بقایا چار حصے تمام مسلمانوں اور نو مسلموں پر جو جے پور میں کسکہ کے ہمراہ مسلمان ہوئے تھے جب رسد تقسیم کر دیا۔ ایک ایک مسلمان کے حصہ میں اتنی دولت آئی کہ غنی بن گئے۔

اس دن تمام قیدی جن میں تیس ہزار مرد۔ پچاس ہزار عورتیں اور ان عورتوں میں تیس امیر زادیاں اور شہزادیاں تھیں اور ایک راجہ داہر کی بھانجی بھی تھی معہ مال غنیمت کے خمس کے کعب بن مخارق کے ساتھ حجاج کی خدمت میں بھیج دیئے گئے۔ محمد قاسم کو دوپہر کے قریب ان تمام کاموں سے فراغت ہو گئی اب اس نے اسلامی کیمپ کو معہ تمام سامان کے قلعہ کے اندر منتقل کر دیا اور منادی کرادی کہ ہندو اپنا کاروبار شروع کر دیں اب امن ہو گیا ہے کسی فرد بشر کا جان و مال خطرہ میں نہیں ہے ہندوؤں نے دکانیں کھولیں اور گھروں سے نکل آئے اور اپنے کاروبار میں مصروف ہو گئے۔ محمد قاسم خود راج محل کے ایک حصہ میں ٹھہرے دوسرے حصے میں اسلم اور ذکوان مقیم ہو گئے۔ باقی تمام سردار محل سے باہر قلعہ کے اندر ٹھہرے۔ طاہرہ رانی لاڈی کے پاس محل کے شرقی حصے میں مقیم ہو گئی۔ ظہر کی نماز کے بعد سیساگر طاہرہ کے پاس پہنچا۔ چونکہ طاہرہ کو محمد قاسم نے اپنی بہن بنالیا تھا۔ اس لئے وہ اس وقت اس کے پاس بیٹھا تھا اور رانی لاڈی بھی بیٹھی تھی سیساگر آغوش کشادہ ہو کر طاہرہ کی طرف بڑھا۔ اس نے کہا بیٹی پیاری بیٹی۔ طاہرہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ سیساگر اسے بیٹی بنانا چاہتا ہے وہ جلدی سے کھڑی ہو گئی اس نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ابا پیارے ابا۔ وہ بڑھ کر سیساگر کے کندھے سے جا لگی بڈھے وزیر نے اسے پیار کر کے دعا دی اور طاہرہ کو لے کر وہیں بیٹھ گیا اب ان میں باتیں ہونے لگیں اس طرح سندھ کی مہم شروع ہوئی اور راجہ داہر کی موت کے بعد اس کا دارالسلطنت [1] الور فتح ہو گیا۔

---

[1] محمد قاسم کی فتوحات کا سلسلہ صرف الور ہی ختم نہ ہو گیا تھا بلکہ چند روز آرام کرنے کے بعد وہ برہمن آباد کی طرف بڑھا اور پھر الور بابیلہ کو فتح کر کے برہمن آباد پہنچا اور اسے بھی فتح کر لیا! اس قلعہ میں برہمن اس

--- (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ سابقہ)

کثرت سے آباد تھے کہ محمد قاسم نے برہمنوں کی تنخواہیں مقرر کر کے انہیں فکر معاش سے بے نیاز کر دیا اور برہمن آباد سے ملتان کی طرف بڑھا۔ ۳ محرم ۹۴ھ کو ساوندی اور سمہ کو فتح کر کے لوہانہ پہنچا اور اسے بھی فتح کر لیا یہاں اس کے پاس حاکم قلعہ بھیس تبدیل کر کے آیا اور کہا کہ میں ایک عجیب تماشہ دکھاؤں گا۔ مگر اس وقت جب کہ تم مجھے اور میرے خاندان والوں کو امان دو۔ محمد قاسم نے اسے امان دی اس نے داڑھی اور مونچھیں اکھاڑ کر پھینک دیں اور کہا کیا یہ عجیب تماشہ نہیں ہے کہ حاکم قلعہ اس طرح امان مانگنے آئے لوگوں نے محمد قاسم سے کہا کہ یہ فریب ہے مگر محمد قاسم نے جواب دیا جو کچھ بھی ہو میں نے اسے امان دے دی ہے اپنے قول سے نہیں پھر سکتا۔ آگے بڑھ کر اس نے ملتان کو بھی فتح کر لیا اور ملتان سے آگے بڑھ کر سرحد کشمیر تک فتح کرتا چلا گیا۔ چونکہ ان واقعات کا ہمارے افسانہ سے تعلق نہیں ہے اس لئے ہم نے انہیں شرح میں نہیں لکھا ہے۔

(صادق صدیقی)



انہتروال باب ۶۹

شاد کامان محبت

رانی لادی کے مسلمان ہونے سے یوں تو ہر مسلمان کو مسرت ہوئی مگر سب سے زیادہ مسرت طاہرہ کو ہوئی۔ ایک تو لادی تھی ہی نیک اور بھولی دوسرے جب سے داہر طاہرہ کو لے گیا تھا اس وقت سے وہ رانی کے پاس ہی رہی تھی۔ رانی اس کے خلق و مروت سے پیش آنے سے اس سے بے حد مانوس ہو گئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ کوئی ایسا ذریعہ نکل آئے جس سے رانی لادی ہمیشہ مسلمانوں ہی میں رہنے لگے اگرچہ اسے معلوم تھا کہ رانی لادی محمد قاسم سے محبت کرتی ہے مگر اسے یہ یقین نہ آیا تھا کہ وہ مسلمان ہو جائے گی۔ مگر اب جبکہ وہ مسلمان ہو گئی تو اسے بڑی خوشی ہوئی اور اب اسے امید واثق ہو گئی کہ وہ رانی لادی کے پاس رہ سکے گی۔ سیاگر کو طاہرہ سے بالکل اپنی بیٹی کی طرح سے محبت ہو گئی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ چل کر اس کے محل میں رہے مگر رانی لادی نے اسے کہہ سن کر اس بات پر آمادہ کر لیا تھا کہ ابھی طاہرہ کو لادی کے پاس ہی رہنے دیا جائے اور وہ دونوں ایک ہی جگہ رہتی تھیں جس قدر لادی کو طاہرہ سے محبت ہو گئی تھی اس سے زیادہ طاہرہ کو لادی سے تھی۔

طاہرہ نے اسے نماز یاد کرا دی تھی اور وہ پابندی اوقات کے ساتھ نماز پڑھتی تھی۔

دونوں میں بے حد محبت بڑھ گئی تھی گویا دونوں دو جسم اور ایک روح بن گئی تھیں ایک روز دونوں کمرہ سے باہر ایک مسند پر تکیوں کے سہارا سے بیٹھی تھیں۔ اب رانی لادی بھی مسلم عورتوں کے سے کپڑے پہننے لگی تھی اور یہ کپڑے اس کے نہایت ہی بھلے معلوم ہوتے تھے اس وقت وہ ریشمیں قمیض اور شلوار پہنے اور نہایت باریک دوپٹہ اوڑھے جواہرات اور موتیوں کے زیورات پہنے بیٹھی تھیں۔ اس کی صورت چمک رہی تھی۔ طاہرہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی نہایت توجہ اور بڑے غور سے۔ لادی نے اس کی طرف دیکھ کر

مسکراتے ہوئے کہا۔ کیا دیکھ رہی ہو طاہرہ؟ طاہرہ نے کہا۔ سندھ کے چاند کو دیکھ رہی ہوں۔
لادی نے حیران نہ ہوتے ہوئے کہا کہاں ہے سندھ کا چاند؟

طاہرہ۔ تم ہو رانی۔

لادی۔ میں ہوں؟

طاہرہ۔ ہاں تم ہو۔

لادی۔ اور تم۔

طاہرہ۔ میں ایک عربی دوشیزہ ہوں۔

لادی۔ نہیں تم تو عرب کا چاند ہو۔

طاہرہ نے شوخی سے لادی کو دیکھتے ہوئے کہا۔ چاند میں عرب کا؟ نہیں تم ہو۔
فاتح سندھ تو چاند تم ہی کو بتاتے ہیں۔

لادی۔ فاتح سندھ کون۔

طاہرہ محمد قاسم۔

لادی نے خفیف تبسم کے ساتھ طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بڑی شوخ ہوگئی ہو طاہرہ

طاہرہ۔ اس میں شوخی کی کیا بات ہے۔

لادی۔ کیا تم سے انہوں نے نہ کہا تھا۔

طاہرہ مجھ سے کس نے کہا تھا۔

لادی۔ جن کا ابھی تم نام لے رہی تھیں۔

طاہرہ۔ کن کا نام لے رہی تھی میں کچھ یاد نہیں رہا مجھے۔

لادی۔ یاد نہیں رہا بڑا اچھا ہوا۔

طاہرہ نے شوخی سے مسکراتے ہوئے کہا اچھا ہوا؟ ہاں بلاشبہ اچھا ہوا کوئی ان کا نام
لے انہیں یاد رکھے یہ تم کو کہاں گوارا ہو سکتا ہے۔

لادی۔ کیوں گوارا نہیں ہو سکتا!

طاہرہ۔ یہ اپنے دل سے پوچھو۔

لادی۔ دل سے؟

طاہرہ نے ہنستے ہوئے کہا مگر دل تمہارے پاس ہے ہی کہاں۔

لادی۔ اور کہاں گیا میرا دل۔

طاہرہ۔ دیکھو ان کے پاس ہے وہ جو سامنے سے آ رہے ہیں۔

محمد قاسم سامنے سے آ رہا تھا۔ لادی شرما گئی اس نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ اچھا طاہرہ میں تجھے اس تیزی شوخی کی سزا دوں گی۔ طاہرہ نے ہوشربا نگاہوں سے دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔ کیا سزا دو گی تم؟

لادی۔ ذرا چپ۔ قریب آگئے ہیں وہ

طاہرہ۔ آگئے ہیں تو آنے دو۔ میں کہے دیتا ہوں رانی تم سے ناخوش نہیں ہے۔ تمہارا نام لیا اور تم سے باتیں کرنا بھی وہ چاہتے ہیں۔ لادی نے جلدی سے اس کے منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہیں ایسا غضب نہ کرنا وہ خفا ہو جائینگے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ہو جانے دو تمہارا کیا کر بیٹھے۔ طاہرہ نے کہا۔

لادی نے التجا آمیز نظروں سے شریر طاہرہ کو دیکھے کہا نہیں ایسا نہ کرو طاہرہ۔

طاہرہ۔ اچھا نہ کہوں گی مگر۔

لادی نے طاہرہ کے چہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا مگر کیا؟

طاہرہ۔ تم ان کا نام لے دو مگر ذرا جلدی سے نہیں تو وہ قریب آنے والے ہیں اور پھر مجھے ان سے کہہ دینا پڑے گا۔

محمد قاسم بہت قریب آگیا۔ لادی نے جلدی سے کہا۔ محمد قاسم اس نے شرما کر سر جھکا لیا۔ طاہرہ مسکرانے لگی اب محمد قاسم آگیا۔ دونوں حوریں اس کے استقبال کے لیے کھڑی ہو گئیں۔ محمد قاسم بیٹھ گیا اور یہ دونوں بھی بیٹھ گئیں۔ محمد قاسم نے کہا اعلیٰ حضرت خلیفۃ المسلمین کا خط آیا ہے۔ انہوں نے رانی صاحبہ کو ان کے مشرف بہ اسلام ہونے پر مبارک باد دی ہے اور لکھا ہے کہ وہ بالکل آزاد ہیں اگر ہندوستان میں ہی رہنا چاہیں تو وہاں پہنچا دی جائیں اور اگر ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

طاہرہ نے محمد قاسم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا اور کیا؟ محمد قاسم نے رک رک کر کہا اور ۔ ۔ ۔ اگر ۔ ۔ ۔ یہ کسی ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سے ۔ ۔ ۔ ۔ شادی ۔ ۔ ۔ کرنا چاہیں خود مختار ہیں شادی کر لیں۔ محمد قاسم نے ایسے انداز سے یہ الفاظ ادا کیے جن سے معلوم ہوتا تھا کہ انکی ادائیگی کے وقت اسے قلبی صدمہ پہنچا ہے۔ لادی محمد قاسم کے چہرہ کی طرف

دیکھ رہی تھی۔ طاہرہ نے مسکرا کر کہا۔ رانی صاحبہ شادی کرنے کے لئے تیار ہیں۔ لادی اور محمد قاسم نے اس شوخ ادا حور کی طرف دیکھا۔ محمد قاسم نے دریافت کیا کس کے ساتھ؟

طاہرہ۔ آپ ان سے ہی دریافت کریجئے۔

محمد قاسم نے لادی کی طرف دیکھا لادی کا سر فرط حیاء سے جھک گیا آنکھیں فرش پر لوٹنے لگیں۔ محمد قاسم نے کہا یہ تو شرما گئیں۔ کچھ تم کو معلوم ہو تو کہو؟ طاہرہ نے شوخی سے محمد قاسم کو دیکھتے ہوئے کہا ہاں مجھے معلوم ہے مگر۔

محمد قاسم۔ مگر کیا؟

طاہرہ۔ آپ کچھ انعام دیں تو بتاؤں

محمد قاسم۔ انعام؟ اچھا بہن اپنے بھائی سے کیا انعام چاہتی ہے۔

طاہرہ۔ جو آپ مناسب سمجھیں!

محمد قاسم۔ میں دوں گا اپنی بہن کو انعام دوں گا۔

طاہرہ۔ تو بتاؤں؟

محمد قاسم۔ ہاں بتا دو

طاہرہ۔ آپ سے شادی کرنا چاہتی ہیں۔

لادی پر گھڑوں پانی پڑ گیا۔ اس کا بڑھتی ہوئی شرم کی وجہ سے قد اور جھک گیا پھول سے عارض پسینہ میں تر ہو گئے۔ محمد قاسم نے محبت بھری نظروں سے لادی کی طرف دیکھا اور دیکھتا رہا دیر تک دیکھتا رہا۔ کچھ وقفہ کے بعد بولا کیا میں ایسا خوش قسمت ہوں؟ طاہرہ نے مسکرا کر کہا اب یہ ان سے پوچھ لیں آپ؟

محمد قاسم۔ یہ تو شرم سے دوہری ہوئی جا رہی ہیں دریافت کس سے کروں۔

طاہرہ نے لادی کی ٹھوڑی اوپر کرتے ہوئے کہا۔ دیکھو فاتح سندھ تم سے کیا پوچھ رہے ہیں۔ لادی نے شرمیلہ چہرہ اٹھا کر حیا پرور نگاہوں سے محمد قاسم کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں کے ذریعے سے ہزاروں تیر گزر کر دل میں پیوست ہوتے چلے گئے اور وہ اپنا زخم خوردہ دل سنبھالنے لگا۔ طاہرہ نے کہا اب دریافت کر لیں آپ ان سے۔ محمد قاسم نے کہا کیا یہ طاہرہ سچ کہہ رہی ہیں۔ لادی کے لب کھلے مگر شرم نے کچھ کہنے کی اجازت نہ دی۔

طاہرہ نے کہا۔ شرم کی گڑیا نہ بنو کہہ دو تم ان سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔ لادی کچھ کچھ کہہ نہ سکی۔ طاہرہ نے اس کے کان میں کہا۔ دیکھو ہاں کہہ دو ورنہ وہ خفا ہو جائیں گے۔ لادی نے شریر طاہرہ کو بناوٹی غصہ سے کہا۔ طاہرہ یہ غصہ کرنے کا وقت نہیں ہے کہ دو ہاں کہہ دو۔

یہ کہتے ہی طاہرہ نے اس کے گدگدی شروع کر دی۔ لادی کو ہنسی آ گئی اس نے آہستہ سے کہا ہاں! طاہرہ نے محمد قاسم کی طرف دیکھ کر کہا۔ سن لیا آپ نے؟

محمد قاسم۔ سن لیا۔ مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہ تھا۔ مگر تم نے ان کو پریشان کر دیا طاہرہ۔

طاہرہ نے برا ماننے کی شان سے کہا لیجئے الٹی شکائتیں ہونے لگیں احسان تو گیا

محمد قاسم۔ کیا میں سیسا گر وزیر اعظم اور اسلامی لشکر کے سرداروں سے اس کا ذکر کر دوں۔

لادی نے شرمیلے لہجہ میں کہا۔ جیسے آپ کی منشا

محمد قاسم۔ تمہارا شکریہ

یہ کہہ کر وہ اٹھا اور چلا گیا۔ جب وہ ذرا دور نکل گیا تب لادی نے طاہرہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بڑی ہی شوخ ہے طاہرہ۔ طاہرہ ہنس رہی تھی۔ اس نے کہا۔ شوخ ادا اچھا میں شوخ ہی سہی لیکن میں نے اچھا کیا یا برا؟ لادی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ بہت برا کیا۔ طاہرہ نے اٹھتے ہوئے کہا اچھا میں ان سے کہے دیتی ہوں کہ رانی تم سے نفرت کرتی ہیں اور وہ شادی کرنے کے لیے تیار نہیں۔

لادی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتے ہوئے کہا۔ شریر تم نے ایسی باتیں شروع کر دیں جن سے میں شرما کر زمین میں گڑنے لگی۔ طاہرہ نے بیٹھتے ہوئے کہا یہ تمہاری غلطی ہے یہ تمہاری آرزو تھی میں نے وہی تو ظاہر کی تھی۔

لادی۔ اور اپنی آرزو؟

طاہرہ۔ میری تو کوئی آرزو ہی نہیں۔

لادی۔ تو یہ سمجھتی ہے کہ میں تیرا حال نہیں جانتی۔

طاہرہ نے متعجب ہو کر کہا میرا حال؟

لادی۔ ہاں میں محمد قاسم سے کہے دیتی ہوں کہ وہ اسلم کو عراق بھیج دیں۔

طاہرہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ کہ دو میرا اس میں کیا نقصان ہے۔

لادی۔ اچھا تیرا نقصان نہیں ہے بڑی بے مروت اور سنگ دل ہے تو؟

طاہرہ۔ کیسے جانا تم نے؟

لادی۔ مجھ سے اسلم نے کہا تھا کہ میں تم کو اس سے شادی کرنے پر آمادہ کروں۔

طاہرہ چپ ہو گئی۔ لادی نے کہا اب چپ کیوں ہیں

طاہرہ۔ اور کیا کروں۔

لادی۔ بولو تم کو منظور ہے۔

طاہرہ۔ نہیں۔

لادی۔ اچھا دیکھو وہ اسلم آرہے ہیں کہے دیتی ہوں کہ انہیں شادی کرنا منظور نہیں ہے۔

طاہرہ نے نظریں اٹھا کر دیکھا سامنے سے اسلم آرہا تھا۔ طاہرہ نے کہا لیجئے وہ بھی آگئے بھلا اس میں ان کے آنے کی کیا ضرورت تھی۔

لادی۔ کہو تو آنے دوں انہیں

طاہرہ نے مسکرا کر کہا ہرگز نہ آنے دو

لادی۔ بڑی شریر ہے تو طاہرہ

اس عرصہ میں اسلم بھی وہاں آگیا۔ طاہرہ اسے دیکھ کر کچھ سمٹ گئی لادی نے کہا اچھا ہوا تم آگئے۔ میں نے اس شریر طاہرہ سے ذکر تھا۔ یہ رضا مند ہیں۔ طاہرہ نے لادی کی طرف دیکھا لادی مسکرا رہی تھی اسلم محبت بھری نظروں سے طاہرہ کو دیکھ رہا تھا اس نے کہا۔ میں مشکور ہوں لادی نے کہا کس کے مشکور ہو تم۔

اسلم۔ دونوں ہی کا مشکور ہوں۔

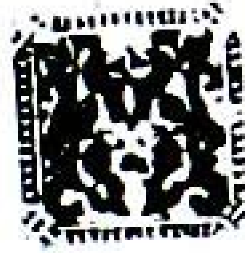
لادی نے شوخی سے مسکرا کر کہا بھلا میرے مشکور تو کیا ہوتے ہاں طاہرہ کے البتہ مشکور ہو گے۔

اسلم۔ خاص طور پر تو ان کا ہی مشکور ہوں۔

لادی اور اسلم دونوں طاہرہ کو دیکھ رہے تھے۔ طاہرہ کا سر شرم سے جھکا ہوا تھا۔ لادی نے کہا۔ شرما کیوں رہی ہو طاہرہ؟ طاہرہ نے قدرے مسکرا کر آہستہ سے کہا۔

بھلا یہ مذاق کیا سوجھا تھا تم کو رانی؟ اسلم کچھ دیر بیٹھ کر چلا گیا۔

رانی نے اس کے گلے میں باہیں ڈال کر کہا۔ مذاق تم جیسی شوخ سے اور کس طرح اقرار کرایا جاتا۔ طاہرہ تمہاری اور میری دونوں ایک ساتھ شادی ہوگی۔ طاہرہ چپ ہو گئی اور دونوں اٹھ کر کمرہ سے چلی گئیں۔ چند ہی روز کے بعد اسلم کی طاہرہ سے اور لاڈی کی محمد قاسم سے شادی ہوگئی اور یہ دونوں جوڑے نہایت خوشی سے زندگی بسر کرنے لگے۔



علاؤالدین خوارزم شاہ

اسلم راہی ایم اے

